

۱۰۰

الْأَكْمَالُ فِي الدِّينِ
تَحْقِيقُ الْحَمْدِ
صِفَةُ رَحْمَاتِ

گٹریکل اسپوریشن آف وی پاپیو لہر جہاد

Handwritten signature

نواب اعظم یار جنگ لوی چراغ علی مرحوم مصنف رفیق
اندر مسلم رول، اسلام کی دنیوی برکتیں وغیرہ وغیرہ

علامہ مصنف نے بزبان انگریزی ۱۸۵۵ء میں یورپ میں متنفذین کے اس اعتراض کے جواب میں کہ مذہب اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے قرآنِ احیث و قدحہ اور تاریخ سے نہایت عالمانہ اور حقائقہ طور پر ثابت کیا ہے کہ جناب پیغمبر اسلام صلعم کے تمام غزوات و مسایا اور بعوث و دعای فقہ اور ان کا مقصد نہ یہ تھا کہ غیر مسلموں کو بزورِ شمشیر مسلمان کیا جائے، بلکہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام مجبوراً صرف مدافعت کرتے تھے جس کو ۱۹۱۲ء میں

مولوی غلام الحسین صاحب پانی پتی مترجم فلسفہ تعلیم و تہذیب نے ترجمہ کیا

اور صرف غیبیہ حیات کا ترجمہ

مولوی عبد الغفور صاحب رامپوری نے کیا

اور ۱۳۱۹ء میں

مولوی عبد اللہ خاں صاحب نے تاریخی، جغرافیائی، اور اسماء الرجال والبلدان کی تاریخ اور اضافوں کے ساتھ کتب خانہ اصفیہ حیدر آباد دکن سے شائع کیا

191

رفاؤ عام ٹیم پریس لاہور میں مولوی عبدالحق صاحب کے اہتمام سے چھپا

جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں

الم... هـ

حسان الہند مولانا میر غلام علی آزاد بلگرامی

(۱) کتاب مآثر الکرام

مولانا جلیتمش اللہ صاحب قادری عالم آثار قدیمہ اسلامیہ
کاریو

علم تاریخ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ سلسلہ واقعات ہے کہ جس میں مختلف قوموں اور سلطنتوں کے عروج و زوال کی بحث کی جاتی ہے اور جس کو عرف عام میں تاریخ یا ہسٹری کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں کسی ملک و قوم کے مختلف افراد کا تذکرہ کیا جاتا ہے اس کو اسماء الرجال یا ہیروکریفی کہتے ہیں۔

اسماء الرجال جس کو دوسرے الفاظ میں تذکرہ نویس بھی کہتے ہیں کم و بیش قدیم الایام سے چلا آتا ہے۔ عبرانی۔ یونانی۔ رومی تاریخ میں اس فن کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن ان میں زیادہ تر ملکی ہیرووں کے جنگی کارنامے یا اولیاء و شہداء کے شرف و کرامات منقبط ہیں۔ قرون وسطیٰ میں مسلمانوں نے اس فن کو اس قدر ترقی دی کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ان لوگوں نے تراجم طبقات۔ وفيات و اعیان وغیرہ عنوانوں سے ہزاروں کتابیں لکھ ڈالیں اور ان میں علماء و فضلاء شہداء حکماء ائمہ وغیرہ وغیرہ خواص و خواص کے لکھ لکھا آدمیوں کا تذکرہ قلمبند کر دیا۔ اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا خالی از لطف نہیں ہوگا کہ یہ تمام کارنامے ان مسلمانوں کے قلم و قریب سے جاری ہوئے اور روم۔ شام۔ مصر میں رہتے تھے۔ برخلاف اس کے ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کی ساتھ بہت بے اعتنائی سے کام لیا۔ مسلمانان ہند کی تاریخ پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ اس زمانہ سے لیکر مغل بادشاہ کے اعلیٰ و کمال ہندوستان کی مردم خیز خاک سے بڑے بڑے علماء۔ فضلا اور نامی گرامی اہل کمال پیدا ہوئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے حالات مصنفین کی بے پروائی سے اس طرح ناپید ہو گئے کہ اس وقت باوجود تلاش و تجسس کے بھی نہیں مل سکتے۔ مولانا آزاد بلگرامی بارہویں صدی ہجری میں ایک نامی گرامی مصنف گزرے ہیں۔ انہوں نے اسماء الرجال میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اور ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ اس امر کا ذکر کیا ہے کہ وہ ہندوستان میں اسماء الرجال کے سب سے پہلے مصنف ہیں۔ چنانچہ ان کی اصل عبارت یہ ہے :-

”ویش ازمن احمدیے آشتینی سعی بہ این درجہ نہ شکستہ و کم خدمت بزرگان سلف و خلف باین جد و جہد نہ بستہ“
مولانا آزاد سے پہلے اگرچہ علامہ عبدالقادر بدایونی اور شیخ الوفا علی بن علی وغیرہ نے اپنی تاریخوں میں اپنے معاصرین کا تذکرہ بھی قلمبند کیا ہے۔ لیکن یہ تحریرات اس موقع پر مستقل تصنیف کی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔ مولانا آزاد نے اسماء الرجال کو ایک مستقل فن قرار دیکر اس کے مختلف شعبوں پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً تراجم علماء میں سچۃ المرعاجان۔ مآثر الکرام۔ تراجم شعراء میں یدر فیضیاء۔ خزانہ جامعہ۔ سرور آزاد۔ تراجم صوفیہ میں روضۃ الاولیاء۔ شجرہ طیبہ وغیرہ وغیرہ۔ اس اعتبار سے اگرچہ یہ کہیں تو کچھ بیجا امر نہ ہوگا کہ مولانا آزاد بلگرامی ہندوستان میں اسماء الرجال کے سب سے پہلے مصنف۔ مآثر الکرام اسماء الرجال کی ایک قابل قدر اور بیش قیمت کتاب ہے اس میں علامہ مصنف نے ان ڈیڑھ سو مشاہیر علماء و صوفیہ کا تذکرہ قلمبند کیا ہے جو فتح اسلام سے لیکر بارہویں صدی ہجری کے خاتمہ تک سرزمین ہندوستان کے مختلف شہروں میں گزرے ہیں اور ہر ایک شخص کی نسبت وہ تمام باتیں درج کر دی ہیں جو اس کی سوانح عمری کے لئے ضروری اور کارآمد ہیں مثلاً خاندان۔ قوم۔ وطن۔ تعلیم و تربیت۔ تلمذ۔ اخلاق و عادات۔ تصنیف تالیف وغیرہ اور اس کے ضمن میں بہت سے تاریخی واقعات اور علمی نکات کا تذکرہ بھی آگیا ہے مصنف نے کتاب کو دو حصوں پر مرتب کیا ہے۔

پہلا فصل میں صوفیائے کرام کے حالات ہیں۔ دوسری فصل میں علماء و فضلا کا تذکرہ ہے۔ ہر فصل کی ابتدا میں ایک تہذیب ہے۔ پہلی تہذیب

کی ضرورت نہیں ہے، اس پر دفتر کے دفتر لکھے جاسکتے ہیں، اور ان واقعات سے ہماری اور غیروں کی تازہخیں بھری پڑی ہیں۔ اور جسے مذہبی پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھنا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کرے۔

معترضین کو جہاد کا حربہ ایسا مل گیا ہے کہ اسے جاوید ہر موقع پر پیش کر دیتے ہیں۔ گویا اسے مسلمانوں کی طرف سے نفرت پیدا کرانے کے لئے ایک بیجا بنا رکھا ہے۔ اور یہ ایک ایسا ڈراؤنا اور خوفناک لفظ ہو گیا ہے کہ اہل یورپ اسے سن کر اس طرح چونک اٹھتے ہیں جیسے کبھی پنولین کے نام سے وہاں کے تاجدار سہم جایا کرتے تھے۔ لیکن کیا حقیقت یہ لفظ ایسا خوفناک ہے؟ جہاد کیا ہے؟ اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ پیر پلانا اور حتی المقدور کوشش کرنا۔ کب؟ جب جان و مال، تنگ و ناموس اور مذہب پر آئے۔ کون قانون ہے جو اس کی اجازت نہیں دیتا، اور کونسا انسان ہے جو ایسے وقت اپنی حفاظت نہیں کرتا۔ مدافعت اور اپنی حفاظت ایک قدرتی فعل ہے اور بڑے بڑے انسان سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑے مکوڑے تک وقت پڑے پر اپنی حفاظت اور مدافعت میں سعی کرتے ہیں۔ اسلام نے ہمیں بھرپور و شمشیر کسی کو مسلمان بنانے کی اجازت نہیں دی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا کیا نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کے حالات کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہے کہ ابتدائی تیرہ سال آپؐ پر کیسی مصیبت کے گزرے ہیں۔ قریش نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا۔ طرح طرح سے آپؐ کی توہین و تحقیر کی، جسمانی، مالی اور روحانی صدمے پہنچائے، ادائے نماز سے روکا، یہاں تک کہ تھوکا، کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈالی، آپؐ کی گردن میں آپؐ ہی کے عمامے کا پھندا ڈال کر کعبہ سے باہر نکال دیا، تلقین و تعلیم سے باز رکھا اور ہر قسم کی اذیتیں اور صعوبتیں پہنچائیں۔ آپؐ کے پیروؤں پر بڑے بڑے ظلم توڑے، اور کوئی دقیقہ ان کے ستانے اور ان کی زندگی تلخ کرنے کا اٹھانہ رکھا۔ آپؐ کے اور تمام منگمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور ایک

جس کا قائم کیا اور آمد و رفت، میل جول اور تمام تعلقات باہمی قطع کر دئے۔ آخر انہیں مایوس و مجبور ہو کر اپنے وطن مالونہ کو خیر باد کہنا پڑا، اور آوارہ وطن ہو کر مکہ سے دور جا کر پناہ لی۔ مگر ظالموں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور پہلے سے زیادہ ظلم و تعدی پر آمادہ ہو گئے اور فوجیں لے لے کر حملہ آور ہوئے۔ اس پر بھی اگر آنحضرت صلعم خاموش و صبر و تحمل کیے بیٹھے رہتے تو وہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتے۔ اس وقت آپ کا دشمن عین تھا کہ اپنے تئیں اور اپنے رفقاء کو ہلاکت سے بچاتے اور یہی کیا، اور یہی کرتا یا ہیضہ تھا۔ اور ایسا کرنا بدرجہ مجبوری تھا کیونکہ سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کے تمام غرواات دفاعی تھے۔

اس مسئلہ پر جس شرح و بسط اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ مولوی چیراغ علی مرحوم نے اس کتاب میں بحث کی ہے آج تک کسی نے اس پر ایسی غائر نظر نہیں ڈالی تھی۔ اس زمانہ میں جبکہ جدید خیالات اور جدید فلسفہ ہمارے ملک میں گھر کرنا جاتا ہے اور اسلام اور اہل اسلام پر نئے نئے اور دل آویز طریقوں سے حملے کئے جا رہے ہیں اور مسلمان انہیں ٹھٹھاپنے اپنے اعتقادات و خیالات میں ڈالنا ڈول ہو رہے ہیں، ایک ایسی محققانہ کتاب کی بے حد ضرورت تھی۔ نئے تعلیم یافتہ تو خیر نشانہ ملامت ہیں ہی، مگر ان پر انے علماء کا کیا کیا جائے جو اپنے کلام سے (خواہ وہ کسی نیت سے ہو) معترضین کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عالم محدث کو، جنہوں نے علوم دینی کو اردو میں شائع کر کے اسلام کی بڑی خدمت ادا کی ہے اور خاص کر کل صحاح ستہ کا اردو میں ترجمہ فرما کر ہند کے اہل اسلام پر احسان کیا ہے، جب کوئی صحیح حدیث نہ ملی تو اپنی طرف سے ایک حاشیہ اس مضمون کا جوڑ دیا کہ رسول کریم کے غرواات محض لوٹ مار یا قتل و غارت کی غرض سے تھے لیے

لے مولانا وحید الزمان وقار نواز جنگ بہادر نے اپنے ترجمہ صحیح بخاری الموسوم بـ"تیسیر الباری" میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

میں نہیں جانتا کہ اسے کیا کہا جائے۔ بہر حال ایسی حالت میں مولوی چراغ علی مرحوم کی کتابیں پیاسے کے لئے آب حیات، مریض کے لئے نوشدارو اور مارگزیدہ کے لئے تریاق کا کام دیں گی۔ مرحوم اس ضرورت کو بہت پہلے سمجھ چکے تھے اور جبکہ مقلد و غیر مقلد سنی و شیعہ تو توفیق میں مصروف تھے وہ ایک ایسی عظیم الشان خدمت اپنے دین و ملت کی ادا کر رہے تھے کہ اس کی مثال اُن کے بعد پھر نظر نہ آئی بعض مدعیان حمایت دین و ملت کی آنکھیں اب کھلی ہیں۔ اور دن ڈھلے پر ایک جدید علم کلام کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور اس کے متعلق مشورے اور کمیٹیاں ہو رہی ہیں، لیکن انہیں خبر نہیں کہ مدت ہوئی اس کی بنیاد سرسید رح ڈال چکے اور مولوی چراغ علی مرحوم اس کی تکمیل بھی کر چکے۔ اور خبر کیوں نہیں، شاید اس کا اعتراف کرتے نہ مانتے یا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اعتراف کر دیا نہ کرو چلنا اُسی نقش قدم پر پڑے گا۔ ابھی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناؤ، مگر بنیاد وہی ہوگی۔

مولوی صاحب مرحوم کا طریقہ تحریر سب سے الگ اور نرالا ہے۔ وہ کبھی جوش میں آکر فصاحت کے دریا نہیں بہاتے، دوسروں کو الزام نہیں دیتے، عبارت کی نگینی یا لطائف ادبی کا خیال نہیں کرتے اور ناظرین کے جذبات کو اشتعال دے کر اپنی بات نہیں منواتے۔ وہ نفس معاملہ کو نہایت ٹھنڈے دل اور غور سے دیکھتے ہیں، اس کے متعلق تمام واقعات جمع کرتے ہیں، اور سوائے قرآن پاک اور انحال و اعمال آنحضرت صلعم کے کسی دوسری چیز کو اپنے استدلال کی بنیاد نہیں رکھتے۔ ان کا مطالعہ ایسا وسیع، اُن کی نظر ایسی غائر اور اُن کی تحقیق ایسی گہری اور اُن کی منطق ایسی مستحکم

”ابوہ ایک گاؤں ہے جحفہ سے مدینہ کی جانب ۲۳ میل پر۔ بواے ایک پہاڑ کا نام ہے منور کے قریب۔ عشیرہ بھی ایک مقام یا ایک قبیلہ ہے ان تینوں جہادوں میں آنحضرتؐ بدر کی جنگ سے پہلے تشریف لے گئے تھے۔ اور غرض آپ کی یہ بھی کہ قریش کا قافلہ ٹوٹا۔ مگر قافلہ نہ ملا“ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ لاہور ۱۳۲۳ھ سو لکھواں پارہ صفحہ اول حاشیہ نمبر ۲)۔

ہوتی ہے کہ جس مضمون پر وہ قلم اٹھاتے ہیں پھر کسی دوسرے کے لئے ایک لفظ کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ ان کا زور جذبات انسانی پر نہیں بلکہ استدلال عقلی پر ہے۔ وہ جذبات کو ابھار کر جوش میں لانا نہیں چاہتے کیونکہ یہ ناپائدار ہے، بلکہ ان کا تحقیق وہ مضمون کو اس پہلو سے پیش کرتے ہیں کہ اگر پڑھنے والا غور سے پڑھے تو اس کی صداقت اس طرح ذہن نشین ہو جائے کہ پھر اُس کا نقش نہ مٹ سکے۔ وہ شاعر نہیں، محقق ہیں۔ وہ فسانہ نگار نہیں، منطقی ہیں۔ وہ واقعات اور اصل حقیقت سے بحث کرتے ہیں، تخیل و بلند پروازی سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنی تایید میں شاہان اسلام کے تاریخی واقعات اور فقہاء کی رائیں پیش نہیں کرتے بلکہ آیات قرآنی اور افعال و اعمال رسول صلعم کو سند گردانتے ہیں وہ کسی الزام یا اعتراض کو الزامی جواب دے کر یا لفظی ہیر پھیر سے ٹالتے نہیں بلکہ جرات کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے اور زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور یہی طریقہ اُن کی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی تصانیف تعلیم و تحقیق دین اسلام کا ایک ایسا بے بہا مجموعہ ہیں کہ اُن کو غور سے پڑھنے کے بعد حقیقت و حقانیت دین اسلام پر اس قدر عبور ہو جاتا ہے کہ ساہا سال کی محنت اور صد ہا کتب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ مرحوم نے اسلام کی ایسی بڑی خدمت کی ہے کہ ہم سب کو اُن کا بہت شکر گزار اور ممنون ہونا چاہیے۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ مولوی عبد اللہ خاں صاحب ان کی کتابوں کا ترجمہ کر آکر اور بڑی محنت سے ان کے مضامین ڈھونڈھ

لیہ مولوی عبد اللہ خاں نے اس سے پہلے مولوی چراغ علی صاحب مرحوم کی کتاب ”ریفاہ از اندر مسلم دول“ کا ترجمہ ”اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام“ کے نام سے شائع کیا۔ جس میں مسلمانوں کے سیاسی قانون تمدنی اصلاحات کے امکان پر بحث کی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہیر الگھا ہوا (۸۰) صفحہ کا ایک مقدمہ شامل ہے جس میں مرحوم مصنف کے حالات و تصنیفات کا خوب مفصل تذکرہ ہے۔ علاوہ اس کے مثلاً ”تہذیب الکلام فی حقیقتہ الاسلام“ دفع الزام از غرور اسلام، تعلیمات بر ابطال غلامی، مصنفہ مر سید مرحوم وغیرہ وغیرہ دیگر تصانیف جن کی تعداد (۳۵) سے زائد ہے زیر تدوین ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً شائع کی جائیں گی۔

ڈھنڈھ کر (جو اب تک طبع نہیں ہوئے تھے) ترتیب دے رہے اور شائع کر رہے ہیں۔ اب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ جن موتیوں کی تلاش میں بڑے بڑے شناد و خواصی کر رہے ہیں مرحوم اُن سے بہت پہلے پرونچکے ہیں۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ آئندہ اسلام پر جو کچھ کہا جائے گا وہ زیادہ تر مرحوم کی خوشہ چینی ہوگی، خواہ کوئی اعتراف کرے یا نہ کرے، خواہ ان کی کتابوں کا حوالہ دے یا نہ دے۔

اس کتاب میں مرحوم نے کمال تحقیق سے کام لیا ہے اور اس مضمون کے مختلف پہلوؤں کی اس خوبی سے بحث کی ہے کہ پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون کس قدر وسیع ہے۔ اور فیاض مصنف کی جانفشانی، دماغ سوزی اور انتہائے تلاش کا حال کھلتا ہے۔

اس کا ترجمہ مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب (مترجم فلسفہ تعلیم ہربرٹ اسپنسر) نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت با محاورہ صاف اور شگفتہ ہے۔

پبلشر نے بھی اس کتاب پر بہت محنت کی ہے جا بجا ایسے حوالوں کا اضافہ کیا ہے جو مصنف کی نظر سے رہ گئے تھے اور بجائے ایک ادھکے کئی کئی حوالے ہو گئے ہیں، جس مصنف کے خیال کو بہت تائید ملتی ہے۔ بعض حوالے جو انگریزی کتاب میں غلط چھپ گئے تھے اُن کی بھی تصحیح کی ہے۔ عربی اسماء اعلام کی جیسی کچھ مٹی انگریزی کتابوں میں خراب ہوتی ہے وہ ظاہر ہے، ان ناموں کی صحت میں بڑی احتیاط کی گئی ہے۔ کہنے کو تو یہ معمولی سا کام ہوتا ہے لیکن دراصل اس میں بڑی محنت اٹھانی پڑتی ہے اور بہت وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام ایسا مشکل ہے کہ بعض مترجمین تو اس مشکل سے ڈر کر ترجمہ ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مولوی عبداللہ خاں صاحب کا ممنون ہونا چاہیے کہ اول تو انہوں نے ایک بینظیر کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر لیا اور اس کی صحت اور چھپائی میں خاص طور سے محنت کی یہیں اُمید ہے کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے مقبول ہوگی۔

عبداللہ الحق

مقبرہ رابعہ دورانی۔ اورنگ آباد۔ ۶ فروری ۱۹۱۲ء

فہرست مضامین مُقدمہ تحقیق الجہاد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱	یہ لڑائیاں محض دفاعی تھیں جسے کہ	۱	کتب تحقیق الجہاد کا مقصد
۷	مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی یا ان کے حقوق قائم کرنے کے لئے بھی نہیں کی گئی تھی۔	۲	مسلمانوں پر ابتدائی ظلم و ستم
۸	بدر کی لڑائی جنگ دفاعی تھی۔	۳	مسلمانوں نے اگر ہتھیار اٹھائے تو وہ حق بجانب تھے۔
۸	دعویٰ مذکور کے دلائل۔	۳	حالت جنگ کا آغاز۔
۱۱	قریش اور دیگر قبائل عرب کے حملوں اور ان کی دھکی دینے والی جمیعتوں کی وجہ سے آنحضرتؐ کو اتنی مہلت نہ تھی کہ ان پر از خود حملہ کرنے کا خیال کریں	۳	مسلمان اپنی حق تلفیوں کی تلافی کے لئے خاص وجہ سے ہتھیار نہیں اٹھا سکتے تھے
۱۲	نواح مکہ میں قریش کا مسلح ہو کر مسلمان حابیوں سے مقابلہ کرنا۔	۴	مسلمان مدینہ میں دیگر مشاغل میں مصروف ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ
۱۵	مکہ میں ملکی و مذہبی آزادی کا حق حاصل کرنے کی غرض سے جنگ قریش کے خلاف آنحضرتؐ کا اعلان جنگ۔	۴	ابتداً جنگ کر کے لڑائی کے جھگڑوں میں پڑیں۔ مگر دشمن کی طرف سے ان کو ہر وقت کھٹکا تھا۔
۱۶	یہ جنگ جس کا اعلان کیا گیا تھا پیش نہیں آئی۔	۵	قریش نے اولاً مسلمانوں پر مدینہ تک پہنچ کر حملہ کیا اور مسلمانوں کا مکہ سے بچ نکالنا گوارا نہ کر سکے۔
		۵	حملہ آور قریش نے آنحضرتؐ کے ساتھ تین جنگیں کیں۔

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۱	قریش پھر مخالفت کے مرتکب ہوتے اور عہد شکنی کرتے ہیں۔	۱۶	۱۹	مکہ میں اشاعت اسلام کا ایک مختصر سا خاکہ۔	۳۲
۱۱	صلح توڑنے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان۔	۱۶	۲۰	مدینہ میں ہجرت کے ساتھ اسلام کا پھیلنا۔	۳۸
۱۱	یہ جنگ واقع نہیں ہوئی۔	۱۶	۲۱	ہجرت کے بعد مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں ترقی۔	۴۲
۱۲	قریش کے علاوہ دیگر دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ۔	۱۸	۲۲	بد امنی کی حالت اُن قبائل کے درمیان جو نواح مدینہ میں آباد تھے۔ ہلک اور خونریز جنگوں کا اشاعت اسلام میں سد راہ ہونا۔	۴۲
۱۳	دشمن جو آگے بڑھا چلا آتا تھا اُنکی روکنے کے لئے تبوک کی مہم جس میں کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی۔	۱۹	۲۳	قبائل عرب کی اُن باہمی جنگوں کا ایک مختصر م کی تعداد۔	۴۲
۱۴	آئندہ کی جنگوں کی تعداد۔	۲۱	۲۴	ایک خاکہ جو آنحضرت کے زمانہ حیات میں پیش آئیں۔	۴۲
۱۵	آنحضرت م کی جنگوں کی بابت مسٹر گرین کی رائے مذکور کا ابطال۔	۲۲	۲۵	وہ لڑائیاں جو آنحضرت م کے زمانہ میں اُن قبائل کے درمیان ہوئیں جو عرب کے شمال اور وسط میں آباد تھے۔	۴۵
۱۶	آنحضرت م کی جنگوں کی بابت ایک اور خیال۔	۳۰	۳۱	اول قبل از بعثت	
۱۶	اگر قافلے لوٹے بھی گئے تو بطور انتفاک کے لوٹے گئے۔	۳۲	۳۲	دوم دوران بعثت میں	
۱۸	جبر و اکراہ۔ جبراً مسلمان بنانے کا حکم جنہیں دیا گیا اور نہ آنحضرت م کے زمانہ حیات میں کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔	۳۳	۳۳	مدینہ کے گرد و نواح کی قوموں میں ہجرت کے بعد اسلام کی اشاعت اسلام سے لے کر تک	۴۴
۱۸	سرولیم کی رائے اور اس کا ابطال	۳۳			

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۲۵	جنوبی قبائل کے اسلام لانے میں مکہ سدا رہا	۲۸	۸۹	آنحضرت م کی نسبت جھوٹے اتہامات -	۳۶
۲۶	پچھلے سال میں بعض قبائل کا اسلام لانا	۲۹	۱۰۰	تعلیم محمدی پر مخالفین کے اعتراضات -	۳۷
۲۷	تفویض مکہ	۵۱	۱۰۰	(۱) آنحضرت م کی تمت فی اصلاحوں کا خاتم اور کامل ہونا -	۳۷
۲۸	اہل مکہ اسلام لانے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے	۵۲	۱۰۱	(۲) قطعی احکام یا اوامر -	۳۷
۲۹	۹ھ اور ۱۰ھ میں یاقیمانہ کل کے کل قبائل کا اسلام لانا -	۵۳	۱۰۲	(۳) شریعت کی ظاہری رسوم -	۳۷
۳۰	۹ھ اور ۱۰ھ میں مختلف سفارتوں اور وفودوں کا آنحضرت م کی خدمت میں حاضر ہونا -	۵۵	۱۰۳	(۴) قرآن کا علی اخلاق سے مناسبت نہ رکھنا -	۳۷
۳۱	فہرست ان وفودوں کی جو قبول اسلام کی غرض سے ۹ھ اور ۱۰ھ میں آنحضرت م کی خدمت میں حاضر ہوئے -	۵۶	۱۰۴	اعتراضات مذکورہ بالا قرآن مجید پر عائد نہیں ہو سکتے -	۳۸
۳۲	تمام اشخاص اور قبائل بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہوئے -	۵۸	۱۰۴	(۱) آنحضرت م کی تمت فی اصلاحیں خاتم اور کامل ہیں -	۳۹
۳۳	تلقین اسلام کے لئے آنحضرت م کے گوشت و پیش کے حالات مساعد نہ تھے -	۶۳	۱۰۶	(۲) قطعی احکام یا اوامر -	۴۰
۳۴	آنحضرت م کا مستحکم یقین اپنی نبوت پر اور آپ کی کامیابی آپ کو سچا پیغمبر ثابت کرتی ہے -	۶۳	۱۰۷	(۳) شریعت کی ظاہری رسوم -	۴۰
۳۵	آنحضرت م کی اصلاحوں کا حیرت انگیز اثر -	۶۷	۱۰۸	حج -	۴۰
			۱۰۹	قبلہ -	۴۰
			۱۰۹	مقدار زکوٰۃ -	۴۰
			۱۰۹	روزے -	۴۰
			۱۰۹	عبادت و دعا وغیرہ کے طریقہ کا عدم یقین -	۴۰

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۴۰	ریا کاری اور ظاہر داری کی نماز اور زکوٰۃ وغیرہ عبادات پر زبرد و تونج۔	۱۱۱	۴۲	(۵) قرآن کا گرد و پیش کے حالات سے مناسبت رکھنا۔	۱۲۱
۴۰	عبادت کے لئے اوقات یا مقامات لازمی نہیں	۱۱۲	۴۳	نوع انسان کی تمام جماعتوں اور قوموں کے لئے قرآن مجید کا مناسب ہونا۔	۱۲۲
۴۰	وضو اور غسل۔	۱۱۴		نوٹ متعلق مقدمہ تحقیق الجہاد	۱۲۴
۴۱	(۶) قرآن مجید میں اصولی اور عملی دو طرح کا اخلاق ہے۔	۱۱۵		شجرات انساب عرب۔	۱۲۵ ۱۲۸

فہرست مضامین تحقیق الجہاد آنحضرت صلعم کی تمام جنگیں دفاعی تھیں۔

باب اول	باب دوم
کفار کا مسلمانوں کو اذیت دینا	اہل مکہ یا قریش
۱۔ اہل مکہ کی مسلمانوں کو ابتدائی ایذا رسانی۔	۷۔ سہ ماہ میں قریش کا ایک سردار مدینہ کے قریب حملہ کرتا ہے۔
۲۔ اس ایذا رسانی کا ذکر قرآن مجید میں	۸۔ قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کرتے ہیں۔ آنحضرت مداخلت کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔
۳۔ توہین و تحقیر جس کی ایذا آنحضرت نے برداشت کی۔	۹۔ اور جنگ بدر میں فتح حاصل کرتے ہیں۔
۴۔ قریش کی ایذا رسانی اور ظلم و تعدی کا خلاصہ تاریخی حیثیت سے۔	۱۰۔ ابوسفیان کا حملہ مدینہ پر سہ ماہ میں۔
۵۔ ہجرت مدینہ	۱۱۔ جنگ احد۔
۶۔ مکہ سے ہجرت کے بعد قریش کا مسلمانوں کو ایذا دینا	۱۲۔ آنحضرت کے اقتدار پر اس شکست کا اثر ابوسفیان نے مسلمانوں کو سال آئندہ ایک اور حملہ کی چٹکی دی۔

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۳۳	خاتمہ۔	۵۰	۵۰	باب ہشتم مذہبی مزاحمت	
۳۴	آنحضرتؐ نے مذہبی مزاحمت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔	۵۱	۵۱	۳۴	آنحضرتؐ نے مذہبی مزاحمت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔
۳۵	یہ لڑائیاں کس معنی میں مذہبی لڑائیاں تھیں۔	۵۳	۵۳	۳۵	یہ لڑائیاں کس معنی میں مذہبی لڑائیاں تھیں۔
۳۶	جن آیتوں سے مذہبی مزاحمت پر استدلال کیا جاتا ہے اُن کی تفسیر۔	۵۳	۵۳	۳۶	جن آیتوں سے مذہبی مزاحمت پر استدلال کیا جاتا ہے اُن کی تفسیر۔
۳۷	سرولیم پیور کی رائے اور اُن کی لغزش	۵۶	۵۶	۳۷	سرولیم پیور کی رائے اور اُن کی لغزش
۳۸	رائے مذکور پر مزید بحث۔	۵۸	۵۸	۳۸	رائے مذکور پر مزید بحث۔
۳۹	آنحضرتؐ کی جنگوں کا مقصد۔	۶۲	۶۲	۳۹	آنحضرتؐ کی جنگوں کا مقصد۔
	باب ہفتم قرآن مجید کی نویں سور یا سورہ برآۃ				
۴۰	قرآن مجید کی نویں سورت کا ابتدائی حصہ صرف قریش سے متعلق ہے جنہوں نے نقض عہد کیا تھا۔	۶۳	۶۳	۴۰	قرآن مجید کی نویں سورت کا ابتدائی حصہ صرف قریش سے متعلق ہے جنہوں نے نقض عہد کیا تھا۔
۴۱	جو احکام اس سورت میں درج ہیں جو مصالحت ہو جانے کے اُن پر عملدرآمد نہیں ہوا۔	۶۸	۶۸	۴۱	جو احکام اس سورت میں درج ہیں جو مصالحت ہو جانے کے اُن پر عملدرآمد نہیں ہوا۔
۴۲	۴۲	۶۹	۶۹	۴۲	۶۹
۴۳	۴۳	۷۰	۷۰	۴۳	۷۰
۴۴	۴۴	۷۱	۷۱	۴۴	۷۱
۴۵	۴۵	۷۲	۷۲	۴۵	۷۲
۴۶	۴۶	۷۳	۷۳	۴۶	۷۳
۴۷	۴۷	۷۴	۷۴	۴۷	۷۴
۴۸	۴۸	۷۵	۷۵	۴۸	۷۵
۴۹	۴۹	۷۶	۷۶	۴۹	۷۶
۵۰	۵۰	۷۷	۷۷	۵۰	۷۷
۵۱	۵۱	۷۸	۷۸	۵۱	۷۸
۵۲	۵۲	۷۹	۷۹	۵۲	۷۹
۵۳	۵۳	۸۰	۸۰	۵۳	۸۰
۵۴	۵۴	۸۱	۸۱	۵۴	۸۱
۵۵	۵۵	۸۲	۸۲	۵۵	۸۲
۵۶	۵۶	۸۳	۸۳	۵۶	۸۳
۵۷	۵۷	۸۴	۸۴	۵۷	۸۴
۵۸	۵۸	۸۵	۸۵	۵۸	۸۵
۵۹	۵۹	۸۶	۸۶	۵۹	۸۶
۶۰	۶۰	۸۷	۸۷	۶۰	۸۷
۶۱	۶۱	۸۸	۸۸	۶۱	۸۸
۶۲	۶۲	۸۹	۸۹	۶۲	۸۹
۶۳	۶۳	۹۰	۹۰	۶۳	۹۰
۶۴	۶۴	۹۱	۹۱	۶۴	۹۱
۶۵	۶۵	۹۲	۹۲	۶۵	۹۲
۶۶	۶۶	۹۳	۹۳	۶۶	۹۳
۶۷	۶۷	۹۴	۹۴	۶۷	۹۴
۶۸	۶۸	۹۵	۹۵	۶۸	۹۵
۶۹	۶۹	۹۶	۹۶	۶۹	۹۶
۷۰	۷۰	۹۷	۹۷	۷۰	۹۷
۷۱	۷۱	۹۸	۹۸	۷۱	۹۸
۷۲	۷۲	۹۹	۹۹	۷۲	۹۹
۷۳	۷۳	۱۰۰	۱۰۰	۷۳	۱۰۰

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۵۰	کعب کے قتل میں آنحضرتؐ کی کوئی شرکت نہیں ہو سکتی تھی۔	۸۰	۲- عقبہ بن ابی معیط	۹۲	
۵۱	سفیان بن خالد ہندلی۔	۸۲	۳- ابوعمرہ شاعر (عمر بن عبد اللہ)	۹۵	
۵۲	سفیان کا قتل متذکرہ بالاحق بجا نہیں تھا۔	۸۳	۴- معاویہ بن مغیرہ	۹۶	
۵۳	ابورافع۔	۸۴	۵- ابورافع۔	۹۷	
۵۴	اسیر بن زارم۔	۸۵	۶- اسیر بن زارم۔	۹۸	
۵۵	اقدام قتل ابوسفیان بن خمر۔	۸۶	۷- اقدام قتل ابوسفیان بن خمر۔	۹۹	
۵۶	اقدام قتل ابوسفیان۔	۸۷	۸- اقدام قتل ابوسفیان۔	۱۰۰	
۵۷	آئرونگ اور میور صاحبان کے اقوال اور اس امر میں مصنف کی آخری بحث۔	۸۸	۹- قیدیوں کو آزاد کرنے کی وجہ سے قرآن میں آنحضرتؐ پر کبھی عتاب نازل نہیں ہوا۔	۱۰۱	
۵۸	قیدیان جنگ غیرہ کے قتل میں دعائیہ جرم۔	۹۰	۱۰- اسیران جنگ کے ساتھ آنحضرتؐ کی فیاضانہ قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ اسیران جنگ کو یا تو مفت چھوڑ جائے یا معاوضہ لے کر، مگر ان کو نہ قتل جائے اور نہ غلام بنایا جائے۔	۱۰۲	
۵۹	انصر بن حارث۔	۹۱	۱۱- انصر بن حارث کا قتل۔	۱۰۳	

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
	قتل بنی قریظہ		۷۴	ایک مغنیہ کا ادعائی قتل۔	۱۱۴
۶۸	اہل مدینہ کے خلاف بنی قریظہ کی بغاوت	۱۰۳	۷۵	آنحضرتؐ کا اپنے دشمنوں کے ساتھ	۱۱۵
	شدید اور اُن کا قتل۔			فیاضانہ سلوک۔	
۶۹	تمام بنی قریظہ ہرگز قتل نہیں کئے گئے	۱۰۴	۷۶	ابو بصیر عتبہ بن اسید بن جاث	
۷۰	بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے فروخت	۱۰۵	۷۸	آنحضرتؐ نے صلح حدیبیہ کے خلاف	۱۱۷
	نہیں کیے گئے۔			ابو بصیر کی کوئی حمایت نہیں کی۔	
۷۱	مقتولوں کی مبالغہ آمیز تعداد	۱۰۶	۷۹	آنحضرتؐ نے دشمن کے کپ میں مچھوٹی	۱۱۹
	باب یازدہم			خبریں شائع کرنے کے لئے نعیم بن مسعود	
	بعض متفرق اعتراضات کا ابطال			کو مقرر نہیں کیا تھا۔	
	۱۔ اُم قرفہ		۸۰	قانون بین الاقوام کی بموجب جنگ	۱۲۱
۷۲	اُم قرفہ کا قتل قرأتی کی وجہ سے۔	۱۰۸		میں دھوکے کی اجازت۔	
	۲۔ قرأتان عنہ		۸۱	مسطریکی کا اخلاقی معیار۔	۱۲۳
۷۳	قرأتان عنہ۔	۱۰۹		قتل یہود کی بابت ادعائی اجازت	
۷۴	باضابطہ انتظام مجلس کے نہ ہونے		۸۲	ابن سنینہ کا قتل۔	۱۲۴
	کی وجہ سے قطع عضو یا جلا وطنی کی		۸۳	ہرولیم میور کا قول۔	۱۲۷
	سزا عارضی طور پر بجائے قید کے			یہود بنی نصیر کی جلا وطنی	
	بخوبی کی گئی تھی۔		۸۴	یہود بنی نصیر۔	۱۲۸
۷۵	س۔ گمانہ بن الربیع کی عقوبت				
	کناہ کی عقوبت۔				
۷۶	۴۔ ایک مغنیہ کا قتل				

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۰	ابن حجر کا قول۔	۱۲۹	بھل وار درخت نہیں کاٹے گئے۔	۸۵	بھل وار درخت نہیں کاٹے گئے۔
"	قول مذکور کا ابطال۔	۱۰۵	صلیٰ اللہ علیہ وسلم عورتوں کی کیا تعلق تھا	۸۶	صلیٰ اللہ علیہ وسلم عورتوں کی کیا تعلق تھا
۱۵۱	حلبی کا قول۔	۱۰۶	صلیٰ اللہ علیہ وسلم عورتوں کا تعلق۔	۸۷	صلیٰ اللہ علیہ وسلم عورتوں کا تعلق۔
۱۵۲	حلبی کے قول کی غلطی۔	۱۰۷	مسٹر شینیلے کی رائے کی تائید۔	۸۸	مسٹر شینیلے کی رائے کی تائید۔
۱۵۳	عینی کا ایک قول اور اُس کا رد۔	۱۰۸	نکاح ایک مضبوط یا دائمی معاہدہ ہے۔	۸۹	نکاح ایک مضبوط یا دائمی معاہدہ ہے۔
۱۵۵	مضمون مذکور پر مزید بحث۔	۱۰۹	باب دوم	۹۰	باب دوم
"	جہاد کے متعلق دو حدیثیں اور اُن سے استدلال کی غلطی۔	۱۱۰	جہاد و متعارف	۹۱	جہاد و متعارف
۱۵۶	جہاد کے خلاف قدیم فقہاء کی رائیں۔	۱۱۱	قرآن مجید صرف دفاعی جنگوں کا حکم دیتا ہے۔	۹۲	قرآن مجید صرف دفاعی جنگوں کا حکم دیتا ہے۔
۱۵۷	فقہاء مذکور کی سوانح عمری۔	۱۱۲	شریعت اسلام اور جہاد۔	۹۳	شریعت اسلام اور جہاد۔
۱۵۹	یورپین مصنفوں کی غلطی۔	۱۱۳	جہاد فرض عین کب ہوتا ہے۔	۹۴	جہاد فرض عین کب ہوتا ہے۔
۱۶۰	سرولیم میور کا قول۔	۱۱۴	ہدایہ کا ایک قول اور اس کا ابطال۔	۹۵	ہدایہ کا ایک قول اور اس کا ابطال۔
۱۶۱	اسلام، حملہ یا جنگ کی ابتدا کرنے کے والا نہیں ہے۔	۱۱۵	اصول تفسیر قرآن۔	۹۶	اصول تفسیر قرآن۔
۱۶۲	مسٹر فریمین کا قول۔	۱۱۶	عام قانون یعنی فقہ اور اُس کے شارح۔	۹۷	عام قانون یعنی فقہ اور اُس کے شارح۔
۱۶۳	پادری سٹیفنر کا قول۔	۱۱۷	صاحب کفایہ کا قول۔	۹۸	صاحب کفایہ کا قول۔
۱۶۵	مسٹر باسورقہ اسمتھ کا قول۔	۱۱۸	شارح مذکور کے مزید اقوال۔	۹۹	شارح مذکور کے مزید اقوال۔
۱۶۶	مسٹر جارج سیل کا قول۔	۱۱۹	صاحب کفایہ کی رائے کا ابطال۔	۱۰۰	صاحب کفایہ کی رائے کا ابطال۔
۱۶۸	میجر آسبرن کا قول۔	۱۲۰	سورہ ہنم کی پانچویں آیت پر بحث۔	۱۰۱	سورہ ہنم کی پانچویں آیت پر بحث۔
۱۶۹	میجر آسبرن کے قول کا ابطال۔	۱۲۱	البقرہ کی آیت ۸۹ پر بحث۔	۱۰۲	البقرہ کی آیت ۸۹ پر بحث۔
۱۶۲	قرآن مجید کی نویں سورہ (التوبہ)	۱۲۲	البقرہ ۲-آیت ۱۸۹ اور الانفال ۸-آیت	۱۰۳	البقرہ ۲-آیت ۱۸۹ اور الانفال ۸-آیت
۱۶۳	پادری ویبری کی رائے اور اُس کا رد۔	۱۲۳	آیت ۳۰ میں جنگ و دفاعی کا حکم ہے۔	۱۰۴	آیت ۳۰ میں جنگ و دفاعی کا حکم ہے۔
۱۶۴	یہودیوں کی تاریخ سے ایک مثال۔	۱۲۴	یہ تمام احکام نقص الوقت اور نقص المقام تھے۔	۱۰۵	یہ تمام احکام نقص الوقت اور نقص المقام تھے۔
۱۶۵	حضرت موسیٰ کے احکام متعلق جنگ۔	۱۲۵	عینی کا قول اور اُس کا ابطال۔	۱۰۶	عینی کا قول اور اُس کا ابطال۔
			سرخی کا قول اور اس کا ابطال۔	۱۰۷	سرخی کا قول اور اس کا ابطال۔

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۲۷	پادری ٹی پی ہیوز کا قول۔	۱۴۷	عام قانون (فقہ مروجہ) کی ناقابل قبول رائے	۱۸۲
۱۲۸	لفظ ”جہاد“ کا مفہوم۔	۱۴۸	سورہ چہل و ہفتم (فتح ۲۸) آیت ۱۶-۱۷	۱۸۳
۱۲۸	سورہ چہل و ہفتم (فتح ۲۸) آیت ۵ پر بحث	۱۴۹	اور سورہ چہل و ہفتم (فتح ۲۸) آیات ۲۷-۲۸	۱۸۳
۱۲۹	ریورنڈ مسٹر ٹیکم میکال کا قول۔	۱۸۰	۲۷ و ۲۸ پر بحث۔	۱۸۳
<h2>فہرست مضامین ضمیمہ جات تحقیق الجہاد</h2> <h3>ضمیمہ اول</h3> <p>قرآن میں لفظ جہاد کس معنی میں آیا ہے اور جنگ و جدل اس کا غلط مفہوم سمجھا گیا ہے۔</p>				
۱	لفظ جہاد یا جہد کے معنی جنگ یا کوشش	۱۱	قرآن کی وہ تمام آیات جن میں جہاد	۱۸۳
	کے نہیں ہیں۔	۱۸۵	یا اُس کے مشتقات آئے ہیں۔	۱۸۳
۲	جہاد وغیرہ کے معنی قدیم عربی زبان میں	۱۲	ان آیات قرآنیہ کی توضیح و تشریح	۲۰۲
۳	لفظ جہاد کے آخری یا اصطلاحی معنی	۱۸۶	جن میں لفظ جہاد نہ ذکر ہوا ہے	۲۰۲
۴	قدیم عربی زبان اور عربی شعرا۔	۱۸۷	۱۔ مکی سورتیں	
۵	جہاد اور جہد کی تشریف اور گردان۔	۱۸۸	۱۔ سورہ لقمان ۳۱۔ آیت ۱۲۔	۲۰۲
۶	ان سورتوں اور آیتوں کے نام و	۱۸۹	۲۔ الفرقان ۲۵۔ آیات ۵۳ و ۵۴۔	۲۰۳
	اعداد جن میں یہ الفاظ آئے ہیں۔	۱۹۰	۳۔ الحج ۲۲۔ آیات ۷۸ و ۷۹۔	۲۰۳
۷	قرآن میں ان الفاظ کے کیا معنی	۱۹۱	۴۔ النحل ۱۶۔ آیت ۱۰۸ و ۱۱۱۔	۲۰۴
	لئے گئے ہیں۔	۱۹۲	۵۔ العنکبوت ۲۹۔ آیت ۵۔	۲۰۵
۸	جہاد کے اصطلاحی معنی۔	۱۹۳	۶۔ العنکبوت ۲۹۔ آیت ۷۔	۲۰۶
۹	مسلمان شاربین وغیرہ۔	۱۹۴	۷۔ النحل ۱۶۔ آیت ۲۹۔	۲۰۷
۱۰	جہاد اپنے اصلی معنی سے بدل کر	۱۹۵	۸۔ النحل ۱۶۔ آیت ۲۰۔	۲۰۸
	نہ بھی جنگ کے مستقبل معنی میں	۱۹۶	۹۔ الفاطر ۳۵۔ آیت ۲۰۔	۲۰۹
	کب سے لیا گیا ہے۔		❖ ❖ ❖	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۰	۳۲۔ التوبہ ۹۔ آیت ۸۷۔	۲۵	۲۔ مدنی سوئیں		
"	۳۳۔ المائدہ ۵۔ آیت ۳۹۔	۲۶	۲۲۔ ۱۔ البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۵۔		
"	۳۴۔ "۔ آیت ۵۸۔	۲۷	۲۳۔ ۱۱۔ آل عمران ۳۔ آیت ۱۳۶۔		
۲۲۱	۳۵۔ "۔ آیت ۵۹۔	۲۸	۲۴۔ ۱۲۔ الانفال ۸۔ آیت ۷۳۔		
"	۳۶۔ "۔ آیت ۵۹۔	۲۹	۲۵۔ ۱۳۔ "۔ آیت ۷۵۔		
"	۳۷۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۰	۲۶۔ ۱۴۔ "۔ آیت ۷۶۔		
۲۲۱	۳۸۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۱	۲۷۔ ۱۵۔ الانعام ۴۔ آیت ۱۰۹۔		
۲۲۲	۳۹۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۲	۲۸۔ ۱۶۔ محمد ۲۷۔ آیت ۳۳۔		
	۴۰۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۳	۲۹۔ ۱۷۔ الصف ۴۱۔ آیت ۱۱۔		
	۴۱۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۴	۳۰۔ ۱۸۔ النساء ۲۷۔ آیت ۹۷۔		
	۴۲۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۵	۳۱۔ ۱۹۔ النور ۲۲۔ آیت ۵۲۔		
	۴۳۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۶	۳۲۔ ۲۰۔ التحریم ۴۶۔ آیت ۹۔		
	۴۴۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۷	۳۳۔ ۲۱۔ التوبہ ۹۔ آیت ۷۲۔		
	۴۵۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۸	۳۴۔ ۲۲۔ المتحنہ ۴۱۔ آیت ۱۔		
	۴۶۔ "۔ آیت ۵۹۔	۳۹	۳۵۔ ۲۳۔ الحجاب ۲۹۔ آیت ۱۵۔		
	۴۷۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۰	۳۶۔ ۲۴۔ التوبہ ۹۔ آیت ۱۶۔		
	۴۸۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۱	۳۷۔ ۲۵۔ ایضاً۔ آیت ۱۹۔		
	۴۹۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۲	۳۸۔ ۲۶۔ ایضاً۔ آیت ۲۰۔		
	۵۰۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۳	۳۹۔ ۲۷۔ ایضاً۔ آیت ۲۲۔		
	۵۱۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۴	۴۰۔ ۲۸۔ ایضاً۔ آیت ۲۱۔		
	۵۲۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۵	۴۱۔ ۲۹۔ ایضاً۔ آیت ۲۲۔		
	۵۳۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۶	۴۲۔ ۳۰۔ ایضاً۔ آیت ۸۲۔		
	۵۴۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۷	۴۳۔ ۳۱۔ ایضاً۔ آیت ۸۷۔		
	۵۵۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۸			
	۵۶۔ "۔ آیت ۵۹۔	۴۹			
	۵۷۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۰			
	۵۸۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۱			
	۵۹۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۲			
	۶۰۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۳			
	۶۱۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۴			
	۶۲۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۵			
	۶۳۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۶			
	۶۴۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۷			
	۶۵۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۸			
	۶۶۔ "۔ آیت ۵۹۔	۵۹			
	۶۷۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۰			
	۶۸۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۱			
	۶۹۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۲			
	۷۰۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۳			
	۷۱۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۴			
	۷۲۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۵			
	۷۳۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۶			
	۷۴۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۷			
	۷۵۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۸			
	۷۶۔ "۔ آیت ۵۹۔	۶۹			
	۷۷۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۰			
	۷۸۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۱			
	۷۹۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۲			
	۸۰۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۳			
	۸۱۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۴			
	۸۲۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۵			
	۸۳۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۶			
	۸۴۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۷			
	۸۵۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۸			
	۸۶۔ "۔ آیت ۵۹۔	۷۹			
	۸۷۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۰			
	۸۸۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۱			
	۸۹۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۲			
	۹۰۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۳			
	۹۱۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۴			
	۹۲۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۵			
	۹۳۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۶			
	۹۴۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۷			
	۹۵۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۸			
	۹۶۔ "۔ آیت ۵۹۔	۸۹			
	۹۷۔ "۔ آیت ۵۹۔	۹۰			
	۹۸۔ "۔ آیت ۵۹۔	۹۱			
	۹۹۔ "۔ آیت ۵۹۔	۹۲			
	۱۰۰۔ "۔ آیت ۵۹۔	۹۳			

نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ	نمبر فقرہ	مضمون	صفحہ
۱۰	ماریہ لونڈی نہیں تھی۔	۲۳۹	۲۰	واقعہ زینب کی بے سرو پائی۔	۲۴۸
۱۱	ماریہ حرم نہیں تھی۔	"	۲۱	سرولیم میور کے قیاسات صحیح {	۲۴۹
۱۲	ماریہ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔	۲۴۰		دلائل پر مبنی نہیں۔	
۱۳	حقصہ اور ماریہ دونوں کے قصے جھوٹے ہیں۔	۲۴۳	۲۲	ترجمہ میں سرولیم میور کی غلطی۔	۲۵۱
۱۴	یہ واقعہ قدیم کتب میں مذکور نہیں۔	۲۴۴	۲۳	زینب کے معاملہ میں کوئی مخصوص حق حاصل نہیں ہوا۔	۲۵۲
۱۵	سرولیم میور کی سندیں غیر معتبر ہیں۔	"	۲۴	اس غلط کہانی کے بیان کرنے کا سلسلہ مقابل تک پہنچا ہے {	۲۵۳
۱۶	اعلیٰ درجہ کے مفسرین و محدثین نے اس قصہ کی تخلیط کی ہے۔	۲۴۶	"	عکرمہ۔	۲۵۴
۱۷	قرآن سے اس قصہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔	"	"	محمد بن یحییٰ۔	۲۵۵
۱۸	یہ قصہ کب وضع کیا گیا۔	۲۴۷	۲۵	قتادہ کی قیاسی تشریح غیر معتبر ہے	"
۱۹	واقعہ زینب۔	"	۲۶	دوسرے قیاسات۔	۲۵۶
			"	❖ ❖ ❖ ❖	

ضمیمہ سوم

۲۵۷	{ الف) قریش مکہ کی ایندائیں سہ ہجری کے دس سال قبل سے سہ ہجری تک۔
۲۵۸	{ ب) قریش کے اور نیز وہاں کے باشندوں کے حملے مدینے پر۔
"	{ ج) حفاظتی لڑائیاں قریش اور دوسرے عربوں وغیرہ سے اور نیز ان کے چند حملوں کے حوالے۔ سہ ہجری سے سہ ہجری تک۔
"	{ د) متفرق لڑائیاں وغیرہ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

تحقیق الجہاد

۱۔ اس کتاب (تحقیق الجہاد) کے شائع کرنے سے میرا خاص مقصد یہ ہے کہ یورپین اور

عیسائی مؤرخوں کے دلوں سے اسلام کی بابت اس عام اور غلط خیال کو دُور کیا جائے کہ ”محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قریش و دیگر قبائل عرب کا مقصد۔“

اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو جنگیں کیں۔ وہ حصول فتح۔ استیصال اور نیز جبراً مسلمان بنانے کی غرض سے تھیں۔ آپ نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر لوگوں سے اپنی رسالت کو زبردستی منوایا۔“ میں یقین کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں یہ وجوہات

لے ڈوزی لکھنا ہے کہ:-

”فتح مکہ کے بعد جو قبیلے اب تک بہت پرست ہیں انہیں معلوم ہو گیا کہ مخالفت اب بے سود ہے۔ اور وہ ایک نیست و نابود کر دینے والی جنگ کی دھمکی نے ان سے اسلام قبول کروا دیا جس کی تلقین محمد کے دورِ جہل ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر کرتے تھے۔“

یہ مضمون مولوی عبدالحق صاحب کے تلمی مسودہ سے لیا گیا ہے۔ جس کو انہوں نے انگریزی سے اردو کیا (عبدالحق) لے ”اب آنحضرتؐ کی حیثیت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ آپ حکم الہی کی تعمیل کرانے کا ذریعہ ہو سکتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی جو لوگ مذہب حق کے قبول کرنے سے منکر تھے ان پر کامیابی کے ساتھ دس کے (دیکھو صفحہ ۲)

کافی یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ نہ تو محمد (صلعم) کی لڑائیاں حملہ آوری کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور نہ آپ نے ایکمان کے معاملہ میں کسی طرح کے جبر و اکراہ سے کبھی کام لیا۔

۲۔ آنحضرت ص کی تمام جنگیں دفاعی تھیں۔ جو لوگ آپ کے معاملہ میں دلچسپی رکھتے

تھے اُن پر اور آپ پر بھی وقتاً فوقتاً سخت سخت ظلم و ستم ہوتے رہے اور وہ خونخوار اور ناخدا ترس قریش کے ہاتھوں مکہ میں ایک قسم

مسلمانوں پر ابتدائی
ظلم و ستم۔

کی عام اذیت میں مبتلا تھے۔ جو لوگ کمزور اور بے یار و مددگار تھے۔ اُن کو ترک وطن کر کے ملک ابی سینا (حشہ) کی طرف جو ایک عیسائی سلطنت تھی۔ دودفعہ ہجرت کرنی پڑی مگر غضبناک قریش نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اگرچہ یہ تعاقب بے فائدہ تھا۔ جو لوگ مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ طرح طرح کی ذلتوں اور تکلیفوں میں مبتلا اور تمام مذہبی تمدنی آزادی سے محروم تھے۔ کیونکہ وہ قریش کے اپنے معبودوں کو چھوڑ کر محمد (صلعم) کے صرف خدا سے واحد پر ایمان لائے تھے۔ اور صدق دل سے آپ کی رسالت کو مقصد تھے۔

آنحضرت ص اور آپ کے معتقدین کو قانون قدرت اور قانون بین الاقوام

کی رو سے ہر قسم کا حق حاصل تھا کہ اپنے وطن میں فتنہ (فساد و آواغ) اٹھائے تو وہ حق بجانب تھے

کے رفع کرنے اور حریت کے ملکی حقوق اور مذہبی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ظالموں سے اُسی جگہ جنگ کریں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ماننے کا دباؤ ڈال سکتے تھے“ (سیرت محمدی از سر ولیم موصوفو ۲۱۱ مطبوعہ لندن ۱۸۸۶ء طبع چٹن) جو مذاہب آنحضرت ص کے چاروں طرف لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن میں زیادہ تر خالص مذہب (اسلام) میں پیغمبر اسلام نے اول اول مذہبی آزادی کی تاکید کی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اُس کی جگہ زبردستی ہونے لگی۔ آپ کوئی آنحضرت ص پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود آوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لے کر مختلف اقوام کے پاس جاتے ہیں اور تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے ماننے پر زور دیتے ہیں۔ یعنی اسلام لائیں۔ جزیہ ادا کریں۔ یا موت گوارا کر لیں“ (محمد و یس محمدی از مسٹر باسور ۱۳۷ء طبع دوم)۔

۳۔ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے نکل گئے۔ اُس وقت اُن پر قریش نے از سر نو جو حالت جنگ کا آغاز جو ظلم و ستم شروع کئے وہ ایسے عداوت کے کام تھے۔ جو اعلان جنگ کے مرادف تھے۔ اُس وقت سے قریش کے درمیان حالت جنگ کا آغاز ہوا۔ مکہ کے عربوں میں نہ تو کوئی باضابطہ سلطنت تھی۔ اور نہ اس بات کی تیز تھی کہ فلاں شخص یا فلاں مال کسی قوم یا جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا شخص شخصی یا انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ سلطنت میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ اور جو موجود تھی وہ مستقل طور پر منضبط نہ تھی اور اس کے لئے کوئی ایسی خارجی علامت (وردی وغیرہ) مہیا نہیں کی گئی تھی جس سے اُس کو فوراً شناخت کر سکیں۔

مکہ میں سلطنت کی صورت یہ تھی کہ ہر قبیلہ کا بزرگ یا شیخ اپنے قبیلہ پر حکومت کرتا تھا۔ اور سرور اُن قریش بلکہ خود اہلی مدینہ، جب ضرورت پیش آتی فوج کا کام دیتے تھے۔ اور اسی لئے مخالفت یا حالت جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی قریش یا باشندگان مکہ کا ہر فرد بشر مسلمانوں کا قومی دشمن تھا۔ اور اس بات کا سزاوار تھا کہ اس کی ذات کے ساتھ دشمن کا سا سلوک اور اس کے مال کے ساتھ دشمن کے مال کا سا برتاؤ کیا جائے۔ بجز اُن اشخاص کے جو جنگوں میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں۔ یا درحقیقت جنگ میں شامل ہونے سے باز ہیں۔ لہذا مسلمانوں کو جائز تھا کہ دشمن کے اُن قافلوں کو جو مکہ سے چل کر مدینہ کے قریب سے گزریں۔ دھمکائیں یا ان کو تاخت و تاراج کریں۔ اور اگر ممکن ہو تو مکہ تک پہنچ کر قریش پر حملہ کریں۔

۴۔ مگر چونکہ پیغمبر (صلعم) اور مہاجرین جن لوگوں میں آپ مقیم ہوئے تھے انہوں نے

صرف مدینہ میں ان کی حفاظت و حمایت کا عہد کیا تھا۔ اس لئے مہاجرین اپنے حملہ آوروں یعنی قریش کے مقابلہ میں اپنی قومیت اور مذہبی آزادی کے حقوق

مگر مسلمان اپنی حق باتوں کی تلافی کے لئے خاص وجہ سے ہتیار نہیں اٹھا سکتے تھے۔

کی حمایت میں تو ہتھیار اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔ چہ جائیکہ منکروں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے ہتھیار اٹھائیں یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ پس انہوں نے اس امر کو ترجیح دی کہ امن و امان سے مدینہ میں زندگی بسر کریں۔ اور بشرط امکان بغیر کسی بیرونی فتنہ و فساد کے اپنے اس نئے مذہب کی برکتوں کا لطف اٹھائیں۔

۵۔ درحقیقت اتنی مدت تک مکہ میں ایسے ایسے بھاری ظلم اٹھانے کے بعد

آخر کار مسلمانوں کو مدینہ میں ایک امن کی جگہ ملی تھی جہاں اُن کو از سر نو نیا لہفت شروع کرنے اور دوبارہ جنگ کے خطروں میں پڑنے کی خواہش باقی نہیں رہی

مسلمان مدینہ میں دیگر مشاغل میں مصروف ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے تھے کہ ابند ابھجنگ کر کے لڑائی کے جھگڑوں میں پڑیں۔

تھی۔ بلکہ وہ اپنی جان بچا کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد امن و امان کی زندگی بسر کرنے سے بہت خوش تھے۔ اہل مدینہ نے پیغمبر (صلعم) کو صرف حملہ سے بچانے کا عہد و پیمان کیا تھا نہ کہ قریش پر چڑھائی کرنے میں شریک ہونے کا آنحضرتؐ اور آپ کے متقین جو آپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے۔ اُن کی توجہ اسلامی عقائد کے وعظ و تلقین میں مہاجرین اور اہل مدینہ کے درمیان رشتہ اخوت قائم کرنے میں نماز کے لئے ایک مسجد تعمیر کرنے میں مہاجرین کے لئے مکانات مہیا کرنے میں۔ یہودیان مدینہ اور گرد و نواح کے دیگر قبائل بنی ضمہ (مکہ کا ایک قبیلہ تھا) اور بنی مدریج (بنی کنانہ کا ایک قبیلہ جو قریش کے رشتہ دار تھے) کے ساتھ عہد و پیمان کرنے میں کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے کچھ سروکار نہ رکھیں۔

قریش کے پیش آنے والے حملہ کے خطرہ کی روک تھام کرنے میں ان جنہوں نے ایسے موقعوں پر پہلے بھی

گردشمن کی طرف سے اُن کو ہر وقت کھٹکا تھا۔

مسلمانوں کا تعاقب کیا تھا۔ اور ان تمام کاموں سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے، جو اب ایک آزاد جماعت یا جمہوریت کی حیثیت جلد جلد اختیار کرتے جاتے تھے، بعض مذہبی و ملکی آئین منضبط کرنے میں مصروف تھی۔ ایسی حالتوں میں یہ بات قریب قریب ناممکن تھی کہ آنحضرت ص یا آپ کے پیرو اپنے کینہ توز و پرہیز و دشمنی پر حملہ کرنے کا خیال کریں یا کسی کو زیروستی مسلمان بنانے کے لئے ہتھیار اٹھائیں۔

۶۔ جب قریش نے دیکھا کہ ستم رسیدہ مسلمان اپنے وطن کی تمام جائیداد اور زمین چھوڑ کر ایک دور دراز شہر (مدینہ) میں چلے گئے۔

جہاں وہ بغیر جنگی مہم کے پہنچ نہ سکتے تھے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کو گرفتار کرنے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ

قریش نے اولاً مسلمانوں پر مدینہ تک پہنچ کر حملہ کیا اور مسلمانوں کا کہ سے بچ نکلنا گوارا نہ کر سکے۔

غور گذاشت نہیں کیا تھا۔ اُن کے ہاتھ نہ آئے۔ اور نیز جب انہوں نے سنا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی بڑی آوجھگٹ اور خاطر و مدارات ہوئی ہے۔ وہاں اُن کو مذہبی آزادی مل گئی ہے اور وہ اہل مدینہ کی برادرانہ نصرت کا حظ اٹھا رہے ہیں۔ تو وہ اپنی اُس خونخوارانہ عداوت کو جو مہاجرین سے تھی ضبط نہ کر سکے۔ قریش کی مخالفت کی آگ پہلے ہی بھڑک اُٹھی تھی۔ اُن کی سخت گیری اور ظلم و تعدی کی نوبت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب ۶۱۲ء میں گیارہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ابی سینا کی طرف ہجرت کی تو انہوں نے اُن کی گرفتاری کے لئے تعاقب کیا پھر دوبارہ ۶۱۲ء میں جب قریش کا ظلم و ستم پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ اور تقریباً سوائے مسلمانوں کی ایک اور جماعت مکہ سے ہجرت کر کے ابی سینا کو چلی گئی تو قریش نے شاہ ابی سینا کو اپنے سفیر بھیج کر ان تارکان وطن کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

۶۲۲ء کی تیسری اور عظیم الشان ہجرت میں مسلمانوں کے بچ نکلنے پر قریش

آگ بگولا ہو ہی رہے تھے۔ لہذا اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ہے کہ انہوں نے مہاجرین پر تعدی کرنے کے لئے ہر قسم کی پُر زور اور معاندانہ تدابیر قدرتی طور پر ضروری اختیار کی ہوں گی۔

مکہ سے مسلمانوں کی عام ہجرت کے دوسرے سال قریش نے ایک ہزار قوی جوانوں کی ایک بڑی فوج فراہم کر کے مسلمانانِ مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے کوچ کیا۔ چونکہ مدینہ، مکہ سے دو سو پچاس میل یا بارہ میل ہے۔ اس لئے غنیم کی حملہ آور فوج آٹھ منزل سفر کر کے مقام پدر پر پہنچی۔ جہاں سے مدینہ تین یا چار منزل ہے۔ آنحضرت صرف تین سو مسلمانوں کو لے کر جن میں بہ نسبت مہاجرین کے انصار زیادہ تر تھے قریش کے مقابلہ میں مدافعت کے لئے مدینہ سے نکلے اور پدر کی مشہور جنگِ مدینہ سے کوئی تین ہی میل کے فاصلہ پر واقع ہوئی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ جنگ محض دفاعی تھی۔ اور اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

۱۔ سرولیم میور کا خیال ہے کہ قریش صبر و تحمل کرتے تھے۔ مگر قریش کے سابق طریقِ عمل سے صاحبِ موصوفہ کی رائے کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو سخت انہیں دی تھیں اور مہاجرین کا تعاقب کیا تھا۔ سرولیم میور لکھتے ہیں کہ:-

”محمد (صلعم) اور ابوبکرؓ کو اپنے اپنے قبیلوں پر پھر وسہ تھا کہ وہ ان کے عیال و اطفال کو قریش کی بدسلوکی سے محفوظ رکھیں گے۔ مگر قریش نے اُن کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی اور نہ کسی قسم کی تکلیف دی۔ اُن کو حراست میں رکھنے کی کوئی خفیہ سی خفیہ کوشش نہیں کی گئی۔ اگرچہ یہ بات غیر محمول نہ تھی کہ وہ اُن کے عیال و اطفال کو بطورِ غمال کے حراست میں رکھ لیتے تاکہ مسلمان مدینہ سے اُن پر کوئی مخالفت نہ کر سکیں“ (سیرت محمدی از سرولیم میور۔ جلد دوم صفحہ ۲۶۵)۔

قریش تو مسلمانوں کا ایک عظیم الشان تعاقب اور اُن پر حملہ کرنے والے تھے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ محمد (صلعم) اور ابوبکرؓ کے عیال و اطفال کو بطورِ غمال کے حراست میں رکھیں۔ جب کہ انہیں یہ خیال بھی در نہ آ سکتا تھا کہ مسلمان جنگ کی ابتدا کریں گے کیونکہ وہ اپنی جان بچا کر نکل جاتے اور بے غل و برغش زندگی بسر کرنے سے نہایت خوش تھے۔ اور اس حالت کو غنیمت سمجھتے تھے۔

سورہ (ج ۲۲) آیات ۳۹-۴۲ جو اصل کتاب کے فقہ (۱۷) میں نقل کی گئی ہیں جنگ بدر کے بعد **مدا فعت** کے طور پر ہتھیار اٹھانے کی بابت سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں ۷۔ قریش نے مسلمانوں کے خلاف مدینہ میں تین جنگیں کیں۔ پہلی لڑائی جو جنگ بدر

نخلہ اور قریش نے آنحضرتؐ کے نام سے موسوم ہے۔ مدینہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی۔ اور قریش مکہ سے چل کر دوسو بیس میل تک چڑھ آئے تھے۔

دوسری لڑائی جس کو جنگ احد کہتے ہیں۔ مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہوئی تھی۔ یعنی غنیم مکہ سے روانہ ہو کر ڈھائی سو میل تک چڑھا چلا آیا تھا۔

تیسری جنگ احزاب تھی جس میں قریش نے دس ہزار جوانوں کی فوج جمع کی تھی۔ شہر کا کئی روز تک محاصرہ رہا۔ اور مسلمان مدینہ کی چار دیواری کے اندر ہی اندر **مدا فعت** کرتے رہے۔ کیونکہ غنیم مدینہ کی چار دیواری تک چڑھ آیا تھا۔ آنحضرتؐ اور قریش کے مابین صرف یہی تین لڑائیاں ہوئیں۔ اور ہر ایک لڑائی میں آنحضرتؐ نے **مدا فعت** کی۔ آپؐ نے نہ تو انتقام لینے کے لئے قریش پر حملہ کیا۔ اور نہ اس لئے کہ نزو شمشیر ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے *

یہ تینوں لڑائیاں بھی آنحضرتؐ نے اپنے نقصانات کی تلافی یا ان حقوق کے قائم کرنے کے لئے جو خطرہ میں پڑے ہوئے تھے نہیں کی تھیں بلکہ صرف ظلم کے دفعیہ کے لئے اور بطور حفاظت خود اختیاری کے یہ حق آپؐ کو حاصل تھا۔ اگر آنحضرتؐ اور مسلمان مکہ پر حملہ کر کے وہیں قریش کے ساتھ جنگ و جدل کرتے تو بھی جو نقصانات مسلمانوں کی جان و مال کو اہل مکہ کے ہاتھوں پہنچے تھے۔ ان کی تلافی کے لئے۔ آپؐ کا جنگ کرنا حق بجانب ہوتا یہ وہی مسلمان تھے جن کو قریش مذہب کی وجہ سے اذیتیں پہنچا رہے تھے۔ جن کو گھر و سر جلا وطن کر دیا تھا۔ اور خانہ کعبہ کے حج سے بھی روک دیا تھا۔ جس لڑائی کی وجہ

یہ لڑائیاں محض دفاعی تھیں حتیٰ کہ مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی یا ان کے حقوق قائم کرنے کے لئے بھی نہیں کی گئی تھیں۔

منصفانہ ہوں مثلاً بیجا ظلم و تعدی کو روکنا یا دفع کرنا کسی حق کو قائم کرنا۔ وہ ہر ایک ہی
اخلاقی یا ملکی قانون کی رو سے جائز ہے *

۸۔ سرولیم سپور۔ جو ظالم و جابر قریش کے بڑے حامی ہیں۔ اُن کی یہ رائے ہے کہ

جنگ بدر ”خود محمد (صلعم) کی طرف سے ہوئی تھی“ اور یہ کہ آنحضرت م کا
ارادہ تھا کہ قریش کے قافلہ پر جو سبر کر گئے ابوسفیان ملک شام سے

واپس آ رہا تھا۔ یکایک بلا اطلاع حملہ کریں۔ اور یہ کہ آپ اس کو لوٹنے کے لئے مدینہ
سے باہر نکلے تھے۔ ابوسفیان نے اپنی مدد کے لئے قریش کی ایک فوج طلب کی۔ اور
اس طرح جنگ بدر کا آغاز ہوا۔ میں نے اصل کتاب کے فقہ ۵۵ و ۵۶ میں اس امر
کے ثابت کرنے کے لئے کہ یہ بیان غلط ہے۔ دلائل بیان کئے ہیں۔ میں مہمصر تحریرات
یعنی قرآن مجید ہی سے یہ بتاؤں گا کہ آنحضرت م کا قصد نہ تو قافلہ پر حملہ کرنے کا تھا۔
اور نہ آپ اس غرض سے مدینہ سے باہر نکلے تھے *

اول۔ الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ

کے موقع پر آنحضرت م کے مدینہ سے باہر جانے سے ناخوش تھا۔ اگر
مال دار قافلوں کو لوٹنا اُن کا مقصد ہوتا۔ جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا

لے دیکھو سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۵۵ کا فٹ نوٹ۔ یہ نوٹ کتاب مذکور کی طبع جدید سے حذف کر دیا
گیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۱۷۔

لے اصل آیتیں یہ ہیں:-

یعنی ”(اے پیغمبر) جس طرح تمہارے پروردگار نے تم کو حق پر گھر سے
نکلنے پر آمادہ کیا اور درحقیقت مسلمانوں کا ایک گروہ اس بات
سے ناخوش تھا انہوں نے حق ظاہر ہونے کے بعد حق بات میں تم سے
جھگڑا کیا گویا اُن کو موت کی طرف ڈھکیلا جاتا ہے۔ جس کو وہ دیکھ
رہے ہیں“ (الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶)

کَمَا أَخْرَجَكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ
وَإِنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُلٌّ لَهُمْ
يُجَادُّوكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَمَا تَأْتِي
يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يُنْظَرُونَ
(الانفال ۸۔ آیات ۵ و ۶)

(صاحب تفسیر رضوی نے ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں نہایت دلچسپ درج بحث کی ہے ناظرین کتاب ہذا اسکو ملاحظہ فرمادیں)

۱۔ اصل آیت یہ ہے:-

۱۰ دکنیو میور صاحب کی سیرت مجددی طبع جدید صفحہ ۲۲۶۔

سوم۔ اسی سورۃ کی ساتویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت فریقین محض اتفاقاً ایک دوسرے کے قریب خیمہ زن ہو گئے تھے، اُسی وقت اور اُسی جگہ مسلمانوں نے فوج قریش سے جنگ کرنے کی بجائے، بطور انتقام یا بغرض تلافی نقصانات قافلہ پر حملہ کرنا چاہا تھا یہ دلیل میرے اس دعوے کی تائید میں ہے کہ ”قافلہ پر حملہ کرنے کا پہلے سے کوئی منصوبہ نہ تھا“ +

چہارم۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ”آنحضرتؐ کا ارادہ قافلہ پر حملہ کرنے کا نہ تو مارینہ سے باہر نکلنے سے پہلے تھا۔ جیسا کہ بعض جاہل آدمی کہتے ہیں۔ اور نہ بمقام بدر دشمن کی فوج سے آمناسا منا ہونے کے بعد ہی آپؐ کا ایسا ارادہ ہوا +

پنجم۔ سورۃ (الانفال ۸) آیت ۲۷۔ جس میں جنگ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے۔ صاف بتاتی ہے کہ اہل مکہ نے قید ہونے سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ دغا کی تھی۔ اور بصراحت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مسلمانین مدینہ پر ابتداء حملہ کرنے کی غرض سے مکہ سے چلے گئے +

ششم۔ سورۃ توبہ ۹۔ آیت ۱۳۔ جس میں ایک واقعہ مابعد یعنی قریش کے صلح

۱۔ اصل آیت یہ ہے :-

وَاذْكُرْ كَيْفَ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي مَعَكُمْ فَقَالُوا نَبُذْكَ وَتَقَرَّبْ إِلَى الْكَافِرِينَ (الانفال ۸- آیت ۷)۔

۲۔ اصل آیت یہ ہے :-

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ الْجِبَالِ سَاقِطًا فَلْيَاْمَنُوا بِاللَّهِ وَلْيَذْكُرُوا آلَاءَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الانفال ۸- آیت ۷)۔

۳۔ اصل آیت یہ ہے :- (دیکھو صفحہ ۱۱)

یعنی ”اور یاد کرو جب خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک تمہارے ہاتھ آجائے گی۔ اور تم یہ چاہتے تھے۔ کہ جس جماعت میں قوت نہیں ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو قائم کرے اور کافروں کے پچھلے حقد کو قطع کرے۔“ (الانفال ۸- آیت ۷)۔

یعنی ”اور اگر وہ تمہارے ساتھ دغا کرنا چاہیں تو پہلے بھی اللہ کے ساتھ دغا کر چکے ہیں پس اُس نے تم کو اُن پر قابو دیا۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے۔“ (الانفال ۸- آیت ۷)۔

حدیبیہ کی عہد شکنی کا ذکر ہے۔ بصراحت تمام اُن پر اس امر کا الزام لگاتی ہے کہ انہوں نے ہی پہلے حملہ کیا تھا اور وہی پہلے جنگ کے لئے چڑھ کر آئے تھے۔ چونکہ جنگ بدر سے پہلے قریش نے مسلمانوں پر نہ تو کوئی حملہ کیا تھا اور نہ کوئی جنگ کی تھی۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ بدر کی لڑائی میں قریش حملہ آور تھے۔

۹۔ مگر چونکہ قریش اور عرب کے دیگر خائف قبائل ہر سال آنحضرت ص پر حملہ کرتے اور

وق کرتے رہتے تھے۔ اس لئے آپ کو اتنی مہلت نہ تھی کہ اپنے خطرہ میں پڑے ہوئے حقوق قائم کرنے یا مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی کرنے یا ان مظالم کا تدارک کرنے کے لئے جو آپ کی ذات پر کئے گئے تھے، اپنے دشمنوں یعنی قریش سے جنگ

قریش اور دیگر قبائل عرب کے حملوں اور اُن کی دھمکی دینے والی جمیعتوں کی وجہ سے آنحضرت ص کو اتنی مہلت نہ تھی کہ اُن پر از خود حملہ کرنے کا خیال کریں۔

کرنے کی غرض سے حملہ کریں۔ اور بُت پرستی کو زبردستی ترک کرانے یا اپنی رسالت کو حیرا منوانے کے لئے ہتھیار اٹھانے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

مکہ سے ہجرت کے بعد پہلے سال میں قریش کے غیظ و غضب کی وجہ سے مسلمان ہر دم خطرے میں تھے۔ اور جب آنحضرت ص قرب وجوار کے قبائل سے اس امر کے معاہدے کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں سے کچھ واسطہ نہ رکھیں۔ اُس وقت گُزرنے لگا کہ جو اعراب قریش میں سے تھا مدینہ پر حملہ کیا۔

دو تہ سال قریش نے بمقام بدر جنگ کی۔ اور اس کے بعد ختم سال کے قریب انہوں نے مدینہ پر ایک خفیف سی چڑھائی کی۔ مٹی نصیب نے اہل مدینہ کے ساتھ یہ بد عہد

(فقہ حاشیہ صفحہ ۱۱)

یعنی ”تم اُن لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنے عہدوں کو توڑا۔ اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا“ اور انہوں نے ہی پہلی دفعہ سے جنگ شروع کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)۔

لَا تُقَاتِلُوهُمْ قَدْ آتَيْنَا خُذْرًا
يَا خُذْرَاجِ الرُّسُولِ وَأَنْتُمْ بَدْءُكُمْ أَوَّلَ
مَوْجِدٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ ج (التوبہ ۹۔ آیت ۱۳)

لے ابن ہشام مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۲۳۔ التنبیہ والاشراف مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۵۲۔ ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۸۶۔

کی کہ دشمن کو خبریں پہنچائیں۔ اور اس کو دعوت دی۔
تیسرے سال کے شروع میں بنی سلیم اور بنی غطفان کے خانہ بدوش قبیلوں
نے جو نجر کے میدانوں میں رہتے تھے اور قریش اور وہ ایک ہی نسل سے تھے دو دفعہ
تاخت و تاراج کی غرض سے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا۔ اُسی زمانہ میں مدینہ کے
قریب جنگ احد میں مسلمانوں نے قریش سے شکست کھائی۔ اس واقعہ کا پیغمبر
اسلام (ﷺ) کے اقتدار پر بڑا اثر پڑا۔ اور آپ کے فتح مند
غنیم نے یہ دھمکی دی کہ ہم سال آئندہ بھی اسی قسم کا حملہ کریں گے۔

چوتھے سال کے شروع ہوتے ہی بہت سے بدوؤں اور نیز قبیلہ بنی نضیر
کے یہودیوں کی عداوت کا جوش نمایاں ہوا۔ اور مختلف مقامات میں آنحضرتؐ کے خلاف
کارروائی کرنے اور مدینہ کی شکست سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے بڑی بڑی جمعیتیں
ترتیب دی گئیں۔ قریش کو جو فتح احد میں حاصل ہوئی اس کی تکمیل کے لئے بنی
اسد اور بنی لحيان کے قبیلے مجتمع ہوئے۔ بالآخر یہ سخت غم انگیز سانحہ سے کم نہیں پیش
آیا۔ کہ مقام رجب میں رسول اللہ ﷺ نے دایمان اسلام قتل کئے گئے۔ ختم سال پہلے ہی
کو یہ مبالغہ آمیز خبر ملی کہ غنیم نے جیسا کہ سال گزشتہ وعدہ کیا تھا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے
لئے مکہ میں بڑی بڑی تیاریاں کی ہیں۔ (سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۱۶۷)۔

پانچویں سال بنی غطفان کے بعض قبائل ذات الرقاع میں مشتبہ ارادوں
سے جمع ہو رہے تھے۔ اور دومۃ الجندل کے قریب قزاقوں کی جماعتوں نے مدینہ
پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔ بنی خزاعہ کی ایک شاخ بنی مصطلق نے جواب تک

۱۔ ابن ہشام صفحہ ۶۳۸۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۲۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۔

۲۔ ابن ہشام صفحہ ۶۳۸۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۲۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱۔

۳۔ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۸۵ مطبوعہ یورپ۔

آنحضرتؐ کے طرفدار تھے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے قریش کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے ہتھیار اٹھائے ختم سال پر قریش نے بدوی (صحرائین) قبائل کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ شامل ہو کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ اور بہت دن تک اس کا محاصرہ رکھا۔

جب مدینہ کا محاصرہ کیا گیا تو بنی قریظہ آنحضرتؐ سے جدا ہو کر قریش کی فوج کے ساتھ جا ملے۔

چھٹے سال کے شروع میں بنی فزارہ کے سردار عبیدہ نے مدینہ پر حملہ کیا۔ ایک مدینہ کے قافلہ کو جس کا سردار زید بن حارثہ تھا بنی فزارہ نے گرفتار کر لوٹ لیا۔ ماہ ذیقعدہ میں (جو عربی قمری سال کا گیارہواں مہینہ ہے) جبکہ تمام عرب اور بالخصوص حرم مکہ میں جنگ و جدل ممنوع تھا چونکہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کویت اللہ اور گرد و نواح کے مقامات مقدسہ کی زیارت کا شوق تھا۔ اور حج جس کو بچپن سے اپنی قومی و مذہبی زندگی کا ایک نہایت ضروری جزو سمجھتے تھے اس میں شامل ہونے کا قصد تھا۔ مزید براں اپنے گھروں اور بال بچوں کے دیکھنے کے لئے۔ جن سے اُن کو جبراً اور ظلماً جدا کیا گیا تھا۔ اُن کے دلوں میں ایک قوی خواہش موج زن تھی۔ لہذا بجائے حج کے صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ جب ہم حاجیوں کے لباس میں روانہ ہونگے جس سے کسی لڑائی وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہو سکتا

لے بنی اشجع مکرہ۔ فزارہ سلیم سعد۔ اسد اور بنی غطفان کے چند قبائل۔ وادی القرع اور خیبر کے یہودی۔ ۱۔ ذوالقعدہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت قتل کی گئی (التنبیہ للسعودی صفحہ ۲۵۲ طبع یورپ) دحبہ (عینی جلدہ صفحہ ۲۲۴ طبع قسطنطنیہ) جس کو آنحضرتؐ نے قبضہ سوم کے پاس بھیجا تھا۔ اس کا تمام مال و متاع واپسی کے وقت بنی جذام نے وادی القرع سے پرے لوٹ لیا۔ ۲۔ خیبر کے یہودی۔ بنی فزارہ اور بنی سعد بن بکر اور دیگر قبائل اعراب کو مدینہ پر چڑھائی اور لوٹ مار کی ترغیب دے رہے تھے۔

۳۔ ابن ہشام صفحہ ۷۴۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۲۔

تو قریش قومی عقیدہ کے ہر ایک معاہدہ کی رُو سے اخلاقاً اس امر کے پابند ہوں گے کہ ہم کو نہ ستائیں اور آنحضرتؐ نے بھی ان سے امن و امان کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے کا نذر وعدہ کیا تھا۔ مگر قریش نے مسلح ہو کر مسلمانوں کو مکہ کی طرف بڑھنے سے روکا۔ حالانکہ اُن کا مقصد نیک تھا (یعنی زیارت بیت اللہ کا ارادہ تھا) اور ان کی وضع بھی حاجیوں کی سی تھی۔ یوں بھی اُن کی طرف سے لڑائی کا گمان نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر آنحضرتؐ اور قریش کے درمیان ایک عہد نامہ بمقام حدیبیہ لکھا گیا۔ اس عہد نامہ کی شرائط گو یہ ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ مگر فی الحقیقت یہ ایک فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس صلح سے دس سال تک لڑائی بند ہو گئی +

آنحضرتؐ کے قیام مدینہ کے ابتدائی چھ سال کا مختصر سا خاکہ جو میں نے کھینچا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں مدینہ برابر ایک قسم کی جنگی مداخلت کی حالت میں تھا۔ مسلمانوں کو بیرونی حملے، یورش اور تاخت و تاراج کا۔ اور اندرونی دغا۔ سازش اور فریب کا ہر دم کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اُن کو یا تو غنیمت کی بڑی بڑی جمعیتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ یا جو لوگ بارادہ جنگ جمع ہوتے تھے ان کو منتشر کرنا پڑتا تھا۔ ادیبا بعض اوقات غارتگر قبائل کو تنبیہ و تادیب کرنی پڑتی تھی۔ غرض کہ آنحضرتؐ کو مدینہ میں بے کھٹکے دم لینے کی مہلت تو تھی ہی نہیں۔ تو پھر آپ کو ایسا وقت اور موقع کہاں سے مل سکتا تھا کہ جو ایذاؤں قریش کے ہاتھوں آپ کو اور مسلمانوں کو پہنچی تھیں ان کا انتقام لینے کے لئے۔ ان کے نقصانات کی تلافی اور اُن کی ملکی و مذہبی آزادی کے حقوق دوبارہ قائم کرنے کے لئے یا اُن کو اور دیگر قبائل کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانے کے لئے قریش مکہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ پختہ کر سکیں +

۱۰۔ جب مسلح قریش نے نئے مسلمانوں کا جو حاجیوں کے

نواح میں قریش کا مسلح ہو کر

لباس میں تھے۔ مقابلہ کیا۔ اور قریش لڑائی کا جامہ پہن کر یا

مسلمان حاجیوں سے مقابلہ کرنا

بالفاظ دیگر تادم واپسین لڑنے کا عزم مصمم کر کے فوطولے کے مقام پر خیمہ زن ہوئے اور جبکہ حضرت عثمانؓ کو جو مسلمانوں کی طرف سے سفیر ہو کر گئے گئے تھے قریش نے سچ مچ قید کر لیا۔ اور جن کی نسبت یہ افواہ اڑ رہی تھی کہ وہ مکہ میں قتل کر دئے گئے۔ اور جبکہ قریش کی ایک جماعت نے آنحضرتؐ کے لشکر گاہ پر سچ مچ حملہ کر ہی دیا۔ صرف اس وقت مسلمانوں کے لشکر میں جوش و خروش۔ خوف و خطر۔ اور فکر و اندیشہ پیدا ہوا اور اسی وقت آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے عہد واثق لیا کہ جب تک دم میں دم ہے اسلام کی حمایت کریں گے۔ (سورۃ الفتح ۲۸- آیت ۱۸)۔

اسی اثناء میں اُن مسلمانوں نے جو مکہ میں مقید تھے۔ اور جن پر اُور بھی ظلم و ستم ہو رہے تھے۔ اپنی رہائی کے لئے آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ دیکھو (سورۃ النساء ۴- آیات ۷۷ و ۹۹ و ۱۰۰) اور سورۃ التوبہ ۹- آیات ۱۳ و ۱۴)۔ (تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۷۹ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء)۔

آنحضرتؐ نے اس موقع پر قریش کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس صورت میں جبکہ وہ پہلے حملہ کریں۔ اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ اپنے اگلے پچھلے ظلموں کا رجوع قریش نے اُن پر کئے تھے) انتقام لیں۔ اپنی ملکی و مذہبی آزادی کے حقوق کو قائم کریں۔ اپنے وطن (مکہ) میں بے روک ٹوک آمد و رفت رکھنے اور اپنے ہر اسم مذہبی کو بلا مزاحمت ادا کرنے کی آزادی حاصل کریں۔ اور قریش کے

کہیں ملکی و مذہبی آزادی کا حق حاصل کرنے کی غرض سے جنگ قریش کے خلاف آنحضرتؐ مسلم کا اعلان جنگ۔

لے ابن ہشام صفحہ ۴۱ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔

لے ابن ہشام صفحہ ۴۶۔

لے ابن ہشام صفحہ ۴۵۔ (دیکھو سورۃ الفتح ۲۸- آیت ۱۸ تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ یورپ)۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ یورپ)۔ لے آنحضرتؐ نے مکہ کی طرف بعض قبائل اعراب کو اپنا حامی بنالیا تھا اور وہ آپ کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے اُن کو طلب کیا کہ اگر جنگ پیش آئے تو آپ کے ساتھ شامل ہوں۔ مگر سوائے معدودے چند کے کوئی شخص شریک جنگ نہ ہوا۔

مظالم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں +
آیات مندرجہ ذیل اسی موقع پر نازل ہوئیں اور اُسی وقت اُن کا اعلان
کر دیا گیا :-

سورہ دوم (البقرہ) آیات ۸۶ لغایت ۱۹۰ اور ۲۱۲ لغایت ۲۱۵۔ اس
کے بعد سورہ الفتح ۲۸ آیت ۱۸ بھی اسی موقع سے تعلق رکھتی تھی۔ بالخصوص آیت
۱۰ اور ۲۲ لغایت ۲۷۔ یہ آیتیں اصل کتاب کے فقرہ (۱۷) میں نقل کی گئی ہیں +
مگر خوش قسمتی سے باہم مصالحت ہو گئی اور کسی طرف خون کا ایک قطرہ بھی بہنے

یہ جنگ جس کا اعلان کیا
گیا تھا۔ پیش نہیں آئی۔
نہیں پایا۔ پس جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اُن کے
احکام کی تعمیل کبھی نہیں ہوئی۔ اس اعلان جنگ کے

شائع کرنے میں بھی آنحضرتؐ تمام قوانین اور انصاف کی رو سے حق بجانب
تھے۔ یہ جنگ بھی اگر واقع ہوتی جنگ مداخلت ہی ہوتی جو مسلمانوں کے ملکی
حقوق اور اُن کی مذہبی آزادی قائم کرنے کی غرض سے کی جاتی جس سے
وہ اب تک نا واجب طور پر محروم کئے گئے تھے +

۱۱۔ یہ صلح زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی۔ حملہ آور قریش کی طرف سے مخالفت کا

سب سے پچھلا کام یہ ہوا کہ انہوں نے صلح نامہ کے مرتب
ہونے سے دو سال کے اندر ہی صلح کو توڑ دیا۔ اس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار مکہ فتح ہو گیا۔ اور اہل مکہ نے اطاعت قبول کی۔ قبیلہ بنی
خزاعہ جواب صلح ہو جانے کے وقت سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اور جس نے عندئہ

لے بیشادی جلد اول صفحہ ۵۰۵ طبع یورپ۔ کشف جلد اول صفحہ ۱۳۱ طبع کلکتہ۔

لکھ بیشادی جلد ۲۔ صفحہ ۳۱۹۔

۱۲۔ سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۲۷ میں بھی بنی خزاعہ کا ذکر ہے۔ دیکھو تفسیر بیشادی جلد اول صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۰ مطبوعہ

یورپ ۱۳۲۸ھ۔ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۵۹۵۔

کے وقت آنحضرت م سے علی الاعلان عہد و پیمان کیا تھا۔ اس پر قریش اور اُن کے معاون و مددگار بنی بکر نے حملہ کیا۔ ان مظلوم مسلمانوں نے اپنے نائبوں کے ذریعہ سے آنحضرت م سے مدد کی درخواست کی اور اُنہوں نے آنحضرت م اور آپ کے اصحاب کے رویہ و اُن ظلموں کا جو اُن پر ہوئے تھے نہایت مؤثر الفاظ میں اظہار کیا۔ اور زار نالی کے اوج میں اصرار کیا کہ دعا باز قاتلوں سے انتقام لیا جائے +

آنحضرت م نے اُن حملہ آوروں کے خلاف، جنہوں نے صلح کو توڑ کر بنی خزاعہ پر

صلح توڑنے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان

کر دیا مضمون اعلان یہ تھا کہ جن لوگوں نے عہد شکنی کی اور بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کو مدد دی اُن کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہر اعت (صاف جواب) ہے۔ اُن کو صلح کرنے کے لئے چار مہینے کی مُہلت دی گئی تھی۔ اگر اس مُدت میں صلح کر لیں تو خیر ورنہ اُن سے جنگ کی جائے گی اُن کو گرفتار کیا جاوے گا۔ ان کا محاصرہ کیا جائے گا۔ قصہ مختصر۔ جنگ کی تمام مصیبتیں ان کو جھیلنی پڑیں گی۔ سورۃ التوبہ ۹- آیات ۱- لغایت ۵۔ اسی اعلان جنگ کی بابت نازل ہوئی تھیں۔ اس سورۃ کی آیات اصل کتاب کے فقرہ (۱۷) میں نقل ہوئی ہیں +

مگر یہ جنگ جس کی دھمکی دی گئی تھی فی الحقیقت واقع نہیں ہوئی۔ اور بغیر جنگ یہ جنگ واقع نہیں ہوئی۔

کے صلح سے گلہ خوار لے کر دیا گیا۔ اس طرح مسلمانانِ مکہ و

۱۔ بنی بکر بن عبد مناة کنانہ کی ایک شاخ تھی جو بنی سعد کی نسل سے تھی تفسیر رضی اللہ عنہ جلد اول صفحہ ۳۷۹
مطبوعہ یورپ ۱۸۴۸ء ابن ہشام صفحہ ۸۰۲ طبع یورپ۔ تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۵۲۸ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۵۵ھ
یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۸
۲۔ تفسیر رضی اللہ عنہ جلد اول صفحہ ۳۷۹ طبع یورپ تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۵۲۸ طبع کلکتہ ۱۲۷۷ھ جمادی
۳۔ ابن ہشام صفحہ ۸۰۲ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۶ طبع یورپ۔ تاریخ یعقوبی
جلد ۲ صفحہ ۵۸ طبع یورپ۔

احد کی شکست کے بعد جو ملک کے رخ پر واقع ہے۔ جب آنحضرتؐ کو اپنے برخلاف قریش کی جدید سازش کی اطلاع ملی۔ اور مدینہ پر حملہ کرنے میں قریش کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے بنی مصطلق کے تازہ جمیعت فراہم کرنے کی خبر پہنچی۔ تو آپؐ نے ایک دلیرانہ کوشش سے ان کے ارادہ کو روکنے کا عزم بالجہوم کیا۔ میں نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی حیثیت پر کی مہم محض بغرض مدافعت تھی ضمیمہ کے پیش آنے والے حصے کے خطرہ سے اپنے نفس کی حفاظت کے لئے اور اس کی آگے بڑھنے سے روکنے کی غرض سے جو جنگ کی جائے وہ از روئے قانون جنگ مدافعت ہے۔

میں بتی قریطہ کی مہم سے جداگانہ بحث نہیں کرتا۔ مگر یہاں اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں سے رابطہ مدافعت قائم کرنے کے بعد دغا بازی سے ان کا ساتھ چھوڑ کر دشمن کی جمیعت میں جا شامل ہوئے تھے ان کا مفصل سال معلوم کرنے کے لئے ناظرین کو اصل کتاب کے فقرات ۶۸-۷۱ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

۱۳۔ مکہ کی متذکرہ بالا مہم کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش مطیع ہو گئے انہوں نے

صلح کر لی اور ہتھیاروں کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔
 تنہو کٹے کی مہم جملہ مؤرخین مسلم و اہل یورپ دونوں کے
 اقرار کے موافق محض دفاعی اغراض سے اختیار کی
 گئی تھی۔ اس موقع پر آنحضرتؐ کو یہ وحشت انگیز خبر پہنچی

دشمن جو آگے بڑھا چلا آتا تھا
 اس کو روکنے کے لئے تنہو کٹے
 بہم جس میں کوئی جنگ واقع
 نہیں ہوئی

کہ اسلامی جمہوریت پر بیرونی حملہ ہونے والا ہے۔ جس کی وجہ سے آپؐ کو سخت اندیشہ

۱۔ ابن ہشام صفحہ ۷۵۵ طبع یورپ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ یورپ
 ۲۔ ابن ہشام صفحہ ۸۹۱ مطبوعہ یورپ سنہ ۸۶۰ھ۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ یورپ سنہ ۸۶۲ھ۔ التنبیہ
 والا شراف صفحہ ۲۰۰

پیدا ہوا۔ سورۃ (التوبہ ۹) کی آیات مندرجہ ذیل اگر یہودیوں کی خبر کی بابت نہیں تو اغلباً رومیوں اور ان کے حامی و معاون یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

۲۹۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ
مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدْعُونَ
دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ
(التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)

۲۹۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر۔ اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں۔ ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔
(التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)

۱۲۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا
فِيكُمْ غِلَظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ
(التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴)

۱۲۴۔ اے ایمان لانے والو! اپنے اس پاس کے کفار سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تم میں شدت (دکراپن) محسوس کریں اور جان لو کہ اللہ (زیادتی سے) بچنے والوں کے ساتھ ہے۔
(التوبہ ۹۔ آیت ۱۲۴)

آنحضرتؐ بغیر جنگ کے واپس تشریف لائے۔ اور جو احکام ان آیتوں میں درج ہیں ان کے عمل میں لانے کا کوئی موقع پیش نہیں آیا۔

چونکہ پیش آنے والا خطرہ نہایت سخت تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو جنگ مداخلت کی ترغیب دینے میں نہایت سخت کوشش کی۔ مگر چونکہ موسم گرم اور سفر دراز تھا اس لئے بعض مسلمان جنگ سے پہلو تہی کرتے اور پیچھے ہٹے جاتے

لے مقنا۔ اور جبریا کے یہودی، ایلہ اور دومتہ الجہل کے عیسائی۔ (ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ یورپ) ابن ہشام صفحہ ۹۰ مطبوعہ یورپ ۱۳۴۸ھ۔ التنبیہ علامہ شراف صفحہ ۲۴۰ نیز ملاحظہ ہو مروج البلدان صفحہ ۹۰ تا ۹۱ مطبوعہ یورپ ۱۳۴۸ھ علامہ بلاذری نے اس مہم کو جو آنحضرتؐ صلعم نے اہل مقنا۔ اور جبریا۔ ایلہ اور عجم کو لکھ دیا تھا۔ تمام کو بعینہ نقل کیا ہے۔ حید

تھے۔ جو لوگ اس موقع پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے اُن کو سخت تہدید و ملامت کی گئی ہے۔ (ابن ہشام صفحہ ۸۹۳۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۱۷)۔ لڑائیوں کا جو خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے اس سے واضح ہو گا کہ صرف پانچ آنحضرتؐ کی جنگوں کی تعداد جنگیں ایسی ہوئی ہیں جن میں درحقیقت لڑائی کی نوبت پہنچی۔ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی سیرت لکھی ہے یا آپ کے غزوات کے حالات قلمبند کئے ہیں انہوں نے آپ کی مہموں کی تعداد شمار کرنے میں مسامحت کی ہے۔ انہوں نے مختلف مہموں کے نام اور احوال درج کئے ہیں۔ مگر نہ تو غلطی تنقید کا باقاعدہ لحاظ رکھا ہے اور نہ اُن اصول و روایت کی پابندی کی ہے۔ جن پر روایت کی شہادت کو پرکھتے ہیں۔ اس لئے وہ مہموں کے قصے بیان کر دیتے ہیں بلا لحاظ اس امر کے کہ ان میں سے کون سے سچے ہیں اور کون سے جھوٹے مؤرخین نے ہمت سی مہیں شمار کی ہیں۔ جن کی تائید میں فی الحقیقت کوئی معتبر شہادت موجود نہیں۔ بعض تو بالکل ہی بے بنیاد ہیں۔ اور بعض کو غلطی سے جنگی مہم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مؤرخین یورپ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ ”غزوات“ کے معنی ہیں ”لوٹ مار کی مہمیں“۔

(۱) دوستانہ عہد نامے مرتب کرنے کے لئے وکلا کا روانہ کرنا۔

(۲) متعلقین اسلام کے لئے وعاء اسلام کا بھیجنا۔

(۳) سرداران ممالک غیر کے پاس سفیروں کی روانگی۔

(۴) تجارتی مہمات۔

لے مؤرخین نے غزوات کی عام داستانوں کو جو زبان زد علاقہ تھیں اور دل پسند کہانیوں کو جو اُن کے زمانہ میں سانچے میں ڈھل چکی تھیں صرف مدون یا مرتب کر دیا مگر وہ زیادہ تر دل خوش کن اور بے سرو پا افسانے تھے۔ (التبیین والاشراف صفحہ ۲۷۸ مطبوعہ برلین ۱۸۹۲ء ملاحظہ ہو۔)

(۵) حاجیوں کے تاتلے۔

(۶) قیڑاقوں کی جمیعت کو منتشر یا متنبہ کرنے۔

(۷) یا دشمن کی حرکات کی نگہداشت کے لئے فوج کا روانہ کرنا۔

(۸) خبریں لانے کے لئے جاسوسوں کا بھیجنا۔

(۹) یا دشمن سے لڑنے یا اس کو روکنے کے لئے فوج کا بھیجنا یا لے جانا۔

غرض کہ ان تمام قسم کی مہموں کو ”غزوات“ ”سرایا“ یا ”بعوث“ کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ پس آنحضرتؐ کی مہمات کی تعداد میں اوّل تو مؤرخین نے نا واجب مبالغہ سے کام لیا۔ اور ہر جنگی مہم یا عزم سفر کو جس کا حال معتبر یا غیر معتبر روایتوں میں اُن کے واقع ہونے سے عرصہ دراز کے بعد درج ہوا ہے۔ کتب تواریخ میں قلم بند کیا۔ اور اُن کی تنقید کے لئے اپنے دماغوں کو ذرا بھی تکلیف نہیں دی۔ دوم۔ انہوں نے تمام اسلامی مشنوں نیا بتوں۔ سفارتوں۔ حجاج۔ کے سفروں اور تجارتی مہموں کو ”غزوات“ اور ”سرایا“ کی نہرست میں شامل کر دیا جن کا ترجمہ آجکل یورپین مؤرخین نے ”ٹوٹ مار کی مہم“ یا ”فوج کا بغرض جنگ روانہ کرنا“ کیا ہے +

مؤرخین عرب و یورپ دونوں نے یہاں تک دعوے کیا ہے کہ سٹائش^۱ مہمیں خود آنحضرتؐ کی سرکردگی میں واقع ہوئیں۔ اور چوتھ^۲ مہمیں ایسے اشخاص کی ماتحتی میں پیش آئیں جن کو آنحضرتؐ نے سردار بنا کر بھیجا تھا۔ پس اس حساب سے کل ۱۰۱ مہمیں ہوئیں +

یہ تعداد ابن سعد کاتب الواقدی نے لکھی ہے۔ (دیکھو قسطلانی جلد ششم

صفحہ ۲۳۸۶ +

ابن اسحاق نے بھی خاص آنحضرتؐ کی مہمات کی تعداد تو سٹائش^۱ ہی بیان

کی ہے۔ مگر جو ہمیں آپ کے حکم سے دیگر اشخاص کی ماتحتی میں واقع ہوئیں۔ اُن کی تعداد صرف اڑتیس^۳۔ (دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۷۲-۹۷۳)۔

ابو یعلیٰ نے جابرؓ سے جو آنحضرتؐ کے صحابی تھے ایک روایت کی ہے جابر کا بیان ہے کہ صرف اکیس^۱ ہمیں پیش آئی تھیں۔ مگر زید بن ارقمؓ جو سب سے زیادہ مستند راوی ہے۔ قدیم ترین روایات میں جو بخاری نے کتاب المغازی میں جمع کی ہیں ان کی تعداد میں کمی کرتا ہے۔ اور کتاب مذکور میں دو جگہ غزوات کی تعداد میں بیان کرتا ہے جس میں سب قسم کی ہمیں شامل ہیں۔ جن میں وہ آنحضرتؐ کے ساتھ تھا مہتموں کی یہ تعداد جو بیان ہوئی ہے۔ یعنی سائیس^۲۔ اکیس^۳۔ اُنیس^۴۔ سترہ^۵۔ ان میں صرف آٹھ یا نو ایسی ہیں جن میں واقعی جنگ واقع ہوئی پچھلی تعداد جو سب کم ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔ اصل ہمیں حسب ذیل ہیں :-

- | | |
|----------|---------|
| ۱۔ بدر | ۲۔ خیبر |
| ۲۔ احد | ۳۔ مکہ |
| ۳۔ مریسج | ۴۔ حنین |
| ۴۔ احزاب | ۵۔ طائف |
| ۵۔ قرظہ | |

بنی مطلق کے ساتھ بمقام مریسج جنگ واقع ہونے کی کوئی معتبر شہادت نہیں ہے۔ بنی قرظہ کے ساتھ بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُن کا معاملہ صرف جنگ احزاب کا سلسلہ تھا اور اس لئے جداگانہ نمبر کی ضرورت نہیں۔ مکہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ وہ صلح سے مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ رہی جنگ طائف

۱۔ موسیٰ بن عقبہ (المتوفی ۱۲ھ)

۲۔ ابن سعد اور ابن اسحاق۔ جن کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے۔

۳۔ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۵۔ ابن ہشام ۷۵۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۔

وہ مثل آوطاس کے جنگ حسین کا ایک جزو تھا۔ جو لوگ جنگ سے فرار کر گئے تھے اُن کو گرفتار کرنے کے لئے طائف کا محاصرہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے وہاں پناہ لی تھی۔ اور بعد ازاں محاصرہ بھی اٹھایا گیا۔ اس طرح منجملہ نو کے صرف پانچ ہمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ جن پر میں نے نمبر لگا دئے ہیں۔ ان مہموں میں آنحضرت ۴ نے اپنے آپ کو اور اپنے پیروؤں (مسلمانوں) کو بچانے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی ہے۔ یہ پانچوں ہمیں بھی جنگ کے نام سے موسوم کئے جانے کی مستحق نہیں ہیں۔ فن جنگ کی رُو سے باعتبار نتائج کے اُن کو خیف سی لڑائیاں یا معمولی مناقشے کہا جاسکتا ہے دشمن کا نقصان پد میں اُنچائس۔ اُحد میں بینل۔ احزاب میں تین۔ خیبر میں ترانوے اور حسین میں بھی ترانوے تھا۔ مگر پچھلے دونوں عدوؤں میں شبہ ہے اور مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی طرف کا نقصان علیہ الترتیب چودہ۔ چوہتر۔ پانچ۔ اُمییس۔ اور سترہ تھا۔ ان جنگوں میں کل اموات مسلمانوں کی طرف ایک سو انتیس اور دشمنوں کی طرف دو سو اٹھاون ہوئیں۔ یہ تعداد مسلمانوں کے نقصان سے ٹھیک دو چنر ہے اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو صحیح تسلیم کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

۱۔ یہ پانچ رُند مسٹر سیمپل گرین لکھتے ہیں کہ :-

آنحضرت صلعم کی جنگوں کی بابت مسٹر گرین کی رائے :-

”مخالفین کے روکنے یا دفع کرنے کے درپے رہتے تھے اور ایک معقول حد تک اُن سے در انتقام لینے میں مستعد و متوجہ نہ تھے۔ آپ کو حق بجانب قرار دیا ہے۔ لیکن کہتا ہے کہ ”ایک آزاد قوم کے انتخاب نے مکہ کے حجاج (آنحضرت ۴) کو ایک بادشاہ کے درجہ پر پہنچا دیا تھا اور آپ کو اس امر کا واجبی حق حاصل ہو گیا تھا کہ لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر لیں اور اُن

”حملہ کریں۔ یا ان سے جنگ دفاعی کریں۔“

”ہم کو اس بات پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا کہ ایک مسلمان نے ایسے خیال کو اپنے دل میں جگہ دی۔ اور نہ یہی بات کچھ عجیب ہے کہ ایک منکر اسلام نے اس خیال کی تصدیق کی ہے۔ اگر یہ بات سچ ہو تو جنگ کے جائز اور قابل تعریف قرار پانے کے لئے صرف یہی امر کافی سمجھ لیا جائیگا کہ دشمن کے مقابلہ کی قوت پاکر ”سابقہ نقصانات“ کی تلافی کا بہانہ نکال کھڑا کیا جائے۔ محمد (صلعم) کی حمایت میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ ہر خونی اور کینہ توزیہ رحم و ظالم کے لئے یکساں مفید ہے۔ اور جب ظلم کی اس طرح حمایت کی جائیگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ بجائے اس کے کہ الفت و شفقت کے رشتوں سے وابستہ رہیں اور ایک دوسرے کے قصوروں کو معاف کریں۔ شیطان ختم ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کے لئے موقع کی تاک میں لگے رہیں گے۔“

قریش سے جنگ کرنے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے ”سابقہ نقصانات“ کا غلط

راے مذکور کا ابطال

کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ درحقیقت قریش ہی نے ان پر حملہ کیا تھا۔ اور نیز قریش اور ان کے حامیوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کی بار بار دھمکی دی تھی۔ پس جب تک کہ دشمن نے ان پر حملہ نہیں کیا اس وقت تک انہوں نے اپنی مداخلت میں ہتھیار نہیں اٹھائے اور نہ اپنے دشمنوں کی مخالفتوں کو روکنے اور دفع کرنے کے درپے ہوئے۔ آنحضرتؐ کی حمایت میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ ہر خونی، کینہ توز، بے رحم۔ ظالم کے لئے یکساں مفید نہیں ہو سکتی۔

مگر میں صرف آنحضرتؐ ہی پر ظلم و ستم نہیں ہوئے تھے اور آپ ہی پر حملے نہیں کئے گئے تھے، بلکہ تمام مسلمانوں نے طرح طرح کے مظالم و مصائب کے دھکے اٹھائے

لئے ”عروج و زوال باب اول“

لئے محمد (صلعم) اور سلطنت عرب کی تاریخ از ریورنڈ سیپٹیمیل گرین صفحہ ۲۶ مطبوعہ لندن ۱۸۶۸ء۔

تھے مکہ سے نکال دینے کے بعد بھی قریش ان پر حملہ کیا کئے اور ان کو ان کے وطن (مکہ) میں واپس آنے اور وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ کا حج بجالانے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ تمدنی و مذہبی آزادی جو ہر فرد بشر اور ہر قوم کا قدرتی حق ہے۔ اس سے بھی محروم کئے گئے۔ ایک بے رحم، یا کینہ توز، ظالم کا اپنی مداخلت میں ہتھیار اٹھانا۔ یا اپنے شخصی نقصانات اور ذاتی تکالیف کی چارہ جوئی کے درپے ہونا حق بجانب نہیں ہو سکتا۔ مگر مکہ کی تمام اسلامی جماعت نے ظلم اٹھائے تھے۔ ایذا میں سہی تھیں۔ وطن سے بے وطن کی گئی تھی، اور مدینہ میں کل اسلامی جمہوریت پر حملے کئے گئے تھے ظلم کئے گئے تھے، اور تکلیفیں دی گئی تھیں، ان کے قدرتی حقوق نظر انداز کئے گئے تھے۔ ایسی ایسی مصیبتیں جھیلنے کے بعد مسلمانوں نے دشمنوں کی دشمنی سے اپنے آپ کو بچانے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے کے لئے ہتھیار اٹھائے اور وہ ہر ایک قانون اور انصاف کی رو سے حق بجانب تھے *

حفاظت خود اختیاری کا حق قانون قدرت کا ایک جزو ہے۔ اور ملکی جماعت کا لازمی فرض ہے کہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی خونی اور کینہ توز ظالم اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کرے۔ تو وہ بھی اس خاص فعل میں بالکل حق بجانب ہوگا۔ واجبی جنگ یعنی وہ لڑائی جو ظالمانہ جبر و تعدی کے روکنے یا دفع کرنے یا کوئی حق قائم کرنے کے لئے اختیار کی جائے۔ کسی مذہبی، اخلاقی، یا ملکی جہت سے قابل الزام قرار نہیں دی جاسکتی۔

مگر مسلمانوں اور ان کے دشمنوں یعنی قریش و یہود کے درمیان جو مشکل درپیش تھی اس کو سکون و اطمینان کے ساتھ حل کرنے اور جنگ اور اس کے ہولناک نتائج کو روکنے کے لئے مسلمانوں نے کوشش کا کوئی ممکن ذریعہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس حضرت نے قریش کو بار بار جتادیا تھا کہ اگر تم بازر ہو تو تمہارے تصور معاف کئے

جائیں گے *

۱۸۸۔ فَإِنْ أَنْتُمْ لَا تَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ
عَفُوفٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)
۱۸۹۔ فَإِنْ أَنْتُمْ لَا تَنْتَهُوا فَلَا عُدْوَانَ
إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)
۱۹۔ إِنْ تَسْتَفْتُوا أَفْعَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ
وَأِنْ تَنْتَهُوا فَمَوْجِبٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا
نُعَذِّبْكُمْ وَلَنْ تَغْنَى عَنْكُمْ فَنُفِثَكُمْ شَيْئًا وَكَوْ
كُشْرَتْ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِرِينَ ۝
(الانفال ۸- آیت ۱۹)
۳۹۔ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا
يَغْفِرْ لَهُمْ تَاغُتُ سَلَفٍ ۚ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ
مَضَتْ سُنتُ الْأَوَّلِينَ ۝ (الانفال ۸- آیت ۳۹)

۱۸۸۔ ”پھر اگر وہ (شرارت سے) باز آئیں تو اللہ
بخشنے والا مہربان ہے“ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)۔
۱۸۹ ”پھر اگر (مشروقساد سے) باز نہیں تو زیادتی تو ظالموں کے
سو کسی پر ہونی ہی نہیں چاہیے“ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)۔
۱۹۔ ”(اے اہل کفر تم جو فتح مانگتے تھے تو وہ فتح تمہارے سامنے
آگئی کہ مسلمان غالب آئے) اور اگر تم (جنگ سے) باز نہ آؤ گے تو یہ تمہارے لئے
بہشت ہو گا اور اگر تم پھر (جنگ کی طرف) رجوع کرو گے تو ہم بھی پھر رجوع کریں گے
اور تمہاری جمیعت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو کچھ تمہارے کام نہیں آئے گی
اور اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے۔“ (الانفال ۸- آیت ۱۹)
۳۹۔ ”(اے پیغمبر!) ان کافروں سے کہو کہ اگر (اپنی شرارتوں سے)
باز آجائیں تو ان کے پچھلے قصور معاف کئے جائیں گے۔ اور اگر پھر
(شرارت) کریں گے تو اگلے لوگوں کی روش پر چکی ہے (ان لوگوں کا
بھی وہی انجام ہو گا)۔“ (الانفال ۸- آیت ۳۹)۔

یہی صورت یہودیوں کی بابت تھی :-

۱۰۳۔ وَذَكِّرُوا مِنْ آهْلِ الْكِتَابِ
لَوْ يَرُّ ذِكْرُكُمْ مِنْ بَعْدِ مَا نَهَيْتُمْ عَنْكُمْ كُفَّارًا أَحْسَدًا
مَنْ عِنْدَ أَنْفُسِهِمْ مَنْ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ
فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۰۳)

۱۰۳۔ ”اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلی حسد کی وجہ سے
یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تم کو کافر بنا
دیں۔ باوجودیکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔ پس تم (اے مسلمانو!)
معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم صادر فرمائے
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“
(البقرہ ۲- آیت ۱۰۳)

۴۳۔ ”(اسے پیغمبر!) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہ سب کچھ سننا اور جانتا ہے۔“ (الانفال ۸- آیت ۶۳)۔

۱۶۔ ”(اسے پیغمبر!) ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب کی خیانت کی اطلاع تم کو ہوتی رہتی ہے پس ان کے قصور معاف کرو اور درگزر کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ (المائدہ ۵- آیت ۱۶)۔

۴۳۔ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاِجْحَزْ
لَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَهْدِي لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ أَمْرِهِ
(الانفال ۸- آیت ۶۳)۔

۱۶۔ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَافِيَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَأَعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
(المائدہ ۵- آیت ۱۶)۔

مگر صلح حدیبیہ تک دشمن کی طرف سے کوئی صلح یا باہمی معاہدہ نہیں ہو سکا۔ اور اس صلح کو بھی تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے توڑ دیا تھا *

جو جنگیں ذاتی حفاظت اور مدافعت کی غرض سے کی گئی تھیں۔ اُن میں بھی پیغمبر (صلعم) نے ان خرابیوں کو جو دوران جنگ میں لازمی طور پر پیش آتی ہیں۔ بہت کچھ کم کر دیا تھا۔ قریب و دغا، بد عہدی، بیرحمی، اور عورتوں، بچوں، بڑھوں کے قتل کرنے کی آنحضرتؐ کی طرف سے ممانعت تھی۔ اور اسیران جنگ کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرنے کی تاکید تھی۔ مگر ان سب سے بڑھ کر جو خرابیاں تھیں۔ یعنی غلامی اور لونڈیوں کو حرم بنا کر گھر میں لکھنا۔ اور یہ وہ آفتیں تھیں جو اُس زمانہ میں جنگ کے ساتھ لازم اور غیر منفک تھیں۔ اُن کو بھی آنحضرتؐ نے موقوف کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ حکم دے دیا کہ اسیران جنگ کو یا تو احساناً چھوڑ دیا جائے یا قیدیہ (معاوضہ) لے کر آزاد کر دیا جائے۔ ان قیدیوں کو نہ تو غلام بنانے کا حکم تھا اور نہ قتل

۱۔ محمد (صلعم) نے عبد الرحمن بن عوف کو یہ ہدایت کی تھی :-

”تم کسی حالت میں بھی دھوکے یا فریب اور بد عہدی سے کام نہ لینا۔ اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔“

”(میور جلد چہارم صفحہ ۱۱ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲)۔

کرنے کا۔ (دیکھو سورہ محمد ۴- آیات ۴-۵- اور اصل کتاب کا ضمیمہ ب) ابتدا جنگ کی ممانعت قرآن مجید نے کی ہے (سورۃ البقرہ ۲- آیت ۱۸۶- "لا تعتدوا" یعنی "ابتداءً جنگ نہ کرو") آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے قسم لے لی تھی کہ لوٹ مار نہ کریں۔ (دیکھو اصل کتاب کا فقرہ ۴۲)۔

"ترب و جوار کے جو قبائل مسلمان ہو گئے تھے اُن کو آپؐ نے باہمی جنگ و جدل اور تاخت و تاراج سے ممانعت کی تھی۔ اور خلاف ورزی کی سزا موت تجویر کی گئی تھی۔ اور یہ حکم اُن قبیلوں کے لئے تھا۔ جو اب تک لڑائی یا لوٹ مار پر گزارہ کرتے تھے۔ اور جن کی نسبت آپؐ کو علم تھا کہ وہ ایسی ممانعت کی وجہ سے داخل اسلام ہونے سے باز رہیں گے۔ ایک قبیلہ نے جو بالکل تو نہیں مگر قریب قریب مائل بقبول اسلام تھا، یہ کہا تھا۔ اُوہی تمیم پر ایک آؤ حملہ کر لیں پھر مسلمان ہو جائیں گے"۔

"آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "مجھ پر جو ظلم و ستم ہوئے ہیں اُن کا انتقام لیتے وقت خاندانِ نبویؐ (عباد، ورہبان کو جو کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، نہ ستانا۔ ضعیف الخلق عورتوں کی کمزوری پر رحم کھانا۔ ان کی اور ان کے شیرخوار بچوں کی۔ اور ان لوگوں کی جو اس دار فانی سے عنقریب کوچ کرنے والے ہیں جانیں بچانا۔ جو باشندے تم سے مزاحمت یا تعزّض نہ کریں۔ اُن کے مکانوں کو مسما نہ کرنا۔ اُن کے وسیلہ معاش (رشد وغیرہ) کو ضائع نہ کرنا۔ ان کے شتر دار درختوں کا لحاظ رکھنا۔ اور کھجور کے درخت کو ہاتھ نہ لگانا۔ جو اہل عرب کے لئے بسبب اپنے سائے کے نہایت مفید اور بسبب اپنی سرسبزی کے پُر لطف ہے"۔

لے یہ مضمون ڈاکٹر کا زینو نے رسالہ "کر سچن ریمبر نسر" بابت جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۷ پر کاسن ڈی پبلی سے نقل کیا ہے۔ نیز دیکھو کتاب محمد و بن محمدی از آ. با سور تھ سمتھ۔ طبع دوم صفحہ ۲۵۷ و ۲۵۸ لندن ۱۹۵۷ء ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۲۹۰۔ علامہ ابن اثیر نے اس جنگ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ واقعہ عربی تاریخوں میں یوم الشیلین کے نام سے موسوم ہے۔

لے تاریخ دین محمدی مع سوانح عمری و سیرت پیغمبر عرب" از چارلس مارٹن صفحہ ۲۷ مطبوعہ لندن ۱۹۵۷ء۔

سرولیم میور لکھتے ہیں :-

” اس اثناء میں بنی بکر نے پیغمبر (صلعم) کے طریقہ عمل سے اس امر کی پیش بینی کر کے کہ اس نئے ” دین کے قبول کر لینے کے بعد ہماری باہمی عداوتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ بات دل میں ٹھان لی کہ اپنے دشمنوں پر ہتھیار لے کر ایک آخری چڑھائی اُتار کی جائے۔ جنگ شیبان جو ۶۳۷ء کے آخر میں واقع ہوئی۔ بنی تمیم کے حق میں نہایت سخت اور غور ریز تھی“۔

۱۶۔ آنحضرتؐ کی جنگوں کی بابت بعض مؤرخین یورپ و امریکہ کا ایک اور خیال بھی

آنحضرتؐ کی جنگوں کی ہے۔ وہ یہ کہ قریش کے جو قافلے مدینہ کے پاس سے گزرتے تھے بابت ایک اور خیال۔ ان سے انتقام لینے کی غرض سے آپؐ نے لڑائیاں شروع کر دی تھیں۔ اور اول اول تو آپؐ نے بغرض مدافعت ہتھیار اٹھائے تھے۔ مگر آخر کار فتوش کے برخلاف ابتداً بھنگ کا اعلان کر دیا۔ اور ان سے اس قسم کی جنگیں کیں۔

۱۷۔ سیرت محمدی جلد اول دیباچہ صفحہ ۲۲۷۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء۔ نیز ملاحظہ ہو تالیف ابن اشیر جلد ۱ صفحہ ۲۹ مطبوعہ یورپ۔

۱۸۔ قریش کی سخت نفرت اور شدید عداوت کے حالات جو روایتوں میں درج ہیں۔ ان کی بابت سرولیم میور کو شک ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

” اس خیال کے موافق واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی حلقے صرف محمد (صلعم) اور آپ کے ” متبعین کی طرف سے ہوئے تھے جب مسلمان اہل مکہ کے متعدد قافلوں کو ٹوٹ مار کر خونریزی کر چکے تھے تب کہیں مجبور ہو کر انہوں نے اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار اٹھائے تھے۔“ (سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۶۵ کا فٹ نوٹ۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)۔

یہ نوٹ ۱۸۶۱ء کے نئے ایڈیشن سے نکال ڈالا گیا ہے۔ سرولیم میور اپنی کتاب ”موسوم“ قرآن“ مطبوعہ لندن ۱۸۶۸ء کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں :-

” مکہ کے قافلے (مسلمانوں کے لئے) انتقام کا ایک دل بھانے والا موقع پیش کرتے تھے۔ اور ان کے برخلاف متعدد مجسم مرتب کی گئی تھیں“۔

۱۹۔ مسٹر جارج سیل لکھتے ہیں :-

” وہ آنحضرتؐ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھے اور میرے تابعین کو کفار کے مقابلہ میں اپنی (دیکھو صفحہ ۳۱)

میں یہ بات پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ جو حالات اُس وقت مدینہ میں درپیش تھے۔ اُن کا لحاظ کر کے آنحضرت م کی طرف سے جنگ کی ابتدا ہونا بالکل قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ اور یہ طریق عمل اُن آیات کے بالکل برخلاف ہے جو اس مضمون کے متعلق قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اُن سب آیتوں میں جنگ دفاعی کی تاکید ہے۔ اگر بالفرض ہجرت کے بعد جنگوں کی ابتدا آنحضرت م ہی کی طرف سے ہوئی تو بھی اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے مکہ سے نکلے جانے پر جنگ چھڑ چکی تھی۔ آنحضرت م کو قاتلونا حق حاصل تھا کہ مسلمانوں پر جو جو ظلم ہوئے تھے اُن کی چارہ جوئی کرنے اور اُن کے جائز حقوق کو بزورِ اسلحہ قائم کرنے کے لئے ہتھیار اٹھائیں۔ جو لڑائی ان وجوہ سے شروع

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰) ”جان بچانے کی اجازت دی ہے۔ اور آخر کار جب آپ کی قوت اور جمیعت بڑھ گئی تو آپ نے

”یہ دعویٰ کیا کہ اُن پر حملہ کرنے کے لئے بھی خدا کی طرف سے مجھے اجازت مل گئی ہے۔“ (دیکھو بریلینری

”ڈسکورس“ (ابتدائی بیان) (فصل ۱۱)

مسٹر ہنری کوپی آنحضرت م کی نسبت لکھتے ہیں :-

”مگر آپ کو جلد معلوم ہو گیا کہ مجھ کو مداخلت کے لئے ہتھیار ضرور اٹھانے چاہئیں اور اپنی نبوت

م کے تیرھویں سال آپ نے اس امر کا اظہار کیا کہ خدا نے مجھ کو نہ صرف بغرض مداخلت جنگ کرنے

”کی اجازت دی ہے۔ بلکہ اپنا دین بزورِ شمشیر پھیلانے کی بھی اجازت دی ہے۔“ (دیکھو اہل عرب

م کی فتح سپین کی تاریخ از ہنری کوپی جلد اول صفحہ ۳۹۔ مطبوعہ باسٹن ۱۸۸۱ء)۔

مگر ڈاکٹر اسے سپرنگر آنحضرت م کی جنگوں کا مقصد محض دفاعی قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”اب پیغمبر (صلعم) نے فتنہ (فساد و ایذا) کے دفع کرنے کے لئے اپنے دشمنوں سے جنگ

”کرنے کا قانون، خدا کے نام سے شائع کیا اور اس وقت سے یہ قاعدہ آپ کے (نغوذتہ)

”دغونی مذہب کا نعرہ جنگ ہو گیا۔“

(تاریخ محمدی صفحہ ۲۰۷۔ مطبوعہ الد آباد ۱۸۷۸ء)۔

کی جائے وہ جنگ دفاعی ہے۔ اگرچہ بلحاظ اصطلاح جنگ کے اُس کو ”حملہ کی لڑائی“ سے تعبیر کر سکتے ہوں۔
 کیٹ جس کی رائے ”قانون بین الاقوام“ کے متعلق بڑی مستند سمجھی جاتی ہے
 یہ لکھتا ہے :-

”حفاظت خود اختیاری کا حق ہمارے قانون فطرت کا ایک جزو ہے۔ اور ملکی جماعت کا یہ فرض
 ”لازمی ہے کہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرے تاکہ وہ شخصی اور ملکی دونوں قسم کے حقوق سے متمتع ہو
 ”سکیں۔۔۔۔“ نقصان“ صرف یہی نہیں ہے کہ شخصی یا ملکی حقوق میں براہ راست مداخلت
 دو کی جائے۔ بلکہ کسی کو حق واجب سے ظلماً محروم رکھنا۔ یا جو نقصانات پہنچائے گئے ہیں اُن کی
 رد معقول تلافی سے انکار کر دینا۔ یا کسی عام اعلان اور پیش آنے والے خطرہ کی بابت کافی جواب
 ”دہی کرنے یا اطمینان کرا دینے سے پہلو تہی کرنا۔ یہ سب باتیں بھی ”نقصان“ کے مفہوم میں
 ”داخل ہیں۔“

۷۱۔ رہا قافلوں پر حملہ کرنے کی دھمکی دینا یا اُن کو گرفتار کرنا۔ سو اس کے ثبوت
 کی کوئی اطمینان بخش وجہ نہیں ہیں۔ لیکن اگر اُن پر حملہ کیا گیا
 بطور انتقام کے ٹوٹے گئے۔ اور وہ گرفتار بھی کئے گئے۔ تاہم میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ
 اس کا ردوائی پر اعتراض کیا جائے۔ جب لڑائیاں شروع ہوتی ہیں تو سب سے پہلے
 جن چیزوں کا کھوج لگانا اور جن پر قبضہ کرنا قدرتی طور پر پیش نظر ہوتا ہے۔ وہ دشمن
 کی جان و مال ہی ہے۔ مہذب ترین ممالک کے ”قانون بین الاقوام“ کی رو سے
 بھی دشمن کے مال پر قبضہ کر لینے کا حق اس وقت حاصل ہو جاتا ہے جب کہ حالت جنگ کا

لے ایم۔ بلیٹ شلی جو ”قانون بین الاقوام“ کے معاملہ میں زمانہ حال کے مستند اہل الرائے میں سے ہیں۔ اُن کی رائے یہ ہے:
 جو لڑائی دفاعی اغراض سے کی جائے وہ جنگ دفاعی ہے گو یہاں فن جنگ کے اس کو حملہ ہی کہیں۔“
 ”قانون بین الاقوام از ولیم ایڈورڈ ہال ایم۔ اے مطبوعہ آکسفورڈ شش ماہ ۱۸۷۰ء صفحہ ۳۲۰۔
 ”شرح قانون بین الاقوام“، مصنفہ کینڈ مرتبہ جے۔ ٹی۔ ایڈی۔ ایل ایل ڈی۔ طبع دوم صفحہ ۱۴۲۴۔

آغاز ہو جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں جب ایک قوم یا ایک سلطنت برسرِ جنگ ہوتی تھی۔ تو جنگ کے پُرانے دستور کے موجب اس کو حق حاصل ہوتا تھا کہ تمام مال و اسباب پر جو دشمن کی یا اُس کی رعیت کی ملکیت ہو، قبضہ کر لے خواہ وہ کسی قسم کا ہو، اور کسی مقام پر ہو۔ بشرطیکہ وہاں قوانین جنگ نافذ ہوں۔ پس جو لوگ قدیم مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دشمنوں کو قتل و غارت کی دھکی دی یا ان کو گرفتار کیا۔ یا اُن کا مال و اسباب لوٹا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کام کو رہبرِ نبویؐ، غارتگری یا چوری کے نام سے موسوم کرتے ہیں ایسے لوگ قدیم یا جدید ”قانون بین الاقوام“ سے اپنی پوری پوری نادانگہی اور چھالٹ ظاہر کرتے ہیں۔

۱۸۔ منکرین اسلام کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کا جو الزام آنحضرتؐ پر لگایا جاتا

ہے۔ اُس پر اصل کتاب (تحقیق الجہاد) کے فقرات ۳۶ لغایت ۳۹ میں پوری پوری بحث کی گئی ہے۔ مؤرخین یورپ کا یہ ایک غلط دعوے ہے کہ قرآن مجید غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانے کی تاکید کرتا ہے۔ اور

جبر و اکراہ۔ جبراً مسلمان بنانے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ آنحضرتؐ کے زمانہٴ حیات میں کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا۔

یہ کہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :-

”مشرکین کی ایذا رسانی، گو بعض اوقات بزدل مسلمانوں کو مشرک جنگ دہونے سے مانع ہوئی ہو۔ مگر آخر کار محمد (صلعم) کے لئے بلاشبک مفید

سر ولیم کی رائے اور اس کا ابطال۔

”ثابت ہوئی یہ طریق عمل۔ ٹالریشن (رواداری) کا لباس اُتار پھینکنے۔ خدا کی راہ میں ستر راہ پٹنے والوں کی قوت کا قوت سے مقابلہ کرنے۔ اور بالآخر کفار کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے بظاہر ولیک ”معتول حیلہ تھا“

لے سیرت محمدی از سر ولیم میور ایل ڈی طبع جدید صفحہ ۶۸ مطبوعہ لندن ۱۳۵۷ء۔ اسی کتاب کا صفحہ ۵ بھی دیکھو۔

قوت کا قوت سے مقابلہ کرنا، نیز ظلموں کی چارہ جوئی کرنا۔ اور اپنے خطرہ میں پڑے ہوئے حقوق کو دوبارہ قائم کرنا۔ ظلم و تعدی نہیں۔ اور نہ ٹال کریشن (درواداری) کے خلا ہے۔ بے شک آنحضرتؐ نے اپنے دشمنوں کی قوت کو اُس وقت دفع کیا جب کہ مسلمانوں کی حفاظت اور اُن کی جان بچانے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی۔ مگر منکروں یا اپنے دشمنوں کو۔ خواہ کسی ایک شخص کو، خواہ ایک جماعت کو، خواہ کل قبیلے کو اسلام لانے کے لئے کبھی آپ نے مجبور نہیں کیا قرآن مجید اور توراتِ مخ اس الزام کو رد کرتے ہیں۔ قرآن مجید ہر جگہ کئی سورتوں میں اور مدنی سورتوں میں بھی۔ ہر ایک مذہب کی کامل آزادی اور صلح و آشتی کا وعظ بیان کرتا ہے۔

تاریخ میں معتبر ذرائع سے کہیں ایسی مثال درج نہیں ہے جس میں آنحضرتؐ کے کسی شخص کو بڑا دشمن یا جبراً مسلمان بنانے کا ذکر ہو +

۱۹۔ آنحضرتؐ نے مکہ اور مدینہ میں دونوں جگہ ہجرت کے قبل اور ہجرت کے بعد بھی

مکہ میں اشاعت اسلام کا
ایک مختصر سا خاکہ۔
تزعیم و تحریص اور وعظ و نصیحت سے اپنا دین پھیلایا۔ جس کی تائید مقبول اور معتبر شہادت سے ہوتی ہے +

قریش و یہود کی پوری مخالفت اور ایذا رسانی کے مقابلہ میں یہ دین غالب آیا۔ درحقیقت سخت اذیتوں اور کچل ڈالنے والی مخالفتوں کے درمیان یہ دین محض اپنی راستی کی قوت سے سرسبز اور کامیاب ہوا +

۱۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی مذہب کا ظلم و اذیت کی حالت میں سرسبز ہونا اس کے الٰہی الاصل ہونے کا قطعی ثبوت ہے۔ اور یہی بات ہے کہ جو مذہب جبراً قائم کیا جائے وہ ہرگز انسانانی ایجاد ہی ہو۔ تقریباً تمام مذاہب الٰہی مذہب ہیں، خواہ وہ کسی طرح قائم ہوئے ہوں۔ مگر مخالفت اور اذیت کی حالت میں مذہب کا سرسبز ہونا ایک قدرتی طریقہ ہے۔ مذہب عیسوی نے اذیتیں اور دیگر سخت مصیبتیں تین سو برس تک برداشت کیں۔ اس کے بعد یہ مذہب قائم ہوا اور حکومت کے زور سے بت پرستی موقوف کی گئی۔ اور یہی حکومت اس وقت سے اب تک ایک مذہب (عیسویت) کی اشاعت اور دوسرے مذہب (بت پرستی) کے استیصال میں بڑا اثر رکھتی ہے +

بعض اوقات قریش کا ظلم و ستم ہی قبول اسلام کا باعث ہو جاتا تھا۔ آنحضرت ص کی بعثت کے تین سال بعد تک اسلام لانے والوں کی تعداد کا تخمینہ پچاس تک کیا گیا ہے اس وقت سے عام ایذارسانی اور کچل ڈالنے والی مخالفت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت ص نے اپنی کوششوں کو بلامزا حمت اور امن و امان سے جاری رکھنے کے خیال سے ارقم کے گھر میں جو آپ کے سابق الاسلام اصحاب میں سے تھے قیام فرمایا۔ اور جو لوگ آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے آپ اُن کو اُسی جگہ و غلط و تلفیق فرماتے اور قرآن مجید سناتے تھے۔ ایک بہت بڑی جماعت نے وہیں اسلام قبول کیا۔ مگر قریش کی آتش حسد و عناد کے شعلے ان غلاموں اور غریب الوطن لوگوں پر پڑے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اور اُن کم حیثیت مسلمانوں پر بھی جن کا کوئی مربی و محافظ نہ تھا۔ بعض مسلمان، جن کی تعداد سولہ تھی۔ پہلے ہی ملک ابی سینا کی طرف ہجرت کر چکے تھے بعض نے واپس آکر یہ خبر دی کہ وہاں مہاجرین کی خاطر مدارات خوب ہوئی ہے۔ اور اُن کے ساتھ مہربانی کا سلوک ہوا ہے۔ اس وقت تقریباً ستر مسلمان ترک وطن کر کے ابی سینا کو چلے گئے۔ اس سے اسلام لانے والوں کی روز افزون تعداد ظاہر ہوتی ہے جن میں زیادہ تر مہاجرین ملے تھے۔ ابی سینا (حبشہ) میں بھی بعض عیسائیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ وہاں مہاجرین کی مہانداری اور خاطر و مدارات کا

لے قریش کی سختی اور بے انصافی جو حد سے گزر گئی تو اُس نے لوگوں میں غصی اور خاندانی ہمدردی کے خیال کو بیدار کر دیا منکر بھی پیغمبر مسلم کے اصحاب کی تکالیف کے دفع کرنے یا کم کرنے کے درپے ہو گئے۔ اور ایسا کرنے میں کبھی کبھی وہ خود بھی آنحضرت ص کی طرف کھینچ آتے تھے۔ (سیرت محمدی از سر کلمیہ پور طبع دوم صفحہ ۶۸)۔
 ۱۷۔ ان مہاجرین میں قریش کے مندرجہ ذیل قبیلوں کے قائم مقام شریک تھے :- بنی ہاشم، بنی امیہ بنی عبدالمطلب بنی اسد، بنی عبد بن قیس، بنی عبد المزار، بنی زہرہ، بنی تیم بن مرہ، بنی مخزوم، اور بنی سہم (دیکھو سپر گزٹ صفحہ ۱۹)۔
 طبع الہ آباد ۱۳۵۷ھ ان تمام واقعات کو ابن ہشام نے بھی صفحہ ۲۰۸ میں لکھا ہے۔ طبع یورپ ۱۸۶۰ء۔
 ۱۸۔ دیکھو ہشامی صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۰ء۔ ان اسلام لانے والے عیسائیوں کی طرف قرآن مجید المائدہ ۵۰-۵۱ آیات ۸۵ و ۸۶-۸۷-۸۸ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر ان آیات کا تعلق نصارا سے نہ ہو۔ اگرچہ (ملاحظہ ہو ۳۳)

حال معلوم کر کے قریش بے چین ہو گئے۔ اور جب بنی شعیب نے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو نہایت غضبناک ہو کر اس امر کے درپے ہوئے کہ پیغمبر (صلعم) کی جماعت سے باہمی معاشرت اور دوستانہ تعلقات کو بالکل قطع کر دیا جائے تاکہ قریش کی جماعت سے ٹوٹ کر لوگوں کے داخل اسلام ہونے کا سلسلہ بند ہو جائے۔ آنحضرت ۴ کی رسالت کے ساتویں سال اس امر کا عام اعلان ہو گیا اور کامل تین سال تک قائم رہا۔ اس تکلیف کی تنہائی کے زمانہ میں بہت ہی کم لوگ داخل اسلام ہو سکتے تھے اس عرصہ میں آنحضرت ۴ کی کوششیں زیادہ تر اپنے ہی شریف قبیلے یعنی بنی ہاشم کو مسلمان بنانے تک محدود تھیں۔ یہ لوگ گو آنحضرت ۴ کی رسالت کے منکر تھے تاہم انہوں نے آپ کی جان بچانے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ اور اس قید میں وہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ صرف حج کے زمانہ میں آنحضرت ۴ کو تبلیغ اسلام کے لئے وسیع میدان ہاتھ آ جاتا تھا۔ آپ حجاج کے میلوں اور مجلسوں میں بُت پرستی کے خلاف وعظ فرمایا کرتے تھے۔ رسالت کے دسویں سال قید سے رہائی پانے کے بعد آپ وعظ و نصیحت کے لئے طائف تشریف لے گئے مگر بے وقعتی اور بے آبروئی کے ساتھ شہر سے نکالے گئے۔ مکہ کو واپس آنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) اس مقام پر علامہ مرحوم نے صرف سورۃ المائدہ کی چار آیات کا حوالہ دیا ہے مگر کتب تفسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ایمان لانے کے متعلق قرآن مجید میں کی چند اور سورتوں میں بھی اس مضمون پر اشارہ ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو آل عمران ۳۰ - آیت ۱۹۸ - تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۹۲ - آل عمران ۱۳۲ - آیت ۳۶ - تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۸۳ - آل عمران ۲۸ - آیت ۵۲ - تفسیر بیضاوی جلد دوم صفحہ ۸۵ - طبرہ یورپ - المائدہ ۵ - آیت ۸۵ تا ۸۸ - ملاحظہ بیضاوی جلد اول صفحہ ۷۷ - طبرہ یورپ ۷۷ - دیکھو ابن ہشام صفحہ ۷۳ - طبرہ یورپ صفحہ ۷۷ -

۱۔ آنحضرت صلعم نے قبائل ذیل کے درمیان وعظ فرمایا تھا: - بنی عامر بن صعصعہ، بنی محارب، بنی حفصہ، بنی خزاعہ، بنی عتسان، بنی کلب، بنی حارث، بنی کعب، بنی عذرہ، بنی مرہ، بنی حنیفہ، بنی سلیم، بنی عیس، بنی نضر، بنی بکاء بنی کنذہ اور بنی خزیمہ۔

۲۔ محمد (صلعم) کے اس طائف کے سفر میں ایک نہایت اعلیٰ اور جوان مردانہ حالت پائی جاتی ہے۔ ایک یگہ و تنہا شخص جس کو اس قوم کے لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا اور نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ خدا کے نام پر دلیرانہ آگے بڑھا۔ جس طرح پرنس مینو کو گھٹے تھے۔ اور اس نے ایک بُت پرست شہر کو تو بیکر کرنے اور اپنی رسالت کی تائید کر نیچے لے کر دیکھا۔ اس میں ایک قوی روشنی اس امر پر پڑتی ہے کہ آپ کو اپنے کام کیسے مانتے ہوئے نہ کس شدت کے ساتھ یقین تھا کہ ستر چھری از سر نو مینو جلد ابن ابی جلد ۷۹ - ابن ہشام ۶۹ - عیون الاثر لسنی لکھی تالیف در کتب خانہ آصفیہ۔

کے بعد آپ نے بمقام نخلہ قبیلہ جہنم کی ایک جماعت کو مشرف باسلام کیا (عام خیال کے موافق جنات کو نہیں)۔

طائف سے واپس آنے کے بعد آپ نے مدینہ کے چھ سات آدمیوں کے سامنے (جو مکہ میں آئے ہوئے تھے) وعظ فرمایا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور مدینہ میں پہنچ کر اس کی اشاعت کی +

لے عربوں میں بھی اس قسم کی ایک قوم تھی جس کو بنی شیطان کہتے تھے۔ وہ قبیلہ خنظلہ سے تھے اور یہ مدینہ کے ذریعہ سے جرمہ کی نسل سے تھا تیمم کی اولاد سے تھے۔ بنی شیطان (شیطان کی اولاد) کوفہ کے قریب رہتے تھے۔ (دیکھو تفسیر شندی کی قبائل عرب کی نوکٹری)۔ ابن الفقیہ ہمدانی کے جغرافیہ سے بھی اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ اصل عبارت حسب ذیل ہے:۔ (وہما (کوفہ) محلۃ بنی شیطان منسوبۃ الی سماک بن شیطان بن زہیر بن زید منانہ بن تیمم)۔ (ابن الفقیہ ہمدانی کا جغرافیہ صفحہ ۸۳ مطبوعہ یورپ ۱۸۸۵ء) بالکوفۃ محلۃ بنی شیطان (بلاذری صفحہ ۲۸ مطبوعہ یورپ ۱۸۸۶ء) (الاصابہ جلد اول صفحہ ۵۸ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء) سیرۃ محمدیہ مولوی کرامت علی دہلوی صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶ مطبوعہ ممبئی۔ طبقات الشعر ابن الفقیہ صفحہ ۲۸۳ طبع یورپ) (زرقانی جلد اول صفحہ ۳۷۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۷۱) +

۱۱ دیکھو سورۃ (احقاف ۲۷) آیات ۲۸ و ۲۹۔ یہ لوگ نینوئے اور نصیبین کے باشندے تھے جو عراق عرب میں واقع ہیں۔ وہ کلدانہ (ف) قال گو اور یہودی روایات کے عالم تھے۔ (دانیال ۴) کی کتاب میں کلدانوں کو جادوگروں اور ہیئت دانوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اور وہ بظاہر ایک قسم کے پروہت (پیشوا) (دین) ہیں۔ جو خاص ”زبان“ اور خاص ”علم“ رکھتے ہیں (دانیال باب ۴) عربی میں اس قسم کے پیشہ والوں کو کاہن کہتے تھے۔ اس جماعت کے لوگوں میں سے بعض لوگ اس امر کا دعوے کرتے تھے کہ ان کو شیاطین یا جنات کے ذریعہ سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اطلاع مل جاتی ہے۔ اور یہ کہتے تھے کہ وہ شیاطین یا جنات ان باتوں کو جو آسمانوں میں پیش آتی ہیں، سن لیتے ہیں بعض کا یہ دعوے تھا کہ ہم تسخیر کو اکب کے عمل سے ستاروں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ اُن کو یہاں تک دعوے تھا کہ ہم اپنے عمل تسخیر کی بدولت کسوف و خسوف پیدا کر سکتے ہیں وہ نجوم (جوتش) نیز علم ہیئت اور فال گوئی سے بھی کام لیتے تھے +

معلوم ہوتا ہے کہ کلدانہ (کلدی یا کلدی) نہایت ہی قدیم زمانہ میں کوش (بن حام بن نوح) کی نسل سے متعلق قبائل میں سے صرف ایک قبیلہ کا نام تھا۔ جو اس بڑے میدان میں جو بعد از آں کلدی یا بابل (ملاحظہ ہو ص ۳۸)

۲۰۔ اگلے سال اُن لوگوں میں سے جو پیغمبر (صلعم) سے ملنے کے لئے مدینہ سے مدینہ میں سرعت کے ساتھ گئے آئے تھے۔ اور بارہ آدمی مسلمان ہوئے جو داعیانِ اسلام اسلام کا پھیلنا کی حیثیت سے مدینہ واپس گئے۔ اور اسلام خانہ بچانہ اور قبیلہ بقبیلہ سرعت کے ساتھ پھیل گیا۔ یہودی، ان لوگوں کے دلوں میں مشرک کی بُرائیوں کا اعتقاد بٹھانے اور نفرت انگیز بُت پرستی سے ان کو ہٹانے کے لئے پشت ہا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) کے نام سے مشہور ہوا۔ رہتے تھے۔ اور یہ میدان دریا کی ریت مٹی وغیرہ کے جم جانے سے تیار ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ جب کلدانیوں کی قوت بڑھ گئی تو ان کا نام دیگر قبائل کے نام پر جو اس ملک میں آباد تھے غالب آگیا اور ”قیدیہود“ کے زمانہ کے قریب یہ نام عام طور پر بابل کے تمام باشندوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس زمانہ میں اس لفظ کے دو معنی ہو گئے تھے۔ اور دونوں نسل کا مفہوم شامل تھا۔ ایک مفہوم کی رُو سے یہ ایک خاص نسل کا مخصوص لقب تھا۔ جس سے اُس لقب کا تعلق نہایت بعید زمانہ سے تھا۔ دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اس کا اطلاق بالعموم اس قوم پر ہوتا تھا۔ جس میں نسل کا لحاظ غالب تھا۔ بعد ازاں نسل کے مفہوم سے تبدیل ہو کر اس کا مفہوم بالکل محدود ہو گیا۔ یعنی بجائے ایک قوم کے یہودیوں (دینی پیشواؤں) کی ایک جماعت یا فلاسفہ کے ایک فرقہ کا نام قرار پایا۔ خاص کلدانی کوشی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اسیر یا اور بابل دونوں مقاموں میں سریانی قسم کی زبان خاص اغراض کے لئے رائج تھی اور قدیم کوشی بولی، علمی اور مذہبی اشریچر (ادبیات) کے لئے خاص طور پر محفوظ کی گئی تھی۔ یہ یقیناً وہی ”علمِ اودی“ ”زبان“ ہے جس کا حوالہ بائبل (دانیال باب ۴) میں دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا بڑا اگر وہ جو بالخصوص باشندگانِ اسیر یا کے اثر سے نقل مکان کر کے چلا گیا تھا اس کی رسائی رفتہ رفتہ اس ”علم“ اور اس ”زبان“ تک نہ رہی مگر یہ کلدانی علمِ قدیم کلدانی یا کوشی زبان میں تھا۔ لہذا جو لوگ اس کا مطالعہ کرتے تھے ان کو اس علم کی وجہ سے کلدانی کہتے تھے۔ خواہ اُن کی اصل اور نسل کچھ ہی ہو۔ اس معنی میں خود حضرت دانیال ۴ (پیغمبر) ”کلدانیوں کے سردار“ تھے (دانیال باب ۴) اور بے شک آپ کا بھی ان ہی میں شمار ہوتا تھا اور اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ سیلیوکس جو یونانی تھا اسٹریبون (ایک یونانی جغرافیہ نویس) نے کلدانی لکھا ہے۔ (دیکھیے صنف مذکور کی کتاب ۱۶-۱۷-۱۸-۱۹-۲۰) کلدانی دراصل علماء کی ایک جماعت تھی۔ اور علمی زبان میں ماہر ہونے کی وجہ سے وہی اس کے خازن ہو گئے تھے۔ وہ پیر و ہرت (پیشوا سے دین) ساحر یا منجم (ہیئت دان) ہوتے تھے۔ یعنی ان پیشوں میں سے جس پیشہ کو قابلِ ترجیح سمجھتے تھے اسی کو اختیار کر لیتے تھے (ملاحظہ ہو ص ۳۷)

پشت سے بے فائدہ کوشش کر رہے تھے، اُن کو یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ ان لوگوں نے خود بخود اپنی مرضی سے یکایک بتوں کو اٹھا کر پھینک دیا اور ایک خداے برحق کا اعتقاد رکھنے لگے۔ (یہ حاشیہ صفحہ ۴۲ میں ہے)

اس طرح کسی مزاحمت، رکاوٹ، جبر یا زبردستی کے بغیر مدینہ میں سرعت کے ساتھ اسلام کی جڑ بٹھ مضبوط ہو گئی۔ اور شجر اسلام نے کامل اور پختہ نشوونما حاصل کر لیا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) اور ان تینوں پیشوں میں سے آخری پیش ہیشت میں غالباً بڑی ضروری تحقیقات کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلدانی ایسی جہاتوں میں مختص ہوتے تھے جن کو ہم شاید یونیورسٹی (بیت العلوم) کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور وہ سب اپنی ترقی کے لئے اس میں مشغول رہتے تھے۔ وہ غالباً قدیم ترین زمانہ میں بھی اپنے علم ہیشت کے ساتھ کسی قدر نجوم (جوش) شامل کر دیتے تھے۔ مگر درحقیقت انہوں نے علم ہیشت میں بڑی ترقی کی تھی۔ جس کی طرف ان کا صاف آسمان اور شفاف گڑہ ہوائی خاص طور پر اُن کو شوق دلاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانہ میں وہ نرے فال کو یا جوتشی ہی رہ گئے تھے۔ (دیکھو صفحہ صاحب کی بائبل کی ڈکشنری مضمون کلدانی) *

تسخیر کو اکب کے عمل اور آسمانی باتوں کے سُن پانے کا دعوے کرنے میں یہ لوگ جن کو جن کہتے تھے۔ اُوچے اُوچے مکانوں کی چوٹیوں پر رات کو گھنٹوں بیٹھ کر کو اکب کے لئے قربانیاں پیش کرتے اور ان کو تسخیر کیا کرتے تھے۔ اپنی خاص زبان میں اور اپنے علم کی خاص اصطلاح میں وہ اس عمل کو "استراق السمع" (آواز کا چُرانا) اور سماعت کے لئے بیٹھنا کہتے تھے۔ (سورہ الحجہ ۱۵-آیت ۱۸ اور سورہ جن ۷۲-آیت ۹۰) *

کثرت سے شہاب ثاقب (ٹوٹنے والے ستارے) نمودار ہوئے تھے جن کی بابت معلوم ہے کہ بعض اوقات خاص کثرت سے گرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں آسمانوں کے مختلف حصوں میں بہت سے دُمار ستارے نمودار ہوئے جن کی وجہ سے ان جنوں یعنی منجموں اور کاهنوں کو قہراً خوف معلوم ہوا ہوگا۔ ایک دُمار ستارہ ۱۴۴۴ میں اور دو اور ستارے ۱۴۴۵ میں نظر آئے۔ ۱۴۴۶ میں دو اور ستارے دکھائی دئے۔ ایک اور ستارہ ۱۴۴۷ میں ظاہر ہوا۔ ۱۴۴۸ میں اور ۱۴۴۹ میں ہر سال ایک ایک دُمار ستارہ نظر آئے۔ ۱۴۵۰ میں بھی دُمار ستارے دکھائی دئے (دیکھو چیمبرز کی کتاب ہیئت) (دیکھو صفحہ ۴۲)

عجیبناوی جلد اول صفحہ ۴۴۹-جلد ۲ صفحہ ۲۷۱-ابن ہشام مطبوعہ یورپ کے صفحہ ۴۲ و ۴۳ کے نوٹ کو ملاحظہ کرو جس میں استراق السمع پر پوری بحث کی گئی ہے۔

مدینہ کے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے درمیان ایک بھی ایسا گھربانی نہ رہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہ ہوں۔ سوائے ایک شاخ قبیلہ ”اوس اللہ“ کے جو حاصره مدینہ کے بعد تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت مکہ، مدینہ اور ابی سینا میں بہت سے مسلمان تھے۔ اور ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی زمانہ کی کتاب (یعنی قرآن مجید) میں اغلباً انہی ستاروں کا ذکر ہے۔ سورہ طارق ۸۶- آیت میں دُمدار ستارے کو طارق یعنی ”رات کا آنے والا“ کہا گیا ہے اور نجم الثاقب (روشن ستارہ) بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھو سورہ طارق ۸۶- آیت ۳) *

کاہن لوگ شہابوں اور دُمدار ستاروں کے اس عظیم الشان ظہور کو دیکھ کر ڈر گئے اور انہوں نے اپنی کہانت اور اخبار بالغیب کو چھوڑ دیا تھا۔ جب کبھی وہ رات کے وقت سماعت، تفسیر یا علم غیب حاصل کرنے کے مقامات پر پہنچ کر آسمانوں کو دیکھتے تھے تو ٹوٹے ہوئے شہابوں اور چمکتے ہوئے دُمدار ستاروں کی بوجھاڑ اُن کی آنکھوں کے سامنے پڑتی ہوئی نظر آتی تھی جس سے وہ سخت پریشان ہو جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جن لوگوں کی توجہ ان غیر معمولی شہابوں کی طرف مبذول ہوئی وہ بنی نضیف کا ایک خاندان تھا جو طائف میں رہتا تھا (ابن ہشام صفحہ ۱۳۱) جب یہ جن طائف کے قریب ہقام نخلہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے شہابوں کی اس غیر معمولی بوجھاڑ اور بے شمار دُمدار ستاروں کے نظر آنے پر اپنی خاص زبان میں پریشانی کا اظہار کیا *

وَاَنَّا لَنَسْتَأْذِنُ السَّمَاءَ فَوْقَ مَا كَانَتْ حُرُوسًا
شِدِيدًا وَمُشَبَّهًا وَاَنَّا لَنُكَلِّمُهُمْ مُّخَارَعَةً
وَلَنُفَصِّلُ بَيْنَهُمْ مَا لَمْ يَلْمِزُكَ أَشِدَّاءُ
وَاَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ أَمْ بِرِئَاسَةٍ نَّهْنُ
أَمْ أَرَادُوا بِرُءُوسِهِمْ زُرْعَةً ۝۱- (الحج ۷۲- آیات)

اور ہم نے آسمان کو ٹولا تو پایا کہ وہ مضبوط نگہبانوں اور شہابوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم سننے کے لئے اس کے بعض مقامات پر پہنچ جاتا کرتے تھے مگر اب جو کوئی مُدنا چاہے تو اپنے لئے ایک شہاب تک میں لگا ہوا پا لے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا ان کے پروردگار نے اُن کے لئے کسی ہدایت کا ارادہ کیا ہے۔

(الحج ۷۲- آیات ۱-۹ و ۱۰-)

۸ و ۹ و ۱۰ *

الغرض ان لوگوں نے جو سگان سماوی کی گفتگو سننے کا دعویٰ کرتے تھے شہابوں کی عجیب و غریب بوجھاڑ اور بے شمار دُمدار ستاروں کے ظہور سے بالکل حیران ہو کر اپنی فال گوئی چھوڑ دی۔ اس امر کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے:-

لَا تَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْمَىٰ
وَيَعَذِّبُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِّمَّوْا قُفُ
لَكُمْ قُفُؤٌ وَاعْبَادُ الْأَعْمَىٰ خِطْفَةٌ

”وہ اپنے اوپر کے لوگوں (فرشتوں) کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے ان پر شہاب کے تیر پڑتے ہیں، وہ لٹک لے جاتے ہیں اور اُن کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔“

وہ زبردستی مسلمان کیا گیا ہو۔ ہاں برعکس اس کے کہ ترک اسلام پر مسلمان البتہ مجبور کئے جاتے تھے۔

(بلفہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
فَاَتَبَعَ شُهَابًا ثَمَّاءَ قَرِيبًا (والصفت ۳۷)
آیات ۸ تا ۱۰۔

۱۸۔ اِلَّا مَنِ اسْتَرْقَىٰ اَوْ اشْتَرَىٰ فَاتَّبَعَهُ
شُهَابًا تَبِيعُوهُ (الحجر ۱۵۔ آیت ۱۸)
وَكَاتَمَتِ كَلِمَتُ رَبِّهِ الشَّيْطَانُ طَرِيقًا
يَنْتَهِي لَعْنُهُمْ وَكَانَ كَيْدُ الشَّيْطَانِ اِثْمًا عَرَبًا
لَعْنُهُمْ وَكَانَ كَيْدُ الشَّيْطَانِ اِثْمًا عَرَبًا (الشعر ۲۶۔ آیت ۲۱ تا ۲۱۲)

یہ ایک سن پانے کی کوشش کرنے تو چکنا ہوا شہاب اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ (والصفت ۳۷۔ آیات ۸ تا ۱۰)۔
۱۸۔ مگر جو کوئی چوری سے کوئی بات مٹے شہاب روشن اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ (الحجر ۱۵۔ آیت ۱۸)۔
اور اس (قرآن) کو شیطان لیکر نہیں اُترے اور یہ کام اُنکے کرنے کا نہیں اور نہ وہ اس کو کر سکتے ہیں۔ وہ تو (وحی کے) سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔ (الشعر ۲۶۔ آیات ۲۱ تا ۲۱۲)۔

ضعیف الاعتقاد لوگوں میں شہابوں اور ستاروں کے ٹوٹنے سے جو خوف اور پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اُس کی ایک مثال ذیل میں نقل کرتا ہوں:-

دسویں صدی کے وسط کے قریب دنیا کے خاتمہ کا ایک عالم گیر خوف مسیحی ممالک پر چھایا ہوا تھا۔ عصرِ حاضر کے نظارہ کی توقع اور شہادت کی جاتی تھی۔

۹۹۹ء میں زائرین کی تعداد جو اس شہر میں خدا اور (عیسوع مسیح) کی آمد کا انتظار کرنے کے لئے مشرق کی طرف روانہ ہوئے اس قدر زیادہ تھی کہ ان کو ایک غارت گری شکر سے تشبیہ دی گئی تھی۔ سنہ ۱۰۰۰ء کے درمیان یہ تعداد زیادہ ہو گئی۔ ہر ایک قدرتی ظہور سے اُن کے دلوں پر خوف چھایا جاتا تھا۔ ایک کڑک اور گرج کا طوفان ان کو (خدا کے لئے) گھنٹوں کے بل جھکا دیتا تھا۔ ہر ایک شہاب جو آسمان پر نظر آتا تھا تمام مسیحی آبادی کو بازاروں میں رونے اور دُعا مانگنے کے لئے باہر نکال دیتا تھا۔ جو داعرین سفر میں تھے اُن پر بھی یہی ہیبت طاری تھی۔ ہر ایک ستارہ کا ٹوٹنا ایک وعظ کا موقع دیتا تھا۔ جس کا خاص موضوع اس عظیم پیش آنے والے فیصلہ (قیامت) کی عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ (دیکھو چارلس میکس ویل۔ ایل۔ ڈی کی کتاب موسوم بہ عجیب معمولی انسانی توہمات“ مطبوعہ لندن صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳)۔

اس امر کا دعویٰ کہ شیاطین کی رسائی آسمانوں کی حدود تک ہے اور وہ کوشش کر کے چپکے سے کان لگا کر عالم بالا کے بعض اسرار سن پاتے ہیں اور اس دنیا کے فال گوؤں اور غیب کی خبریں دینے والوں کو اُن کی اطلاع ویدیتے ہیں۔“ کا ہنوں کا کبریا فریب تھا۔ یہودیوں کو بھی شیاطین کی بابت ایسا ہی اعتقاد تھا کہ وہ پردے کے پیچھے سے سن کر زمانہ آئندہ کے بھید معلوم کر لیتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان دعویٰ میں اُن کی نکتہ ذیبت کی۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان (یا ستارے) محفوظ ہیں۔ اور فال گوؤں کے استتراق سمع (یا تنصیفات) سے مصنون ہیں۔

(ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲)

۲۱۔ قریش کی سخت ایذا رسانیوں کی بدولت جب مسلمان مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور

ہجرت کے بعد مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں ترقی۔ ہوئے تو پیغمبر (صلعم) کے تمام پیروان لوگوں کے سوا جو قریش کی قید میں تھے۔ یا غلامی سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَرَافِدًا لِلظُّلُمِينَ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ تَرْتَجِمُ (الحجۃ ۱۵- آیات ۱۶ و ۱۷) اِنَّا زَيْنًا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِرَبِّينَا اَلْكُوكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ تَارِيْدٍ (والغفت ۳۷- آیات ۶ و ۷) وَرَافِدًا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَارِيْحٍ وَحِفْظًا (الحجۃ ۲۱- آیت ۱۱)

”اور ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو (ستاروں سے) زینت بخشی اور ہر شیطان راندہ سے اس کو محفوظ کیا۔“ (الحجۃ ۱۵- آیات ۱۶ و ۱۷)۔ ”اور ہم نے آسمان دنیا (نیچے کے آسمان) کو ایک زینت یعنی ستاروں سے آراستہ کیا۔ اور ہر شیطان سرکش سے اس کو محفوظ کر دیا ہے۔“ (والغفت ۳۷- آیات ۷-۸) ”اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا اور حفاظت کے لئے۔“ (الحجۃ ۲۱- آیت ۱۱)۔

اس کے علاوہ قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ کافروں اپنے معتقدوں یعنی ان لوگوں کو جو ان سے مشورہ کرنے جاتے ہیں، دوسروں سے سنی سنائی باتیں بتا دیتے ہیں اور وہ جھوٹے ہیں۔ ”يَقُولُونَ السَّمْعُ وَآكُثْرُهُمْ كَاذِبُونَ“ (الشعراء ۲۲- آیت ۲۲)۔

قرآن مجید میں یہ کسی جگہ نہیں ہے کہ ستارے شیاطین پر پھینکے یا مارے جاتے ہیں۔ سورہ ملک ۶ کی پانچویں آیت اصل مع لفظی ترجمہ کے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ”وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَارِيْحٍ وَجَعَلْنَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ“ (الملك ۶- آیت ۵)۔ ”یقیناً ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیاطین (یعنی بنحوں) کے لئے ”سرجوم“ یعنی قیاس اور اکل کا ذریعہ بنایا۔“ (الملك ۶- آیت ۵)۔

”رحم کے ابتدائی معنی ہیں“ ایسی چیز جو پتھر کی طرح ڈالی یا پھینکی جائے۔“ اس کی جمع ”رُجُوم“ ہے مگر عام طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں۔ ”ایسی بات کہنا جو پوشیدہ اور نامعلوم ہو۔ یا قیاس لگانا۔ یعنی اکل پتھر کوئی بات کہہ دینا۔“ جیسا کہ سورہ کہف ۸- آیت ۲۱ میں (سرجما بالغیبہ آیا ہے۔ سورہ مریم ۱۹- آیت ۷۷ میں لفظ ”(سرجمات)“ کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے۔ یعنی (۱) ”میں یقیناً تجھ پر پتھر برسائوں گا“ اور (۲) ”میں یقیناً تیری نسبت ایسی بات کہوں گا کہ گوجھے اس کا علم نہ ہو۔ مگر تجھے ناپسند اور ناگوار خاطر ہو“ (یعنی ایسی باتیں اُڑاؤں گا جن سے تجھ کو تکلیف اور صدمہ پہنچے گا)۔

دیکھو عربیہ انگلش لیکسکان (عربی سے انگریزی کا لغت) یعنی ترائاق موس مصنفین صفحہ ۲۸۸۔ ”کشاف جلد ۱ صفحہ ۴۹ طبع مکتبہ بریضا دی جلد ۱ صفحہ ۵۵۴ طبع یورپ علامہ سید مرتضیٰ نے تاج العروس میں لفظ ”رحم“ پر پوری بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو تاج العروس جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ طبع مکتبہ لسان العرب جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ لغت ”رحم“ شرح اشعار حسانہ صفحہ ۹۴ مطبوعہ بن سہل ۱۲۸۸ء۔

اپنے بال بچوں سمیت نقل مکان کر کے مدینہ کو چلے آئے مگر مکہ میں مسلمانوں کے نکالے جانے کے بعد بھی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد جو غضبناک قریش کے ظلم و ستم کی وجہ سے مکہ سے بھاگ نہیں سکتے تھے بڑھتی جاتی تھی (سورۃ النساء - آیات ۹۷-۹۹-۱۰۰)، ہجرت کے چھ سال بعد جب مسلمان حجاج مکہ کے قریب مقام حدیبیہ میں تھے اُس وقت اُن مظلوموں نے اُن سے اپنی رہائی اور مدد کی درخواست کی اور سورہ فتح ۲۸- آیت ۲۵ میں مسلمانان مکہ کی اس بڑی تعداد کی

(حاشیہ تعلق صفحہ ۲۹) ایسی ہیئتوں کے پانچ صدیوں تک انجیل کا وعظ سنانے کے بعد ہم صرف اس قدر نشان دہی کر سکتے ہیں کہ کہیں کہیں خال خال آدمیوں نے دین مسیحی کو قبول کیا۔ یعنی بحران کے بنی حارث یمن کے بنی حنیفہ۔ بنی سلی کے بعض اشخاص جو بمقام تیماء رہتے تھے ان کے سوا شاید ہی کسی نے دین عیسوی اختیار کیا ہو۔ یہودی مذہب نے جو بہت زیادہ قوی تھا بسرکردگی ڈونواس لوگوں کو جبراً یہودی بنانے کے لئے ایک ناگہانی سعی بے ثمر کی تھی لیکن ایک عملی اور تبلیغی ذریعہ ہونے کی حیثیت سے یہودی عقیدہ اب مؤثر نہ رہا تھا۔

(سیرت محمدی از میور جلد اول صفحہ ۲۳۹ مقدمہ مجمل البلدان جلد ۲ صفحہ ۵۵ مطبوعہ یورپ۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۳۰ مطبوعہ یورپ۔ بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ طبع یورپ)۔

(حاشیہ تعلق صفحہ ۴۰) لے اؤس و خزر رج۔ یمن کے قبائل بنی ازد کی دو شاخیں تھیں جو کلمان کی نسل سے تھیں۔ شمال کی طرف نقل مکان کر کے چلے آنے کے بعد وہ بنی عثمان سے جدا ہو کر مدینہ چلے آئے تھے۔ اور یہیں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی ۴ (معارف ابن قتیہ صفحہ ۵۴ طبع یورپ)۔

لے رسائل اخوان الصفا میں اُن مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں عقلی و نقلی دلائل بیان کئے گئے ہیں جو بعد ہجرت بسبب بعض مجبوریوں کے مکہ میں رہ گئے تھے اور ہجرت نہیں کر سکتے تھے اور حین پر قریش مکہ بسبب مخالفت مذہب طرح طرح کے ظلم و ستم کرتے تھے اور مظلوموں کی حمایت میں جبکہ ظالم اور جابر اُن کی فطری آزادی بھیجیں لیں جنگ کی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔ رسائل اخوان الصفا میں وہی دلائل بیان کئے گئے ہیں جن کو سترکینٹ نے بیان کیا ہے اور جو کتاب ہذا کے فقرہ (۱۶) میں نقل ہو چکے ہیں نیز رسائل مذکور میں اُن آیات قرآنی کو نقل کیا ہے جن کی طرف علامہ مصنف نے اشارہ کیا ہے (دیکھو رسائل اخوان الصفا مطبوعہ یورپ ۱۸۵۸ء صفحہ ۵۹) لے بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۴۔ لے بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۶۹۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۱۳۷۔ محال المتزلی

طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اُس وقت مکہ میں مقیم تھی *

۲۲۔ قریش نے جنوب کی طرف سے مدینہ پہنچ کر جو لڑائیاں آنحضرت ص کے ساتھ

کی تھیں اور گرد و نواح کے قبائل کی طرف سے

مدینہ پر حملہ اور چڑھائی کرنے کا جو دائمی خطرہ لگا

رہتا تھا (اور یہ حالت اشاعت اسلام میں پڑی

بد امنی کی حالت ان قبائل کے درمیان

جو نواح مدینہ میں آباد تھے۔ ہلک اور خوزیر

جنگوں کا اشاعت اسلام میں سدراہ ہونا

سدراہ تھی، جس کی اشاعت کامیابی کے ساتھ اُسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ فریقین کو

امن و امان اور اطمینان حاصل ہو) قطع نظر ان سب باتوں کے عرب کے سب سے مشہور

اور بڑے قبیلے، جو عرب کے شمال اور وسط میں رہتے تھے۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات

میں، یعنی قبل از بعثت ۶۱۰ء سے ۶۳۲ء تک اور نیز آنحضرت ص کے زمانہ نبوت میں

۶۱۰ء سے ۶۳۲ء تک باہم برسر جنگ تھے۔ یہ آفت خیز اور خوں ریز جنگیں

بسیوں برس تک جاری رہیں۔ اور جو آفتیں لازمی طور پر زمانہ جنگ میں پیش

آئیں۔ اُن کا اثر صرف جنگ جو قوموں ہی تک محدود نہ تھا۔ آفات جنگ کے دور

کرنے اور اُن آلام و مصائب کا نقش مٹانے کے لئے جو لڑائیوں کی وجہ سے

پیش آتے ہیں۔ سالہا سال درکار تھے *

۲۳۔ اس موقع پر میں اُن خونریز لڑائیوں کا ایک مختصر سا خاکہ کھینچوں

گا جو آنحضرت ص کے زمانہ میں مختلف

قبائل عرب کی ان باہمی جنگوں کا ایک خاکہ

جو آنحضرت ص کے زمانہ حیات میں پیش آئیں۔

قبائل عرب کے باہم دگرپیش آئیں۔

لے یہی کیفیت اُن جنگوں کی بابت صادق آتی ہے جو آنحضرت ص کے زمانہ حیات میں۔ مگر

آپ کی بعثت سے پہلے واقع ہوئیں۔ یہ واقعات عربی تاریخوں میں ایام العرب کے نام سے

مشہور ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد اول صفحہ ۳۶ تا صفحہ ۵۱۲ مطبوعہ یورپ سنہ۔

وہ لڑائیاں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں اُن قبائل
کے درمیان ہوئیں جو عرب کے شمال اور وسط
میں آباد تھے

اول قبل از بعثت

(شہ ۶ سے ۶۱۰ء تک)

(۱) جنگ الریح رحان، بنی عامر بن صعصعہ اور بنی نضیم کے درمیان جو نجد
میں رہتے تھے، ۶۱۰ء

(۲) بنی عبس بن عامر کے طرفدار اور بنی ذبیان بنی نضیم کے طرفدار، ۶۱۰ء
میں بمقام شعب جبلہ۔

(۳) جنگ طائف جو حرب بن امیہ کے نام سے مشہور ہے، مذہبی تبرکات کو چیرالے
جانے کی وجہ سے ۶۱۰ء سے ۶۱۰ء تک رہی۔

(۴) متعدد لڑائیاں بنی بکر اور بنی نضیم کے درمیان جو ۶۱۰ء میں اور سالہا
بالعد میں جاری رہیں۔

دوم دوران بعثت میں

(الف - بمقام مکہ ۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک)

(۱) جنگ داحس والنبرا بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان جو بنی غطفان

۱۰ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۱۱ - مطبوعہ یورپ - ۱۰ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۳۵ مطبوعہ یورپ - ۱۰ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۳۹
۵۰۹-۵۰۰ مطبوعہ یورپ مسند روح المذہب جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ بیروت - ۱۰ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۴۲۰ - تہذیب حجاز صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳ مطبوعہ

کی شاخیں تھیں اور وسط عرب میں رہتی تھیں۔ یہ جنگ ۶۵۸ء سے ۶۰۹ء تک یعنی چالیس سال تک رہی تھی +

(۲) جنگ ذوقار۔ بنی بکر اور اہل فارس کے درمیان ۶۱۱ء میں سلطنت حیرہ میں واقع ہوئی۔

(۳) بنی کندہ اور بنی حارث نے بنی ہنیم پر جبکہ وہ یمن میں سرحد میں کلاب کی طرف چلے گئے تھے، حملہ کیا اور ان کو پسپا کیا۔

(۴) بنی اوس اور بنی خزرج جو مدینہ میں رہتے تھے، باہم برسر جنگ تھے جنگ بعاث ۶۱۵ء میں ہوئی۔ بنی عساکر کے دو قبیلے۔ بنی مازن اور یہودیوں کے قبائل بنی نضیر اور بنی قرظہ یہ سب بنی اوس کے مددگار تھے۔ بنی حمینہ۔ بنی اشج اور بنی قینقاع کہ یہودی۔ بنی خزرج کے حامی تھے۔

(ب)۔ بمقام مدینہ ۶۲۲ء سے ۶۳۲ء تک

(۱) وہ جنگ جو ایک طرف بنی ہوازن اور دوسری طرف بنی عساکر۔ بنی ذبیان اور بنی اشج کے درمیان جو قبیلہ غطفان سے تھے، ٹھٹھنی ہوئی تھی۔ خنیف لڑائیوں اور خونریزیوں کے ساتھ جاری رہی۔ یہاں تک کہ انہوں نے دین اسلام قبول کیا۔ (۲) قریش پدر اور احد میں ۶۲۷ء اور ۶۲۵ء میں مسلمانان مدینہ کے ساتھ دو لڑائیاں لڑے۔

(۳) غطفان جو بڑا خاندان تھا۔ اس کے متعدد قبائل (بنی مرہ۔ بنی اشج او بنی فزارہ) بنی سلیم اور بنی سعد جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ بنی اسد جو نجد

۱۔ تبری جلد اول صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۳ مطبوعہ یورپ۔ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۰۱۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۲۱۔
معجم البلدان جلد اول صفحہ ۶۰۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۵۰۹ مطبوعہ یورپ۔ شرح حاشیہ صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۳ مطبوعہ یورپ۔

۲۔ یہ لڑائی عربی تاریخوں میں یوم بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۵۱۰۔

کے بدوی قبائل سے تھے۔ اور بنی قریظہ جو یہودی تھے۔ ان سب قبیلوں نے قریش کے ساتھ شامل ہو کر ۶۲۷ء میں مدینہ کا محاصرہ کیا۔ (یعنی غزوہ خندق پیش آیا)۔ (۴) بنی تمیم اور بنی بکر نے اپنی دیرینہ عداوتوں کو پھر تازہ کیا۔ اور ۶۱۵ء سے ۶۲۷ء تک اُن کے درمیان متعدد لڑائیاں واقع ہوئیں۔ سب سے پچھلی لڑائی جو جنگ شیطین کے نام سے موسوم ہے ۶۲۳ء میں ہوئی۔ (ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹) اسی سال میں لڑائی کے بعد دونو قبیلے مسلمان ہو گئے۔

(۵) بنی غوث اور بنی جدیلہ جو قبیلہ بنی طے کی شاخیں اور مدینہ کے شمال میں سکونت پذیر تھے۔ انہوں نے باہمد گر جنگ و جدل کئے ”جنگ فساد“ پچیس سال تک جاری رہی یہاں تک کہ ان دونو قبیلوں نے ۶۳۲ء میں اسلام قبول کیا۔

۲۲۔ آنحضرتؐ کے زمانہ قیام مدینہ میں بیسے ابتدائے ہجرت سے لیکر صلح مدینہ کے گرد و نواح کی قوموں میں ہجرت کے بعد اسلام کی اشاعت سلسلہ سے سلسلہ تک کرتے یا حملہ کی دھمکی دیتے تھے۔ اور آپؐ ہمیشہ مدافعت کرتے تھے۔ اس حالت میں بھی آپؐ نے متعدد اشخاص بلکہ قریب قریب کل کے کل قبیلوں کو جو مدینہ کے گرد رہتے تھے، مشرف باسلام کر لیا تھا۔ ان میں سے بعض قبائل حسب ذیل تھے:-

۱۔ اس جنگ کو اسلامی تاریخوں میں یوم خندق یا غزوہ احزاب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۳۶۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۰۔ ابن ہشام صفحہ ۴۸۔
۲۔ یہ واقعہ عربی تاریخوں میں یوم حیمیم کے نام سے موسوم ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۴۷۔ تبریزی شایع حاشیہ نے اس جنگ کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح حاشیہ ص ۷۷ مطبوعہ بن ۱۲۸۵ھ۔

(۱) بنی اسلم (۲) بنی جہینہ (۳) بنی مزینہ (۴) بنی عفار (۵) بنی سعد بن بکر (۶) بنی اشجع -

ہم کو کتب مغازی میں بھی (جن میں آنحضرت م کے غزوات کے حالات درج ہوتے ہیں، گو وہ کیسے ہی غیر معتبر ہوں) ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی۔ جس سے آنحضرت م کا ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لے کر کسی ایک شخص یا کسی خاندان یا کسی قبیلہ کی شاخ کو مسلمان کرنا ثابت ہو سکے +

۲۵۔ باوجودیکہ اسلام کو ایداول، جلا وطنیوں، اور جنگوں سے جنوبی قبائل کے اسلام لانے سابقہ پڑتا تھا۔ تاہم اس وقت تک یہ دین محض ترغیب میں گمراہ تھا۔

تخریب کی بدولت اہل مکہ میں پھیلا تھا جن میں سے بعض اہلی سینیا اور اکثر مدینہ کو ہجرت کر گئے تھے اور اسی طریقہ سے اوس و خضر رج کی نسل کے تمام با اثر قبیلوں میں جو مدینہ میں رہتے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں میں اور بعض اُن قبائل میں جو مدینہ کے شمال اور مشرق اور

لے بنی اسلم مدینہ کے شمال میں وادی القرنی میں رہتے تھے وہ قبائل خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور حمیر کی نسل سے تھے (ابن الاثیر) لے بنی جہینہ۔ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور حمیر کی اولاد تھے۔ یہ قبیلہ شیخ کی نواح میں آباد تھا جو مدینہ کے شمال میں ہے۔ (ابن سعد ۸)۔

لے بنی مزینہ۔ مگر کے خاندان سعد کے قبیلہ سے تھے۔ وہ نجد میں جو مدینہ کے گوشہ شمال و مشرق میں ہے، آباد تھے (ذوقانی جلد ۴ صفحہ ۴۲)۔ ابن سعد جلد ۱۲۔

لے بنی عفار۔ بنو عفار بن بنو عفرہ کے بیٹے اور کنانہ کی نسل سے تھے۔ جو قبیلہ قبائل سعد کے ایک قبیلہ تھا۔

لے بنی سعد بن بکر۔ ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ آنحضرت م نے اُن میں پرورش پائی تھی۔

لے بنی اشجع۔ غطفان کی ایک شاخ تھی جو بنی سعد کے کئی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اشجع سب سب آنحضرت م کے دشمن تھے اور بنی اسلم مدینہ کے زمانہ میں آپ کے لڑے تھے اور ۱۰ سورما اُن کی کمک پر تھے۔ بنو بکر کہتے ہیں: ”بنی اشجع نے جو مدینہ کے محاصرہ میں شریک تھے بنی قریظہ کے قتل کے قصور سے عذر جرات قبول کر لی۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے ہمارے خلاف جو جنگ کی۔ ہم اس سے ایسے تنگ آ گئے ہیں کہ آئندہ آپ کے مخالف میں کھڑے نہیں رہ سکتے۔“

کاتب و اتدی صفحہ ۶۰۔ ابن سعد صفحہ ۵۵ (دیکھو سورما صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۰۰ افٹ نوٹ)۔

یہ سب سراسر جھوٹا ہے۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ آنحضرت م نے بنی اشجع کے خلاف جنگ کی ہو۔ بلکہ عکس اس کے جو دہانوں نے مدینہ پر چڑھا

وسط عرب میں رہتے تھے۔ اس کی اشاعت ہوئی تھی۔ مگر چونکہ جنوب کی طرف اہل مکہ نے اسلام کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا۔ اس لئے اکثر قبائل عرب جن کا کسی نہ کسی طرح اہل مکہ سے تعلق تھا۔ اور وہ قبائل جو عرب کے جنوبی حصے اور گوشہ جنوب و مشرق میں رہتے تھے۔ اور اُن کے اور اہل مدینہ کے درمیان مکہ حائل تھا۔ جنگ کی کارروائی پر غور کر رہے تھے کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)۔ اور اسلام کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ ان قبیلوں کو مدینہ تک پہنچنے اور اسلام قبول کرنے کا۔ یا مسلمانوں سے دوستانہ ربط و اتحاد پیرا کرنے کا۔ یا قریش نے جو لڑائیاں اور خون خرابے ڈال رکھے تھے۔ اُن کے ہوتے محمدی مشنروں (داعیان اسلام) کو طلب کرنے اور اُن کی خاطر مدارات کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ کیونکہ وہ قریش کو محافظ کعبہ سمجھتے تھے، جو اُس وقت عرب کے بُت پرستوں کا روحانی یا مذہبی مرکز بنا ہوا تھا۔ آخری یعنی پانچویں سال کے اختتام پر بہت سے قبائل اعراب نے جن میں بنی اشجع۔ بنی مرہ۔ بنی فزارہ۔ بنی سلیم۔ بنی سعد بن بکر اور بنی اسد کا شمار ہو سکتا ہے محاصرہ مدینہ کی غرض سے ہزار ہا اعراب کی جمیعت قریش کے لئے ہم پہنچائی۔ جب مسلمانوں پر قریش کی لڑائیاں بند ہوئیں۔ تب کہیں جنگ کینڑوالے قبیلوں اور عرب کے وسط اور جنوب اور مشرق میں رہنے والے قبیلوں کو اتنی مہلت ملی کہ اپنی بُت پرستی اور توہمات باطلہ کے برخلاف اسلام کے معقول و عظیم پر جس کا حال انہوں نے سنا تھا کچھ غور کر سکیں۔

۲۶۔ صلح حدیبیہ کے وقت سے ۶ھ کے اختتام تک مکہ آمد و رفت کے

چھٹے سال میں بعض قبائل کا اسلام لانا

لے پوری بحث کے لئے ملاحظہ ہو (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۷ مطبوعہ یورپ سے) *

اسلام ہوئے۔ بنی خزاعہ جو ازو کی اولاد تھی، صلح حدیبیہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے۔ اگلے سال حج کے موقع پر مکہ کے بعض بااثر لوگوں نے اسلام اختیار کیا۔ یہ تحریک ان سربراہان اور وہ اشخاص ہی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ عام اور وسیع تھی۔ ساتویں سال قبائل مندرجہ ذیل نے اسلام قبول کیا اور ان کے وفد خیبر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ آکر شامل ہوئے:-

(۱) بنی اشعر (۲) بنی خثیمہ (۳) بنی دوس۔ اسی سال میں آنحضرت ﷺ نے بعض دیگر قبائل کو مسلمان بنایا، جو عرب کے شمال اور گوشہ شمال مشرق میں رہتے تھے منجملہ ان کے قبائل ذیل تھے:-

(۱) بنی عبس۔ بنی ذبیان (۲) بنی مرہ (۳) بنی فزارہ (۴) بنی سلیم (۵) بنی حذرہ (۶) بنی بلی (۷) بنی جذام (۸) بنی ثعلبہ (۹) بنی عتدہ (۱۰) بنی عتدہ القیس (۱۱) بنی یثیم (۱۲) بنی اسد۔

لے بنی اشعر جدہ میں رہتے تھے۔ خاندان کلمان سے تھے اور ازو کی اولاد تھے۔ (ابن سعد ۹۶)
لے بنی خثیمہ: قضا کا ایک خاندان تھا جو حجازی نسل سے تھے۔
لے بنی دوس: ازوی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو قطیف کی نسل سے ہیں۔ وہ مکہ کے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر رہتے تھے۔ یہ لوگ خیبر میں آنحضرت ﷺ سے آئے تھے۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۴۴) ابن سعد صفحہ ۱۰۰۔

لے یہ چاروں قبیلہ عطفان کی شاخیں ہیں جو کئی النسل تھے عطفان کے بڑے بڑے خاندان: بنی شعیب بنی ذبیان۔ اور بنی عبس، بنی مرہ اور بنی فزارہ۔ بنی ذبیان کی شاخیں یثیم ہیں۔ یہ سب نجد میں رہتے تھے۔ بنی فزارہ کے سردار عینید بن حصن نے مکہ میں مدینہ پر حملہ کیا۔ اسی سال بنی فزارہ نے ایک مدینہ کے قافلہ پر حملہ کر کے اس کو تاخت و تار مار کر لوٹا۔
لے بنی سلیم: جو بنی خثیمہ کی ایک شاخ اور بنی ہوازن کے ہم جہدی تھے، مدینہ کے قریب رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو جب آپ نے حج پرورش کے لئے اس قبیلہ کے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ کئی النسل بھی تھے اور خثیمہ کی وساطت سے مضر اور معد کی نسل سے تھے۔ بنی مرہ اور بنی فزارہ کی طرح جو عطفان کی شاخیں تھیں۔ بنی سلیم بھی مدت تک حملوں کی دھمکی دیتے رہے تھے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱)

۲۷۔ صلح کے وقت سے لگے میں اسلام کی حیثیت اور وقعت کو بڑی تفویض کر گئے۔ قوت حاصل ہو گئی۔ کیونکہ اس وقت سے مسلمانان مکہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ جن میں با اثر اور سربراہان اور ایسے لوگ بھی شامل تھے جو شہرت و وقعت کے لحاظ سے کم درجے کے تھے۔ اسی وجہ سے اسلام بڑھتا اور امن و امان اور صلح و آشتی کے حامیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی اور ان پر زیادہ اعتماد ہوتا جاتا تھا۔ بُت پرست قریش کے درمیان کوئی سردار ممتاز قابلیت یا حکمت و اقتدار والا ملک میں باقی نہ رہا۔ قریب قریب کل دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسی اثناء میں بنی بکر اور قریش نے شرائط صلح کو توڑ دیا جس کی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) بنی سلیم نے عامر بن طفیل یعنی سردار بنی عامر کے ساتھ جہوازن کا ایک قبیلہ تھا صح اپنے قبائل حصیہ۔ رعل اور ذکوان کے۔ داعیان اسلام کی ایک جماعت کو جن کی تعداد ۴۰ تھی بمقام بیرہونہ قتل کر دیا تھا۔ اس جماعت کو ابو براء عمر بن مالک نے طلب کیا تھا جو بنی عامر کا سردار تھا۔ اور جس نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔ محاصرہ مدینہ کے موقع پر قریش کی فوج بھی بنی سلیم کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) +

ساتویں سال میں انہوں نے داعیان اسلام کی ایک اور جماعت کو بھی جو انکی طرف بھیجی گئی تھی بمقام رجبہ تیغ کر ڈالا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۴۲۸۔ اور ۴۳۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸) +
 لہ بنی عذرہ مثل بنی جہینہ کے بنی خزاعہ کا ایک قبیلہ تھے۔ وہ مع بنی بلی اور بنی جذام کے عرب کے شمال میں اس علاقہ میں جو عسسان کی ملکیت تھا آباد تھے۔ قبیلہ جمیر جو بنی کے بنی قحطان کی اولاد تھا۔ بنی قضاعہ۔ بنی عولہ۔ بنی جہینہ اور دیگر مشہور قبائل جزیرہ نمائے عرب کے شمال کی طرف ملک شام کی سرحد پر آباد تھے۔

سروہیم میسر کا تب واقدی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ بنی جذام کا سردار رفاعہ بن زید جندامی محرم (صلعم) کا ایک خط اُن کے پاس لے کر گیا تھا، جس کا مضمون یہ تھا:-
 ”جو شخص اسلام قبول کرے وہ حزب اللہ (خدا کے گروہ) میں داخل ہے۔ اور جو کوئی انکار کرے اُس کو غور کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔“ (میسر صاحب کی سیرت مہمیری جلد ۱ صفحہ ۱۰۶)
 فٹ نوٹ: ”غور کرنے کے لئے“ یہ الفاظ اصل عربی میں نہیں ہیں (دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۴۲) اگر یہ روایت جس کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے، صحیح ہو تو یہ بات صحاف طور پر معلوم (دیکھو صفحہ ۵۲)

نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ بغیر خون ریزی کے فتح ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا۔
 ۲۸۔ اگرچہ مکہ مغلوب ہو کر مطیع ہو گیا تھا۔ مگر اب تک اس کے تمام باشندوں
 نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے لوگوں
 کو مسلمان بنانے کے لئے جبر و اکراہ کا کوئی
 ذریعہ اختیار نہیں کیا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

اہل مکہ اسلام لانے پر
 مجبور نہیں کئے گئے تھے۔

”اگرچہ اس شہر (مکہ) کے تمام باشندوں نے آپؐ کی فوقیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ مگر
 ”سب نے یہ نیا مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔ یعنی آپؐ کے دعویٰ پیغمبری کو باضابطہ
 ”طور پر تسلیم نہیں کیا تھا۔ شاید آپؐ نے اب بھی اس طریقہ پر کار بند ہونے کا ارادہ کیا
 ”جو پہلے مدینہ میں اختیار کیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام لانے کی بابت آزادی دی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

نہیں ہوتی کہ دو ماہ کی مدت سے کیا مراد تھی۔ جس کی صلاح جنگ شروع
 کرنے سے پہلے مصالحت کرنے کے لئے ان کو دی گئی تھی۔ اس امر کو ان کی زبردستی مسلمان بنانے
 سے کوئی واسطہ نہیں +

۱۔ بنی ثعلبہ۔ ذبیان کی ایک شاخ تھی +

۲۔ بنی عبد القیس۔ ایک معدی قبیلہ ہے جو ربیعہ کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ بحرین میں آباد تھے جو
 خلیج فارس پر واقع ہے +

۳۔ بنی تمیم طابخہ کی شاخ تھی جو مکہ کے معدی خاندان کا ایک قبیلہ تھا اور مذبذبہ کامچہ رہتی تھا۔ یہ
 لوگ نجد کی تاریخ میں مشہور ہیں۔ نجد ایک صوبہ ہے جو مدینہ کے شمال و مشرق کی طرف شام کی سرحد
 سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض شاخیں مکہ اور حنین کی مہم کے موقع پر آنحضرتؐ
 کے ساتھ تھیں۔ ان قبائل کی تمام شاخوں نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ اب اسلام
 قبول کر لیا +

۴۔ بنی اسد بن خزیمہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جو نجد میں قطن نام ایک پہاڑی کے قریب رہتے تھے وہ مکہ
 خاندان کے قبیلہ معد سے تھے۔ ان کے سردار طلیحہ و سلمہ نے مکہ میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے سوار
 اور تیز رفتار شتر بانوں کی ایک فوج جمع کی جس کو مسلمانوں نے پراگندہ کر دیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۱
 صفحہ ۳۰۰۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۴۱۷۔ اگلے سال یہ لوگ محاصرہ مدینہ میں قریش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے +

”جائے کہ وہ رفتہ رفتہ بغیر جبر و اکراہ کے اسلام قبول کر لیں“ +

۲۹۔ اب مکہ کے ارد گرد کے قبائل اعراب کو تنہواروں اور سیلوں کے متعلق

سہ ماہی اور شہر میں پر اور سالانہ حج کے مجموعے میں آنحضرتؐ کو بہ نفس نفیس اور خاص خاص داعیان اسلام کی وساطت سے جو مدینہ سے روانہ کئے جاتے تھے۔ نیز مسافروں اور تاجروں کی

باقیمانہ کل کے کل قبائل کا اسلام لانا۔

خبروں کے ذریعہ سے جو مکہ اور مدینہ سے عرب کے تمام حصوں میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ قرآن مجید کا وعظ سناتے ہوئے بیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ دور دراز کے مختلف قبیلوں۔ قوموں اور شاخوں نے اسلام کی خبر ملک میں پھیلا دی تھی۔ اکثر قبیلوں میں بعض اشخاص فرداً فرداً مسلمان ہو گئے تھے۔ جو قبیلے ابھی داخل اسلام نہیں ہوئے تھے وہ بھی ایسی حالتوں میں جیسی کہ اوپر بیان کی گئیں قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے۔ بہت پرستی۔ ساوی اور نفرت انگیز دونوں قسم کی ان معقول حملوں کی جو قرآنی تعلیم میں اُس پر کئے گئے ہیں تاب نہ لاسکی۔ مگر بہت پرست قریش آزار رسانی اور تلوار کے ذریعہ سے اسلام پر حملہ اور اس کا مقابلہ کرتے تھے

۱۔ دیکھو میرٹ محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۳۶ مطبوعہ سنہ جو لوگ بنی ہوازن کی دھمکی دینے والی جمیعت کو دفع کرنے کے لئے حال میں بمقام مکہ لشکر گاہ اسلام میں جمع ہوئے تھے اور جنہوں نے آنحضرتؐ کے زیر حکومت رہنے کو ترجیح دی تھی ایسے لوگوں کو سر ولیم میور نے ”مسلم قرار دیا ہے۔“ (ج ۲ صفحہ ۱۲۹)۔ مگر حقیقت یہ لوگ مسلمان نہیں کہلاتے تھے اُن کو قرآن مجید میں صرف ”أَمْوَالُكُمْ فَلَوْلَاكُمْ“ کہا گیا ہے (سورہ توبہ ۹۔ آیت ۶۰) جس کے معنی ہیں ”وہ لوگ جن کی تالیف قلوب مقصود تھی اور جن کو اسلام کی طرف آمادہ کرنا منظور تھا بیضاوی جلد ۱

صفحہ ۳۹ مطبوعہ یورپ۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔ ابن ہشام صفحہ ۸۲۔ عینی جلد ۸ صفحہ ۳۶۰

لے نکالنا۔ طائف اور نجد کے درمیان ہے۔ تھنہ لفظ ہران کے قرب و جوار میں اور ذوالجوار عنفات کے پیچھے ہے یہ دونوں مقام مکہ کے نزدیک ہیں (ان مقامات پر سیل لگا کرتے تھے اور تنہا رہنا نہ جاتے تھے۔ (مترجم)۔

۲۔ نہایت ہی قدیم زمانہ سے جو زمانہ تاریخ سے بہت پہلے ہے، مذہبی روایت کی بنا پر کہ سالانہ حج کا مقام قرار دیا گیا ہے جو عرب کے تمام تمام اطراف و جوانب یعنی یمن، یثرب، موت اور خلیج فارس کی ماحول سے ملک شام کی صحراؤں سے۔ اور حبشہ اور عراق کی نواح بعینہ سے لوگ حج کے لئے آتے تھے۔ (میور جلد ۱ صفحہ ۲۱ مقدمہ)۔

اور مادی ہتھیاروں سے بُت پرستی کو قوت دیتے تھے۔ دور و دراز کے رہنے والے بُت پرست قبائل جو قریش کی طرف رہتے تھے خواہ بہ سبب بعد مسافت کے یا قریش کے ساتھ اتحاد نسبی کی وجہ سے نئے دین کے قبول کرنے سے باز رہے۔ جوں ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی لڑائیاں بند ہوئیں۔ اعراب نے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اسلام قبول کرنا شروع کیا اور جونہی وہ مطیع ہوئے اور کعبہ بنوں سے خالی کیا گیا۔ اور بُت پرستی اور اسلام کے مابین مذہبی فوقیت کی بابت جو کشمکش چلی

سے سروریم سور کا خیال یہ ہے :-
 ”کہ پرتقا بض ہو جانے سے اب آنحضرتؐ کے دعووں پر اصلیت کا ایک رنگ چڑھ گیا۔
 ”کیونکہ مکہ ملک عرب کا روحانی مرکز تھا اور ہر حصہ ملک کے قبائل اس کا ادب کرتے تھے۔ سالانہ حج کا انتظام بیت مقدس (خانہ کعبہ) کی تولیت۔ تقویم سالانہ میں دنوں کا اضافہ یعنی تبرک مہینوں میں حسب مرضی خود رو بدل کر دینا یہ وہ آئین تھے جن کا اثر تمام عرب میں پڑتا تھا اور جن کا حق قدیم الامام سے قریش کو حاصل تھا۔ اب یہ سب کام محمدؐ صلعم اس کے ماتھے میں آ گئے۔
 ”تھے۔ علاوہ بریں محمدؐ صلعم کو اس بات کا خاص خیال تھا کہ اس قدیم رسم کی تنہا ضروری رو باتیں اصلاح شدہ مذہب میں ملا دی جائیں۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ اس طرح ملا دیا تھا کہ وہ جدا نہیں ہو سکتے تھے۔“ (سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۶۹)۔

مگر باقی ماندہ قبائل نے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جنوبی و مشرقی عرب کے سرداروں نے اس وجہ سے اسلام اختیار نہیں کیا کہ آنحضرتؐ کا تسلط مکہ پر تھا اور اس میں کوئی پولیٹیکل فوقیت نہیں تھی۔ تمام جزیرہ کا شے عرب میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ جو سردار مکہ پر تقاضا ہو اسی کو تمام ملک میں اقتدار مطلق حاصل ہو۔ آنحضرتؐ نے تمام بُت پرستی کی رسموں کو جو قبول اسلام کی غرض سے بُت پرست عربوں کے لئے ملکی یا تہذیبی ترغیب کا کام دے سکتی تھیں۔ مکہ کے فتح ہونے ہی متوقف کر دیا تھا۔ سال میں دنوں کا اضافہ، اور اشہد الحرم (متبرک مہینوں) کا تغیر و تبدل قرآن مجید کے ان صاف لفظوں میں ہمیشہ کے لئے ضمیمہ کر دیا گیا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ
 شَهْرًا اِنَّ كِتَابَ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِمْ خُلُقٍ السَّمُوْتِ
 وَالْاَرْضِ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ طَوْلَاكَ الْبَرِّيْنَ
 جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی شمار کتاب اللہ میں بارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آتی ہے۔ ان میں سے چار متبرک ہیں دین کا سبب

آئی تھی اُس کا عملی طور پر فیصلہ ہو گیا۔ تمام باقی ماندہ قبائل جو جنوب اور مشرق کی طرف رہتے تھے۔ اور اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ ہجرت کے نویں^۹ اور دسویں سال میں جلد جلد جوق جوق داخل اسلام ہونے لگے۔

۱۳۔ ان دونوں سال میں جزیرہ نماے عرب کے نہایت ہی بعید مقامات سے

۹۔ اور نہاد میں مختلف سفارتوں اور وفدوں کا آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونا۔

۴۔ یمن اور حضر موت سے مہرہ، عمان اور بحرین سے جو جنوب میں واقع ہیں شام اور فارس کی سرحد سے قبول اسلام کی غرض سے مختلف قبیلوں کے وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یمن اور مہرہ کے عمان، بحرین اور بکامہ کے بہت سے سرداروں اور شہزادوں نے جن میں عیسائی بھی تھے اور بت پرست بھی، اتفاقاً وفد کے ذریعہ سے اپنے مسلمان بھائیوں کی اطلاع دی۔ آنحضرتؐ ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴) یا مَنَّا الْبَشَرُ زَادَ رَفِی الْکُفْرِ یَقْبَلُ بِهِ الذِّیْنُ کَفَرُوا یُجْلَوْنَ عَاوِیْجَ مَوْبَدَ عَاوِیْجَ اَرْطُوْا رَعْدًا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِیْجَلُوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زَیْنٌ کَیْمٌ سَعْدٌ اَعْلَامُ رَہْم وَاللّٰهُ لَا یُہْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ ۝

(التوبہ ۹- آیات ۳۶-۳۷) (التوبہ ۹- آیات ۳۷-۳۸)

خاکہ کعبہ کی تولیت اب کوئی عزت کا عمدہ یا حق نہ تھا۔ حج کی قدیم رسم اصلاح شدہ دین (مذہب اسلام) کے ساتھ ملا کر گد نہ نہیں کی گئی۔ کعبہ میں جو رسوم ادا ہوتی تھیں اُن میں بت پرستی کے میدان کو نکال کر دفع کر دیا گیا تھا اور حج کے باقی ماندہ اور ضروری جزو (قربانی وغیرہ رسوم) کی عظمت کم کر دی گئی:-

لَیْسَ بَیْنَاللّٰهِ وَبَیْنَهُمَا وِلَا دِمَآءٌ مَّا وَ لَکِنْ بَیْنَاکُمُ الْفُتُوْیٰ رَہْمُکُمْ (ج ۲۲- آیت ۳۸) نہ تو ان کے گوشت اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں اور نہ اُن کے خون بلکہ تمہاری پرہیزگاری اُس تک پہنچتی ہے۔ (ج ۲۲- آیت ۳۸)

علاوہ بریں بت پرستوں کو کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

(بقیہ حاشیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۴ پر)

وفدوں اور سفارتوں کے ہمراہ معلموں کو ایسے مقامات پر بھیج دیا کرتے تھے جہاں وہ پہلے نہ بھیجے گئے ہوں۔ تاکہ وہ ان حدیث الاسلام اشخاص کو فرائض اسلام کی تعلیم دیں۔ اور بت پرستی کا جو کچھ اثر باقی رہ گیا ہو، وہ مٹا دیا جائے۔

۳۔ ذیل میں ایک فہرست اُن مشہور و معروف وفدوں اور سفارتوں کی، نیز

فہرست اُن وفدوں کی جو قبول اسلام کی غرض سے سجدہ آور ہوئے	اُن نامی گرامی اسلام لانے والے اشخاص کی درج کی جاتی ہے جو ان دو سالوں کے اندر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ فہرست (انگریزی) حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے۔ اشخاص و قبائل کی نسبت ہوئے۔
--	---

اور نسب کے متعلق نوٹ بھی دئے گئے ہیں۔ سر ولیم میور حالانکہ ہر نام معتبر روایت کو (اپنی کتاب سیرت محمدی میں) درج کر لینے کا خیال رکھتے ہیں اور تمام جھوٹی اور مصنوعی داستانوں کو جو اسلام کے حق میں مضر ہوں، فوق و شوق کے ساتھ تناول فرماتے ہیں۔ مگر اُن کی رائے میں ان تمام سفارتوں کا شمار کرنا ”طویل ممل اور فعل عبث ہے۔“

(تقریباً صفحہ ۵۵) مَا كَانَ لِلْمُشْكِكِينَ اَنْ يُعْزَوْا
مَسَاجِدَ اللَّهِ نَشِائِدِينَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ
مشرکوں کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد نہیں
دیعنی اُن میں داخل ہوں) حالانکہ وہ اپنے کفر کے آپ گواہ
ہیں۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۱۴۰)۔

خود سر ولیم میور نے آنحضرتؐ کی بابت لکھا ہے :-
”کعبہ کی زمیں باقی رکھی گئیں۔ مگر آنحضرتؐ نے بت پرستی کے ہر بکریٹان کو اُن سے بالکل دور کر دیا اور وہ اب
”ذکر ایک عجیب بے معنی کفن کے طور پر اسلام کی زندہ توحید کے گرد لپیٹی ہوئی ہیں۔ (جلد اول مقدمہ صفحہ ۲۱۸)
لے ان وفدوں کا حال معلوم کرنے کے لئے دیکھو ابن اسحاق (المتوفی ۱۸۰ھ) ہشامی (المتوفی ۲۴۰ھ)۔ ابن سعد
(المتوفی ۲۴۰ھ) سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم باب ستی ام سیرت شامی (المتوفی ۹۲۲ھ) اور حلبی (المتوفی ۳۲۲ھ)
ان قبائل کے نسب ناموں کے لئے قلعہ شامی کا ”لغت قبائل عرب“ اور تاریخ ابن خلدون۔ ان قبائل کے مقامات سکونت
کی بابت ناظرین کو عرب کے اس نہایت قابل قدر نقشہ کا حوالہ دیا جاتا ہے جو سر ولیم کی تاریخ خلفاء ابتدائی اری خلافت“
مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء کے ساتھ شامل ہے نیز دیکھو زرقانی جلد ۲۔ ابن ہشام صفحہ ۹۳۲۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۔
سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۸۱ و ۲۲۴ مطبوعہ

(فاعتبروا یا اولی الاباب ان ہذا الشی عجاب - مترجم)۔

- ۱۔ بنی عامر - ۲۔ بنی عبد القیس - ۳۔ بنی احمس - ۴۔ بنی عنزہ -
- ۵۔ بنی اسد - ۶۔ بنی ازد (شثوہ) - ۷۔ بنی ازد (عمان) - ۸۔ بنی باہلہ -
- ۹۔ بنی بہراء - ۱۰۔ بنی بجلہ - ۱۱۔ بنی بکاء - ۱۲۔ بنی بکمر بن وائل -
- ۱۳۔ بنی بلی - ۱۴۔ بنی بارق - ۱۵۔ بنی داری - ۱۶۔ فروہ بن عمرو الجذامی -
- ۱۷۔ بنی فزارہ - ۱۸۔ بنی عافق - ۱۹۔ بنی غاتم - ۲۰۔ بنی غسان - ۲۱۔ بنی ہمدان -
- ۲۲۔ بنی حنیفہ - ۲۳۔ بنی حارث سکنة نجران - ۲۴۔ بنی ہلال بن عامر بن
- صعصعہ - ۲۵۔ بنی حمیر - ۲۶۔ بنی جعد - ۲۷۔ بنی جعفر بن کلاب بن ربیعہ -
- ۲۸۔ جعیفر بن الجندی - ۲۹۔ بنی حمینہ - ۳۰۔ بنی جعفی - ۳۱۔ بنی کلب - ۳۲۔ بنی
- نشم بن انمار - ۳۳۔ بنی خولان - ۳۴۔ بنی کلاب - ۳۵۔ بنی کنانہ - ۳۶۔ بنی
- کندہ - ۳۷۔ بنی مہرہ - ۳۸۔ بنی محارب - ۳۹۔ بنی مراد - ۴۰۔ بنی مشتق -
- ۴۱۔ بنی مڑہ - ۴۲۔ بنی نخع - ۴۳۔ بنی نہد - ۴۴۔ بنی عذرہ - ۴۵۔ بنی ربیعہ -
- ۴۶۔ بنی رواس - ۴۷۔ بنی سعد ندیم - ۴۸۔ بنی صدف - ۴۹۔ بنی سدوس -
- ۵۰۔ بنی سہم - ۵۱۔ بنی ثقیف - ۵۲۔ بنی سلیمان - ۵۳۔ بنی شیبان -
- ۵۴۔ بنی صدراء - ۵۵۔ بنی تغلب - ۵۶۔ بنی تجیب - ۵۷۔ بنی تمیم - ۵۸۔ بنی
- طے - ۵۹۔ بنی زبید *

لے یہ بنی ہوازن کی ایک شاخ اور قبیلہ ثقیف کے ہم جدی تھے۔ صوبہ نجد میں رہتے تھے اور معدی نسل سے تھے۔ ستر ہجری میں اس قبیلہ نے مسلمانوں کے برخلاف جنگ جین میں باقی ماندہ بنی ہوازن کا کچھ زیادہ ساتھ نہیں دیا تھا۔ مشہور شاعر لبید جو سبہ معلقہ میں سے ایک قصیدہ کا مصنف ہے اسی قبیلہ سے تھا۔ (دیکھو تذکرہ لبید از کتاب الاغانی جو مسٹر سی۔ جے لائل سی۔ ایس نے لبید کے قصیدہ پر ایک مضمون لکھا ہے۔ یہ مضمون ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ نمبر ۱۱ بابت ۱۸۷۷ء مطبوعہ کلکتہ کے صفحہ ۶۲ لغایت ۶۶ پر درج ہے۔ معارف صفحہ ۱۶۹)۔

۳۲۔ **العرض**۔ ان تمام قبائل کے اسلام لانے اور تمام عرب میں سرعت کے تمام اشخاص اور قبائل بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمان ہوئے۔
 ساتھ اسلام کے پھیل جانے کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ نہ تو ہتھیاروں کا استعمال کیا گیا۔ نہ جبر کیا گیا۔ نہ دھمکی دی گئی۔ اور نہ ”ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار“ لیکر اس کی اشاعت کی گئی۔ بت پرست اعراب اور نصاریٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) بنی عبد القیس بحرین کے رہنے والے تھے۔ اس قبیلہ کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔ اس سفارت میں بہت سے اشخاص شامل تھے۔ یہ لوگ اسلام قبول کرنے سے پہلے عیسائی تھے۔

تھے یہ لوگ انمار کی اولاد میں تھے جو یمن کی قحطانی نسل سے تھا۔
 لکھ بنی اس کی ایک شاخ تھی۔ ربیعہ کی اولاد تھے جو معدی نسل سے تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو برقاہ (ایک یورپین سیاح نامی برکھارٹ) نے غیزی لکھا ہے۔

۵۷۔ ان کا حال پہلے فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔ اس قبیلہ کے باقی ماندہ لوگوں نے اب اسلام قبول کر لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سورہ ہجرات ۲۹۔ آیت ۱۷۔ اسی قبیلہ سے متعلق ہے۔
 لکھ بنی ازد (شذوہ) یمن کے رہنے والے تھے۔ یہ قبیلہ اُس ازدی قبیلہ کا ایک حصہ تھا جو اس وقت جب کہ ازد نے شمال کی طرف نقل مکان کیا، یمن میں رہ گیا تھا۔ وہ قحطان کی ایک شاخ اور قحطانی نسل سے تھے۔ یمن سے جانب شمال کوچ کرنے کے اثناء میں وہ عرصہ تک حجاز میں بمقام طبرم جو مکہ کے قریب ہے سکونت پذیر رہے۔ جب وہ ملک شام کے شمال کی طرف اور آگے بڑھے تو انہوں نے اپنا نام قضاہ کو چھوڑ کر غسان رکھ لیا۔ کیونکہ وہ راہ میں مدت تک اسی نام کے ایک چشمر کے قریب مقیم رہے تھے۔ بعد ازاں اوس اور خزرج دو قبیلے ان غسانیوں سے جدا ہو کر بئر ب میں جو بعد میں مدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔ جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ازد کی سفارت جو یمن سے آنحضرت صلیم کی خدمت میں پہنچی تھی اُس کا سردار صرد بن عبد اللہ ازدی نامی ایک شخص تھا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں :-

”محمد (صلعم) نے اس شخص کو اس قوم کا حاکم تسلیم کر لیا تھا اور قرب و جوار کے محبت پرست قبیلوں سے جنگ کرنے کے لئے اس کو حکم دے دیا تھا“ (سیرت محمد جلد چہارم صفحہ ۲۱۹)
 اصلی ہزکروں میں عربی لفظ ”بجھاد“ (ابن ہشام صفحہ ۹۵۲۔ ابن سعد ۸۶) ہے جس کے معنی صرف ”کوشش کرنا“ ہیں اس کے معنی ”جنگ کرنا“ نہیں ہیں۔ جیسا کہ سر ولیم میور نے سمجھا ہے انہوں نے خود بھی اس لفظ کا ترجمہ جلد سوم صفحہ ۳۲ ”کوشش کرنا“ کیا ہے۔ اور اسی جلد کے (دیکھو صفحہ ۵۹)

و یہود جس کسی نے اسلام قبول کیا خوشی سے بطور و رغبت اختیار کیا۔ اسلام نے سالہا سال تک پیغمبر اسلام (صلعم) کی بعثت کے تیسرے سال سے ہجرت کے چھٹے سال تک جو سولہ سال کی مدت ہوتی ہے نہایت سخت آزمائشیں بروا کی تھیں مگر جس طرح مسلمانوں کے امن و اطمینان کے زمانہ میں اسلام نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) صفحہ ۲۹۵ پر اسی کا ترجمہ ”سعی بلیغ کرنا“ کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کے کتب خانہ الف میں اس مضمون پر مفصل بحث کی ہے۔

۸۵ بنی ازد کی ایک اڈر شاخ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

۸۶ بنی ہاہلہ جن کو ”سعدینا“ بھی کہتے ہیں غطفان کی اولاد ہیں۔ جو معدی نسل سے تھا۔

۸۷ بنی ہراء (بن عمرو بن الحاف بن قضاہ جو حمیری نسل سے بنی قضاہ کی ایک شاخ تھے۔ شمال کی طرف نقل مکان کر کے چلے گئے تھے۔ اور غسانی علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ زرنانی جلد ۴ صفحہ ۴۶۔

۸۸ بنی بجلہ، خثعم کے ہم جدی اور انما بن نزار کی اولاد ہیں تھے جو قحطانی نسل سے تھا یہ لوگ یمن میں رہتے تھے۔ بنی بجلہ نے قبول اسلام کے بعد مشہور بت ”خلصہ“ کو توڑ دیا تھا۔

۸۹ یہ لوگ بنی عامر بن مصعبہ کی ایک شاخ تھے۔ اور وسط عرب میں رہتے تھے۔

۹۰ ہمامہ اور خلیج فارس کے ساحل کے قریب رہتے تھے۔ یہ ایک معدی قبیلہ تھا۔ جنگ بسوس بنی بکر اور ان کے ہم جدی قبیلہ بنی تغلب کے درمیان چالیس سال تک جاری رہی۔ قبیلہ بنی بکر میں مشہور شعراء گزرے ہیں۔ منجمد ان کے طرف، حارث بن حلزہ اور میمون الاعشی ہیں۔ بنی بکر اور تیم باہم برسر جنگ تھے جو اسلام کی برکت سے اس وقت موقوف ہوئی جب کہ دونوں فریق نے آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات میں اسلام قبول کر لیا۔

۹۱ بنی خزاعہ کی ایک شاخ، اور حمیری خاندان سے تھے جو قحطان کی نسل سے تھا۔ یہ لوگ عرب کے شمال میں مکہ شام کی سرحد پر غسانی علاقہ میں جا بسے تھے۔

۹۲ قبیلہ بنی قضاہ کی ایک شاخ تھی۔ (ابن سعد ۹۹)

۹۳ قبیلہ لخم کی ایک شاخ تھی۔

۹۴ شخص فروہ بن عمر الجذامی قبیلہ بنی جذام کا (زرنانی جلد ۴ صفحہ ۵۲) جو عرب کے شمال میں آباد تھا ایک عرب تھا۔ اور غسانی علاقہ میں معان کا (رومیوں کی طرف سے) عامل تھا۔ اس نے شہر میں ایک دفن کے ذریعہ سے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا۔ (ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۵۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔ ابن سعد ۱۰۱)۔ (باقی بر صفحہ ۶۸)۔

ترقی کی۔ اسی طرح اذیتوں اور مخالفتوں کے درمیان اس نے کامیابی حاصل کی۔
آنحضرتؐ نے مکہ میں ظلم و ستم کے جو مصائب کمال استقلال و ثبات قدمی سے برداشت
کئے۔ اور مدینہ میں بھی قریش وغیرہ کے جنگی حملوں کے خطرے صبر و استقامت سے
جھیلے۔ اور جملہ باشندگان عرب بُت پرست اور یہود و نصاریٰ کو بطوع و رغبت

(نقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) ۱؎ اس قبیلہ کا حال پہلے فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا ہے۔ ان کا وفد آنحضرتؐ
کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جبکہ آپ بنوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۶۱۔
۲؎ یہ لوگ قحطانی نسل سے اور انمار کی اولاد تھے۔ ابن سعد ۹۹۔

۳؎ بنی ازد کی ایک شاخ مکی جو مین میں رہتے تھے۔

۴؎ بنی ازد کے حال میں ان کا ذکر پہلے اچکا ہے۔

۵؎ بنی ہمدان قحطان کی اولاد میں تھے۔ مین کے مشرق میں یہ ایک مشہور قبیلہ تھا۔

۶؎ قبیلہ بنی بکر کی ایک سچی شاخ مکی جو یامہ میں رہتے تھے۔ سر ولیم میور سیرت محمدی جلد دوم صفحات ۳۰۳۔
۳۰۴ کے فٹ نوٹ میں یہ لکھتے ہیں:-

”بنی حنیفہ کی سفارت کا حال یقیناً مذہب عیسوی کے زیادہ تر خلاف ہے مگر اس کے تفصیلی حالات
کی سنہ مشکوک اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ مسئلہ نبی کا ذب ان میں شامل تھا۔ اور اُس کے بے دینی
کے آئندہ دعاوی کی بابت کچھ خلاف قیاس اشارات پائے جاتے ہیں۔“

”جب سفارت رخصت ہونے لگی تو محمد (صلعم) نے اُن کو ایک برتن دیا جس میں اُس پانی کا
”بچا ہوا کچھ حصہ تھا۔ جس سے اُن کو پاک کیا گیا تھا، اور آپ نے اُن سے یہ کہا ”جب تم اپنے ملک
”میں پہنچو تو اپنے گرجا گھر کو توڑ کر یہ پانی اُس میں چھڑک دینا اور اس کی جگہ مسجد بنادینا“۔

”یہ کہانی مجھے خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اؤر کمیں ایسا بیان نہیں کیا گیا کہ محمد (صلعم)
نے عیسائیوں اور اُن کے گرجوں سے ایسی مخالفت ظاہر کی ہو۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ
”وہ آپ کے مطیع بھی ہو گئے ہوں۔“

مصنف موصوف اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں اس رائے کو بدل کر یہ لکھتا ہے:-

”میں نے وہاں (جلد دوم) میں اس حکایت کو خلاف قیاس بیان کیا ہے مگر اب میں اس خیال کی طرف
”مائل ہوں کہ محمد (صلعم) کی زندگی کے آخری ایک دو سال میں مسیحیت کے خلاف بہت کچھ مخالفانہ
”جوش موجود تھا۔ جیسا کہ شامی اور عربی قبائل کے اقرار سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے اس تھک کی تائید
”ہوتی ہے“ (دیکھو سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۲۱۸ فٹ نوٹ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)۔ (باقی برصغیر)

اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی ۔

س۔ یہ سب کچھ اس بات کا نتیجہ تھا کہ آپ اپنے مستحکم اصول کی بناء پر نہایت سختی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۹) یہ مصنف کا خیال ہی خیال ہے اور آنحضرت ص کی طرف سے دین مسیحی کی مخالفت آپ کی زندگی میں کسی زمانہ میں بھی ثابت نہیں ہوتی۔ سوائے ان لوگوں کے جو آپ سے جنگ کرتے تھے۔ قرآن مجید کی آیہ مندرجہ ذیل سے ثابت ہو گا کہ میرا بیان کہاں تک صحیح ہے :-

”بچے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (مسلمان) اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابی ہیں۔ اُن میں سے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرتے رہے۔ اُن کو اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ملیگا اور اُن پر نہ خوف طاری ہو گا اور نہ وہ عکسین ہوں گے۔“ (البقرہ ۲- آیت ۵۹)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَادُوْا
وَالنَّصَارَیَ وَالصَّابِیْنَ مَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَکَمَلَ صَالِحُہُمْ
تَعَالٰیہُمْ اُولٰٓئِکُمْ عِنْدَ رَبِّہُمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ
وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۵۹)

۱۳۔ یہ بھی یمن کا ایک عیسائی قبیلہ تھا جو بنی مذحج کی قحطانی نسل سے اور اسی لئے بنی کنندہ کے حلیف تھے۔ اس سفارت کے دو شخصوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں سے ایک وفد کا سردار تھا جس کا نام عاقب یا عبدالمسح تھا۔ باقی ماندہ اشخاص آنحضرت ص کی طرف سے اپنی تہذیب اور مذہبی آزادی کی حفاظت کی بابت پورا اطمینان حاصل کر کے واپس آ گئے۔ (زرتانی جلد ۴ صفحہ ۴۹- یعقوبی جلد ۴ صفحہ ۹۰)۔ بنی حارث سکند بخران کی نسبت مزید اطلاع اصل کتاب (تحقیق الجہاد) کے فقرہ (۳۰) اور فقرہ (۳۸) کے فٹ نوٹوں میں ملے گی۔ سرولیم پور لکھتے ہیں :-

”کاتب الواقعی صفحہ ۶۹- نصار نے بخران کے حالات مابعد وہاں درج کئے گئے ہیں وہ محمد (صلعم) کے ”باقی ماندہ زمانہ حیات اور حضرت ابوبکر رض کے تمام زمانہ خلافت میں، عہد نامہ کے بموجب، اپنی زمینوں اور حقوق پر قابض رہے۔ پھر اُن پر رباخواری کا الزام لگایا گیا۔ اور حضرت عمر رض نے اُن کو ملک سے خارج کیا اور یہ لکھا :- (ملاحظہ ہوا بن سعد صفحہ ۱۰۳) جس میں اس مضمون پر پوری بحث کی گئی ہے۔“

”امیر المؤمنین عمر رض کا مراسلہ سکند بخران کے نام۔ ان میں سے جو شخص نقل مکان کر کے چلا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے۔ کوئی مسلمان اُن کو ستانے نہیں پائیگا۔ اس عہد نامہ کے پورا کرنے کے لئے جو محمد (صلعم) اور ابوبکر رض نے اُن کو لکھا تھا۔“

”اب شام اور عراق کے خواہ کسی سردار کے پاس جائیں۔ ایسے سرداروں کو چاہیے کہ اُن کو زمینیں دیں اور جو کچھ ان زمینوں میں کاشت کریں وہ اُن ہی کا مال ہو گا۔ یہ اُن کی اپنی زمینوں کا سعادہ نہ ہے کوئی اُن کو تکلیف دینے یا اُن سے بدسلوکی کرنے نہیں پائے گا۔ حملہ آوروں کے مقابلہ میں مسلمان اُن کی

کامل وفاداری سے الہی صداقت کا وعظ فرماتے تھے۔ اور بصدق دل اپنی رشتہ
کا یقین رکھتے تھے۔ (۱۔ برصغیر ۷۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۵) ”مرد کریں گے۔ اُن کا خراج دو سال کے لئے معاف کیا جاتا ہے۔ اُنکو بد اعمالیوں
وہ کے سوا کسی وجہ سے تکلیف نہیں دی جائیگی۔ ان میں بعض عراق میں اُنترے اور کوفہ کے قریب
”بمقام بخرانہ آباد ہوئے۔ چونکہ اس کا روائی کو جائز قرار دینے کے لئے اُن پر سود خواری کا الزام
”بیان کیا جاتا ہے۔ لہذا وہ عام روایت بالکل باطل معلوم ہوتی ہے۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے
”کہ محمد (صلعم) نے اپنی وفات کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ جزیرہ نما سے عرب کو اسلام کے سوا تمام دیگر
”مذہب سے صاف کر دیا جائے“ (سیرت محمدی از سر ولیم مور جلد دوم صفحات ۳۰۱ و ۳۰۲ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ)

۷۴ یہ لوگ اس بڑے قبیلہ غطفان کی اولاد میں تھے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔
۷۵ بنی حمیر یمن کے رہنے والے تھے۔ حمیری اس قدر مشہور ہیں کہ اُن کا حال بیان کرنے
کی ضرورت نہیں ہے۔ رویان، معافر، ہمدان اور یزین کے حمیری شہزادوں نے جو سبیلین
کے باشندے اور دین عیسوی کے پیرو تھے اسلام قبول کیا۔ اور اپنے اسلام لانے کا اعلان خطوط
کے ذریعہ سے کیا۔ جو آنحضرت ص کی خدمت میں سفارتوں کی معرفت روانہ کئے گئے تھے۔ یہ سفارتیں
آپ کی خدمت میں بتوک سے واپس آنے کے بعد پہنچی تھیں۔

۷۶ یا تو یحکم کا ایک قبیلہ تھا اور یا بنی عامر کی ایک شاخ تھی۔
۷۷ قبیلہ بنی عامر بن معصمہ جس کا بیان پہلے آچکا ہے۔ یہ اُسی قبیلہ کی ایک شاخ تھی۔
۷۸ جعفر بن الجندی بادشاہ عمان تھا۔ اس نے ۹۸ھ ہجری میں مع باشندگان عمان کے اسلام
قبول کیا۔ عمان کے لوگ از دی نسل سے تھے۔ (ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۷)۔

۷۹ ان کا حال فقرہ (۲۴) کے فٹ نوٹ میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔
۸۰ سعد العشیرہ کی ایک شاخ اور قحطانی نسل سے تھے۔ یہ قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔ ابن سعد ۷۴۔
ان لوگوں میں ایک خاص تقصیب تھا کہ وہ کسی جانور کا دل نہیں کھاتے تھے۔ آنحضرت ص نے اُن کے
سردار کا یہ وہم اس طرح توڑا کہ ایک جانور کے دل کے کباب بنا کر اس کو کھلائے۔ (ابن سعد ص ۷۴)۔
مگر جب یہ کہا گیا کہ اس سردار کی ہانچ پر دم و خیز کشی کی مرتکب ہوئی تھی۔ دوزخ میں ڈالی گئی
ہے۔ تو وہ لوگ نفرت کر کے چلے گئے۔ تاہم انہوں نے دوبارہ ایک اور وفد بھیجا اور آخر کار اسلام
قبول کر لیا۔ (ابن سعد صفحہ ۷۵ فارسی)۔

۸۱ یہ لوگ دومۃ الجندل میں آباد تھے۔ جو آجکل جبل الجوف کہلاتا ہے اور عرب کے شمال میں واقع
ہے۔ قبیلہ بنی قضاعہ سے تھے جو حمیری نسل سے ہے۔

۸۲ یمن کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ وہ یمن میں اسی نام کے ایک پہاڑی علاقہ میں رہتے تھے۔

۳۳۔ اہل عرب کو اُن کی قومی بُت پرستی سے نکال کر ایک ایسے مذہب میں
تلقین اسلام کے لئے آنحضرتؐ کے
لانا جس میں خالص اور صحیح توحید تھی، آنحضرتؐ
کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ عرب کی حالت یہ تھی
گرد و پیش کے حالات مساعد نہ تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۳) ۳۳۔ قحطانی نسل کا ایک قبیلہ اور ساحل یمن پر آباد تھا۔ ابن سعد ۷۲۔
۳۴۔ بنی عامر بن صعصعہ کا ایک خاندان تھا جو قبیلہ ہوازن سے تھا اور جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔
۳۵۔ خزیمہ کی اولاد میں تھے۔ جو معدی نسل سے تھا۔
۳۶۔ بنی کندہ کے شاہزادے، وائل بن حجر اور اشعث بن قیس تھے۔ پہلا شخص ساحل کا سردار تھا
اور دوسرا حضرت موت کا۔ جو عرب کے جنوب میں ہے۔ انہوں نے مع اپنے تمام قبائل کے اسلام قبول
کر لیا۔ بنی کندہ کنعان کی نسل سے ایک طاقتور قبیلہ تھا (ابن ہشام صفحہ ۹۵۲۔ ابن سعد ۷۷)۔
۳۷۔ بنی غدرہ کا ایک خاندان تھا جو قبیلہ بنی قضاہ سے تھے۔ جن کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو
چکا ہے۔

۳۸۔ غطفان کی اولاد اور معدی نسل سے تھے۔ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۵۸۔ ابن سعد ۱۰۲)۔
۳۹۔ یہ لوگ ساحل یمن پر آباد تھے۔ اور قبیلہ مزنی اور قحطانی نسل سے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۵۰
ابن سعد ۷۶)۔

۴۰۔ بنی عامر بن صعصعہ کے قبیلہ کی ایک شاخ تھی۔
۴۱۔ بنی ذبیان کی ایک شاخ تھی۔
۴۲۔ قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا اور یمن میں سکونت پذیر تھا۔ اُن کے وفد میں دونسلو آدمی تھے
کہتے ہیں کہ آخری وفد جو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہی تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے حضرت
علی (علیہ السلام) کو بنی نضج اور دیگر قبائل بنی مدح کی طرف بغرض دعوت اسلام میں بھیجا
گیا تھا۔ (ابن سعد ۹۳)۔

۴۳۔ بنی قضاہ کا ایک قبیلہ تھا اور یمن کی حمیری نسل سے تھا۔
۴۴۔ قبیلہ بنی قضاہ کی ایک شاخ ہے جو ملک شام میں آباد تھی۔ جس کا حال فقرہ (۲۶) میں بیان ہو چکا
۴۵۔ بنی مدح کا ایک قبیلہ جو یمن کی قحطانی نسل سے تھا۔
۴۶۔ بنی عامر بن صعصعہ کا ایک قبیلہ تھا جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔
۴۷۔ بنی قضاہ کا ایک قبیلہ اور معدی نسل سے تھا۔ اور بعض مورخین کے قول کے موافق ان کا
نکاس یمن سے تھا۔

۴۸۔ حضرت موت کی اولاد اور یمن کی قحطانی نسل سے تھے۔
۴۹۔ بنی حنیفہ کا ایک قبیلہ اور بکر بن وائل کی اولاد میں تھے۔ جس کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔
(باقی صفحہ ۶۴)

کہ قدامت پرستی میں بالکل ڈوبا ہوا تھا۔ اور کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی جس سے کسی مفید انقلاب کے پیدا ہونے کی توقع ہو بٹ پرستی جس کا ملک میں عام رواج تھا۔ وہم پرستی جس کی جڑ قوم کے دل میں خوب جمی ہوئی تھی۔ مرنی اور ماؤی معبودوں یعنی بتوں اور بغیر ترشے پتھروں کی پرستش جن کو آنکھ سے دیکھ سکتے

تھے۔ بنی شیبان کا ایک قبیلہ اور بکربن وائل کی اولاد میں تھے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

۱۵۰ بنی ثقیف، معدی نسل کے قبائل مضر کی ایک شاخ تھے۔ وہ بنی ہوازن کی ایک شاخ اور بنی عدوان، غطفان اور سلیم کے ہم جدی تھے۔ بنی ثقیف طائف میں رہتے تھے اور کلات یا طاغیہ نام بٹ کی جو جاکرتے تھے۔ طائف کا ایک سردار سستی عروہ بن مسعود قبول اسلام کی غرض سے مدینہ گیا تھا اس شخص کی عالی حوصلگی کا پہلا میلان یہ تھا کہ طائف واپس جا کر اس نے اپنے ہموطنوں کو ان بڑلوں میں حصہ لینے کے لئے دعوت دی جو نئے دین (اسلام) نے عطا کی تھیں۔ جب اُس نے اپنے اسلام لانے کا حال علی الاعلان بیان کیا تو ایک جماعت نے اس کو زخمی کیا اور وہ درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۴۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۸)۔ مگر اس نے اہل طائف پر اسلام کا ایک عہدہ اور مفید اثر چھوڑا۔ ان لوگوں کے وفد میں چھ سردار اور اُن کے پندرہ بیٹے ہمراہی تھے۔ جناب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خوشی سے اُن کو خیر مقدم کہا۔ اور اپنی مسجد کے صحن میں اُن کے آرام کے لئے ایک نیچہ نصب کیا۔ ہر روز شام کو کھانا کھانے کے بعد آنحضرت ص و ہیں اُن سے ملاقات کرتے اور دین اسلام کی تعلیم دیتے تھے یہاں تک کہ اندھیرا ہو جاتا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۴)۔

سرو لیم میور لکھتے ہیں :-

”عروہ کی شہادت سے باشندگان طائف پر الزام عائد ہوا اور وہ اُس مخالفانہ روش کے جاری رہے جو مجبور ہوئے جو انہوں نے پہلے سے اختیار کر رکھی تھی۔ مگر بنی ہوازن نے بسر کر دی مالک بن عوف الثفیری لوٹ مار کے جو حملے اُن لوگوں پر کئے اُن سے اُن کو سخت تکلیف پہونے لگی۔ اس (سردار مالک) نے اپنے عہد و پیمان کے بموجب اہل طائف کے برخلاف روز افزوں غارتگری کی جنگ قائم رکھی“ (سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۰۴)۔

صفحہ ۵۵ پر مالک کی نسبت صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں :-

”اپنی سرداری پر مستقل ہو کر اُس نے اہل طائف کے ساتھ دائمی جنگ جاری رکھنے کا عہدہ و پیمان کر لیا“۔

مگر مالک کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا تھا۔ وہ سند (ہشامی) جس کا حوالہ سرو لیم میور نے دیا ہے اُس میں اس ادھائی عہد و پیمان کا کچھ ذکر نہیں (باقی پر صفحہ ۶۵)۔

اور ہاتھ سے چھو سکتے ہیں۔ اور غیر مرئی جنات اور دیگر ارواح حبشیہ کا خوف ان سب باتوں نے اہل عرب کے دلوں کو ایک سخت اور صریح علامی میں جکڑ بند کر رکھا تھا۔ عرب بُت پرستی کے عقیدہ پر جما ہوا اور اُس پر نہایت مصر تھا اور چونکہ اس جزیرہ نماء کی

(نقیذہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵۷) (دیکھو ہشامی صفحہ ۸۷۹) ہشامی میں صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت ۴ نے مالک کو اس کے قبیلہ کے اُن لوگوں کا سردار بنایا تھا۔ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ خاندان شمالہ۔ سلمہ اور قہم تھے۔ اور مالک اُن کی ہمارا ہی میں بنی ثقیف کے ساتھ لڑا کرتا تھا۔

سروہیم میور آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ اہل طائف نے آپس میں یہ بات کہی تھی کہ ”ہم کو ارد گرد کے اُن قبائل عرب سے لڑنے کی نواب نہیں ہے جو محمد (صلعم) سے بیعت کر چکے ہیں (یعنی اسلام لائے ہیں)۔ اور آپ کی حمایت میں جنگ کرنے کا قول و قرار کر چکے ہیں۔ (جلد چہارم صفحہ ۲۰۵۔ ابن ہشام صفحہ ۹۱۵)۔

جن الفاظ پر میں نے خط کھینچا ہے۔ وہ اصل اسناد (کتابوں) میں پائے نہیں جاتے ہشامی صفحہ ۹۱۲ پر یہ الفاظ ہیں۔ ”بالیعوا واسلموا“ یعنی انہوں نے بیعت کی اور اطاعت کی یا اسلام قبول کیا۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۱۲ تا ۹۱۹۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۸)۔

۵۵۲ بنی قضاہ کی اولاد تھی اسی نام کی ایک پہاڑی (سلمان) پر رہتی تھی۔ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۷۳۔ ۵۵۳ بکر بن وائل کی شاخ اور اس کی نسل سے تھے۔ ابن سعد ۸۰۔

۵۵۴ مین کی قحطانی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ ابن سعد ۷۶۔

۵۵۵ بنی تغلب بن وائل معدی نسل کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ لوگ کی الاصل اور بنی بکر بن وائل کے ہم جہل تھے اُن کی جنگیں تو تاریخ عرب میں مشہور ہیں۔ بنی بکر کے حال میں جنگ یسوس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے یہ ہم جدی قبیلہ یعنی بنی بکر اور بنی تغلب، یامہ، بکون، نجد اور تہامہ میں رہتے تھے۔ مگر آخر کار بنی تغلب نقل مکان کر کے عراق عرب میں چلے گئے۔ اور انہوں نے دین مسیحی اختیار کر لیا۔ اُن کے وفد کے لوگ جو آنحضرت ۴ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ملائی صلیبیں پہنے ہوئے تھے۔ جب اُن سے اسلام لانے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ مگر یہ وعدہ کیا کہ ہم اپنی اولاد کو مسلمان ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ آنحضرت ۴ نے اُن کو بدستور دین مسیحی پر قائم رہنے دیا۔ اُن کی مسیحیت محض برائے نام تھی۔ حضرت علی ۴ خلیفہ چہارم نے اُن کی بابت یہ الفاظ کہے تھے۔ ”بنی تغلب مسیحی نہیں ہیں۔ انہوں نے مسیحیت سے صرف شراب خواری کی رسم ستھار لی ہے“ (دوزی ہسٹری اسپین جلد ۲ صفحہ ۲۰ فرینچ اڈیشن)۔

۵۵۶ بنی کنذہ کا ایک قبیلہ جو مین کے قبیلہ سکون کی ایک شاخ تھا۔ (زرقانی جلد ۴ صفحہ ۵۹۔ ابن سعد ۴۳)۔

۵۵۷ بنی تہیم یا بنی الیاس کی اولاد سے تھے جو معدی نسل سے تھا۔ یہ لوگ نجد کی تاریخ میں مشہور ہیں اور نجد کے شمال مشرقی صحرا میں سرحد شام سے ہمانہ تک آباد تھے۔ وہ بنی بکر بن (باقی صفحہ ۷۴)۔

آباوی کثرت سے دور و درنگ پھیلی ہوئی تھی اور ملک میں ایک باضابطہ نظام تھا۔ اس لئے اول تو قومی اعزاز کے خیال لئے و بعد ازاں تلوار نے بہت پرستی کی حمایت کی۔
ڈاکٹر مارکس ڈاؤس لکھتے ہیں :-

دور حقیقت یہ کام جو محمد (صلعم) نے اختیار کیا تھا اُمید دلانے والا کام نہ تھا۔ جبکہ آپ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) عبیدناۃ کے ساتھ جو معدی نسل اور کنانہ کی اولاد سے تھے ۶۱۵ء سے ۶۳۰ء تک برابر لڑتے رہے۔ اس قبیلہ کی تمام شاخیں جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ اب ۶۳۰ء میں مسلمان ہو گئیں۔

۵۹۵ء بنی سُلَیْم کی خطائی نسل کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اور شمال کی طرف حرکت کر کے کوہ اجا اور کوہ سلے میں جو نجد اور حجاز کے شمال کی طرف واقع ہیں اور قبضہ یتیم میں جا بسے تھے۔ انہوں نے دین مسیحی اختیار کر لیا تھا۔ مگر بعض یہودی اور بہت پرست تھے۔ اُن کی خانہ جنگی کا حوالہ فقرہ (۲۶) میں دیا گیا ہے یہ قبیلہ اب کل کا کل مسلمان ہو گیا۔ سرولیم میور لکھتے ہیں :-

”بنی سُلَیْم کا ایک ذریعہ گردگی اپنے سردار سی زید بن جیل کے حضرت علیؑ کی ہم کے غور سے عرصہ بعد قبیلہ ”کوفہ“ دے کر چھڑانے کے لئے مدینہ میں آیا۔ آنحضرتؐ زید سے مل کر خوش ہوئے جس کی شہرت ”بحیثیت ایک سُورہ اور ایک شاعر کے آپ عرصہ سے سُنے رہے تھے۔ آپ نے اس کا نام تبدیل کر کے زید الجفر (یعنی صاحبِ جفر) رکھا۔ اس کو مصلحت کا ایک بڑا قطعہ عطا فرمایا۔ اور بہت سے تحائف دے کر رخصت کیا“ (سیرت محمدی از سرولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۷۸-۱۷۹ یا ابن ہشام صفحہ ۹۴-۹۵ زرقانی جلد ۴ صفحہ ۲۹)۔

۵۹۹ء یہ قبیلہ سعد العشرہ کی ایک شاخ تھا۔ جو قبیلہ مذحج اور نسل قحطان سے تھا۔ یہ لوگ یمن کے ساحل پر آباد تھے۔ ابن ہشام صفحہ ۹۰۱۔ ابن سعد ۷۷۷۔

حاشیہ صفحہ (۶۲)

۱۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تقریباً تمام عرب کی بغاوت جس کو غلطی سے ارتداد (مذہبی انحراف) کہتے ہیں۔ وہ خاص کر حضرت ابو بکر رضی کی سلطنت کے خلاف تھی۔ جو اسلام کی جمہوری سلطنت کے پہلے خلیفہ ہوئے۔ مگر کے سرداروں کو تمام عرب پر اس قسم کا اقتدار مطلق کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اور عرب اس نئی قسم کی سلطنت کے عادی نہ تھے۔ وہ نہ تو اسلام کے خلاف باغی ہوئے اور نہ اپنے مذہب سے مغرور اور مرتد ہوئے۔ بائیں اشارہ معدودے چند جو کچھ عرصہ کے لئے مسیلہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے۔

”یہ بخوبی کی کہ اُن قبائل کو جن پر کسی مذہب کا گہرا رنگ چڑھ نہیں سکتا تھا اور جن میں باہم
 ”دو گرا سیسا اختلاف تھا کہ کسی طرح مٹ نہیں سکتا تھا۔ مذہب کے ذریعہ سے بلا جلا کر ایک
 ”قوم بنا دیا جائے، اُن رسموں کو جو نہایت ہی قدیم ہونے کی وجہ سے جائز اور پسندیدہ
 ”ہو گئی تھیں، مٹا دیا جائے۔ اور اُس بُت پرستی کو جو بنیاد سے اُکھڑ کر پھینک دیا جائے
 ”جس کا اہل عرب کی روحانی فطرت پر اگر کوئی گہرا اثر نہ پڑا تھا تو کم از کم قدیم خاندانی روایات
 ” اور متعارف قومی اغراض سے وابستہ تھیں۔

وہ قریبائیاں (یعنی ضبط نفس کی عادات) جو اسلام اختیار کرنے کی صورت
 میں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ وہ ضروریات جن پر اسلام کا وار و مدار ہے۔ اس کے
 بے شمار نواہی۔ قدیم تعصبات سے فی الفور روگردانی، تمام قسم کی بُت پرستی اور
 وہم پرستی کا ترک کرنا، منظور نظر بُتوں کو اُٹھا کر پھینک دینا۔ اوارگی و اواباشی
 کی رسموں اور عادتوں کو چھوڑ دینا۔ نفسانی لذتوں کے عیوب سے قطعی اجتناب کرنا۔ علی
 نتیجہ پیدا کرنے کی غرض سے قوت ارادی اور خصلت بردباؤ ڈالنا۔ اور پاک اور
 مذہبی زندگی بسر کر کے مادی (دنیوی) منافع حاصل کرنا۔ یہ تمام امور اسلام
 کی سریع السیر ترقی کے لئے ایسی سخت رکاوٹیں تھیں جن سے گزر
 جانا محال تھا۔

باوجود ان مزاحمتوں کے آنحضرتؐ کو اپنے مذہب کی قوت کی بدولت اس
 بات میں کامیابی حاصل ہوئی۔ کہ آپؐ نے وحشی اور آزاد قبیلوں کو ملا جلا کر ایک
 قوم بنا دیا۔ اُن کے باہمی جنگ و جدل کا خاتمہ کر دیا۔ اُن عادتوں کو جو نہایت قدیم
 ہونے کی وجہ سے جائز و پسندیدہ قرار پا چکی تھیں ترک کرادیا اور قومی بُت پرستی کے
 درخت کو جس نے ویسی پودے کی طرح اپنی مناسب حال سرزمین (عرب) میں نشوونما

پایا تھا جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ بغیر اس کے کہ آپ کی راستی، صداقت اور
دیانت کے مستحکم اصول میں کسی نوع کا خلل واقع ہو۔ اور بغیر اس کے کہ قوم کی
برائیوں اور یہودہ توہمات کو اختیار کیا جائے۔
ڈاکٹر مشیم کی رائے یہ ہے :-

» اس نئے مذہب کی شبک سیر ترقی کے اسباب کا پتہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ محمد (صلعم)
» کا قانون انسان کے قدرتی میلان طبع کے لئے اور بالخصوص اُن اطوار و خیالات و عیوب کے
» لئے جو اہل مشرق کے درمیان رائج تھے نہایت عمدہ طور پر موزون تھا۔ کیونکہ وہ نہایت ہی
» سادہ تھا۔ اس نے چند گنتی ہی کے عقائد پیش کئے ہیں اور ایسے فرائض پر زور نہیں دیا
» جو تعداد میں زیادہ ہوں اور جن کا بجالانا دشوار ہو یا جن کی وجہ سے نفسانی خواہشوں
» کے پورے ہونے میں سخت مزاحمت ہو۔«

تو تاریخ مذاہب کے مطالعہ سے یہ امر عیاں ہے کہ لوگ بالعموم اس بات کی
نہایت ہی کوشش کرتے ہیں کہ ہم میں جو خیرائیاں پائی جاتی ہیں، اُن کے لئے
کسی طرح مذہبی منظوری کا پروانہ مل جائے۔ مگر اس بات میں کچھ شک نہیں۔ کہ
آنحضرتؐ نے عرب کی طرح کی بُت پرستیوں اور مذہبی توہمات کی ہرگز منظوری
نہیں دی۔ اور نہ آپؐ نے لوگوں کے مذاق اور خیالات کے موافق اپنے مذہبی
مسائل کو وضع کیا۔ آپؐ نے قوم میں جن جن باتوں کو قابل الزام پایا اُن کے خلاف
زور و شور کے ساتھ وعظ فرمایا۔ آپؐ نے نہ تو اُن کے پیارے بُتوں اور عزیز دوتاؤں
کو چھوڑا اور نہ اُن جنات ہی کو جن سے وہ ڈرتے تھے اور نہ اپنے وعظ و نصیحت
اور اصلاح و ہدایت میں کوئی ایسی تبدیلی کی جس سے اُن لوگوں کو اپنی بد اطوار یوں
میں منہمک رہنے کا موقع مل سکے۔ اور نہ اُن عیوب میں سے جو قوم میں رائج تھے

کسی عیب کو اپنی تعلیم و تفتین میں داخل کیا۔

آنحضرتؐ نے نفسِ امارہ کی خواہشوں کے روکنے پر یقیناً زور دیا ہے۔ اور قلب کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ قرار دیا ہے اور اندرونی پاکی کو ظاہری مراسم پر ترجیح دی ہے (جیسا کہ آیات ذیل سے ثابت ہوتا ہے) :-

۵۳۔ اِنَّ النَّفْسَ لَآ مَارَةَ بِالسُّوْرِ
(یوسف ۱۲۔ آیت ۵۳)۔
۵۳۔ نفس تو اللہ ہی کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ (یوسف ۱۲۔ آیت ۵۳)۔

۳۸۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
اُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا
(بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۸)
۳۸۔ کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔

۲۲۵۔ لَا يُوَفِّقُكُمُ اللّٰهُ بِالْعَمَلِ
اَيُّهَا نَفْسُ وَاٰلِهِنَ يَوْمَ اَعَزُّكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ فَلَوْ كُنتُمْ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ عَلِيْمٌ
(البقرہ ۲۔ آیت ۲۲۵)

۲۸۴۔ اللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ وَاَنْ تَبْذُرُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ
اَوْ تَخْشَوْهُ يَحْكُمْ بِرِ الْاَلٰهِيْنَ فَيُخَرِّجُنَّ مِمَّا
وُيَعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ
(البقرہ ۲۔ آیت ۲۸۴)۔

۵۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ
وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ
(الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵)
۵۔ اور تم سے اس معاملہ میں غلطی ہو جائے تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ مگر دل کے ارادہ سے ایسا کرو تو اللہ گناہ ہے۔ (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۵)

قرآن مجید کی تعلیم ہمارے طبعی میدان کو ضابطہ کا پابند رکھتی ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں پر زور ڈالتی ہے۔ اندرونی پاکیزگی کی بابت احکام مندرجہ ذیل پر غور کرو۔
۱۲۰۔ وَذُرُوا ظَاهِرًا لِأَنَّهُمْ وَبَاطِنًا ۱۲۱۔ اور ظاہری گناہ اور باطنی گناہ (دونوں)

(الانعام ۴۔ آیت ۱۲۰) سے بچتے رہو۔ (الانعام ۴۔ آیت ۱۲۰)

۱۵۲۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ حَشَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۱۵۳۔ اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ اُن کے پاس بھی نہ جانا (الانعام ۴۔ آیت ۱۵۲)

۳۱۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالنَّبَغَ ۳۲۔ (اے پیغمبر!) کہو کہ میرے پروردگار نے تو بھائی کے کاموں کو خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ (الاعراف ۳۱۔ آیت ۳۱)

ڈاکٹر مشیم کے اسباب اشاعت اسلام کا ذکر کرنے کے بعد میں اسلام کے اسباب کامیابی کی بابت ہنری ہیلیم کی رائے نقل کروں گا۔

ہنری ہیلیم نے اسلام کی کامیابی کے تین بڑے بڑے سبب بیان کئے ہیں جن میں سے پہلا سبب یہ لکھا ہے کہ ”خدا کی ذات اور اخلاقی فرائض کی بابت وہ صحیح اور اعلیٰ خیالات یعنی قرآن کی ذریعہ تعلیم جو اس طرح چھائی ہوئی ہے جیسے سونے کی دھات میل مٹی میں ملی ہوئی۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ ان خیالات نے

لے قرآن مجید کی تعلیم خالص گنہگار کی مانند ہے۔ اس میں میل مٹی یا کثافت کا کبھی نام و نشان بھی نہیں۔ خدا کی ذات و صفات اور روحانی اور اخلاقی اصول وغیرہ امور کو جیسا مکمل اور مدلل قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ آج تک دنیا کی کسی الہامی اور غیر الہامی کتاب نے بیان نہیں کیا۔ بائبل میں تو خدا کی بابت ادنیٰ درجہ کے خیالات پائے جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام جو دنیا کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اُن کی اخلاقی حالت ایسی پست دکھائی گئی ہے کہ ایک معمولی انسان کا اخلاق بھی اس سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے۔ یہ خلاف قرآن مجید کے کہ وہ ہر ایک اعتبار سے مکمل و افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور خالص وحی ہے اور بائبل میں خدا اور انسان دونوں کا کلام مخلوط ہو گیا ہے۔ جیسا کہ خود عیسائیوں کو اقرار ہے۔ ان امور کی تفصیل اپنے عمل پر موجود ہے۔ یہاں اس قدر اشارہ کافی ہے۔ (مترجم)

ایک سنجیدہ اور غور و فکر کرنے والی قوم کے دل پر اثر کیا۔ پھر باقی ماندہ دو سبب بیان کر کے جو ہمارے خلاف نہیں ہیں، یہ لکھتے ہیں :-

”شاید توقع کی جائے کہ میں اس پر اُس سبب کا بھی اضافہ کروں جو عموماً دین محمدی کا امتیازی نشان سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اس کا انہماک ہوا و ہوس اور عیش پرستی میں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑا مبالغہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ پیغمبر اسلام کی خصلت پر ”ہوا پرستی“ بمعنی فخر و غرور کا عیب لگایا جاسکتا ہو۔ مگر میں خیال نہیں کرتا کہ آپ نے اپنے دین کی اشاعت کے لئے پہلی قسم کی ترغیبوں پر بھروسہ کیا ہو۔ ہم کو مسیحی پاکیزگی یا ”یورپین ملز عمل“ کی رُو سے اُس پر اسے زنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر کثرت ازدواج کا ”عرب میں عام رواج تھا جس میں کسی کو کلام نہیں۔ تو اس فعل کی اجازت نے محمد (صلعم) کے پیروؤں کو کوئی مزید آزادی نہیں دی۔ بلکہ یہ بات پائی جاتی ہے کہ آنحضرت ص نے اس بارہ میں مشرقی اطوار کی غیر محدود آزادی کو محدود کر دیا تھا۔ اور جس حالت میں آپ نے عام زنا کاری اور خبیث و اقارب کے ساتھ ناجائز تعلقات کو جن کا رواج ”وحشی قوموں میں بہ کثرت ہوتا ہے، قطعی طور پر قابل سزا قرار دیا ہو تو یہ اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کا قانون اخلاق بہت ڈھیللا اور وحشی قوموں کے مناسب ”حال ہے۔ ایک پکا مسلمان بہ نسبت شکم پروری کے زیادہ ترپار سائی کی عادت ظاہر رکھتا ہے۔ اور جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے ممکن نہیں کہ اُس کو اس بات کا احساس پیدا نہ ہو کہ قرآن زہد، اتقا اور احتیاط کی رُوح پھونکتا ہے۔ درحقیقت ایک جدید سبب ”یا فرقہ کے بانی کو عام نوع انسان کی بدیوں یا عیش پرستیوں میں مستغرق رہ کر متقل کا میابی حاصل کرنے کی بہت کم توقع ہوتی ہے۔ میرا میلان تو زیادہ تر اس امر کی ”طرف ہونا چاہیئے۔ محمد (صلعم) کی تعلیم کی سختی کو اس کے اثر کے اسباب میں محسوب کروں ”چونکہ مذہبی رسوم کی پابندی کے احکام ہمیشہ قطعی صاف اور غیر مشتبہ ہوتے ہیں۔ اس لئے

”جب اُن کی فریضیت مسلم ہو چکی، تو بہ نسبت اخلاقی نیکیوں کے اُن سے غافل ہونے کا احتمال بہت کم ہے۔ لہذا مدت تک روزے رکھنا، حج کرنا، باقاعدہ نمازیں پڑھنا، وضو اور غسل کرنا، ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرنا، مسکرات سے پرہیز کرنا، جن کی تاکید قرآن میں ہے۔ ان تمام احکام نے پیروان اسلام کے درمیان ایک نمایاں معیار عمل پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے قانون کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔“

”مگر اسلام کی اشاعت پیغمبر اسلام کے زمانہ حیات میں اور اسلام کی زندگی کے ابتدائی قرون میں زیادہ تر مادی قوتوں کے اُس جوش کی بدولت ہوئی جو آنحضرتؐ نے اُس کے اندر ڈال دیا تھا۔ محمد (صلعم) کا مذہب ایسا ہی خالص جنگی نظام ہے ”جیسا کہ یورپ کے مغرب میں شولری (شجاعت) کا آئین۔ اہل عرب جو قوی جذبات رکھتے تھے، خونخوار طبیعت والے اور قتل و غارت کی عادتوں کے خوگر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہمارے ملکی پیغمبر کے قانون میں، دنیا کو تباہ اور ویران کرنے کے لئے اجازت نہیں بلکہ حکم موجود ہے اور اُن کے روشن تخیل فردوس کی بابت جن چیزوں کی توقع رکھ سکتے تھے، اُن کے ملنے کا وعدہ۔ اور مزید براں اُن اشیاء کے حصول کا بھی وعدہ کیا گیا ہے جن سے وہ منتفع ہوتے تھے۔“

ڈاکٹر موسٹیم کی رائے کی تردید کے لئے یہی (ڈاکٹر ہیلیم کی) رائے کافی ہے۔ مگر پیغمبر (صلعم) کے زمانہ حیات میں اور اسلام کی زندگی کے ابتدائی قرون میں اشاعت اسلام کی بابت جو کچھ ہیلیم نے کہا ہے کہ ”اہل عرب جو قوی جذبات رکھتے تھے، خونخوار طبیعت والے اور قتل و غارت کی عادتوں کے خوگر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ہمارے ملکی پیغمبر کے قانون میں دنیا کو تباہ اور ویران کرنے کے لئے اجازت نہیں بلکہ حکم موجود ہے۔“ یہ بات بے بنیاد اور ناقابل اعتبار ہے۔ دنیا کے

تباہ اور برباد کرنے کے لئے کوئی اجازت یا حکم نہ تھا، اور نہ اس غرض کو مد نظر رکھ کر کسی شخص یا قبیلے کو مسلمان کیا گیا۔ قرآن مجید کی تمام تعلیم اور اسلام کی ابتدائی اشاعت کی تاریخ اس خیال کو غلط ثابت کرتی ہے۔

۳۶۔ میں یہاں لمحہ بھر کے لئے توقف کرتا ہوں۔ اور ناظرین کتاب کی اتنی

آنحضرتؐ کا مستحکم یقین اپنی نبوت پر اور آپؐ کی کامیابی آپؐ کو سچے پیغمبر ثابت کرتی ہے۔

عنایت کا طالب ہوں کہ وہ ان واقعات پر غور کریں کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے ابتدائی پیروؤں نے کیسے کیسے دکھ اٹھائے اور کیسی کیسی ڈلتیش سہیں کیسے کیسے ظلم و ضرر برداشت کئے۔ وطن سے بیوطن کئے گئے، اُن پر حملے کئے گئے۔

۳۷۔ آنحضرتؐ کے ابتدائی پیروؤں نے صبر و استقلال سے ظلم و ستم اور جلا وطنی کی برداشت کی اور ہرگز اسلام سے برگشتہ نہ ہوئے۔ غور کرو ان ابتدائی مسلمانوں کی تعداد میں کیسی روز افزوں ترقی ہوئی انہوں نے کیا جو انمردانہ تحمل کیا۔ اپنے عزیز وطنوں اور رشتہ داروں کو خود بخود چھوڑ دیا۔ اور اپنا خون بہا کر پیغمبر (صلعم) کی حفاظت کی۔ حضرت عیسیٰؑ کی تمام زندگی میں دین عیسوی قبول کرنے والوں کی تعداد ایک سو بیس سے زیادہ نہ تھی (اعمال ۱- ۱۵) اُن کا خیال تھا کہ حضرت مسیحؑ دنیوی سلطنت کے مالک ہوں گے۔ اور وہ خطرہ کی پہلی ہی آواز سن کر کافور ہو گئے۔ آپؐ کے دو شاگردوں (حواریوں) نے مقام ایروس کی طرف جاتے ہوئے یہ کہا تھا ”ہم کو یہ امید تھی کہ یہی بنی اسرائیل کو نجات دلانے والے ہوں گے۔ اور حسب عقیدہ عیسائیوں حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ جی اٹھنے کے بعد ایک حواری نے آپؐ سے پوچھا ”اے خداوند! کیا آپ اس وقت بنی اسرائیل کی سلطنت کو دوبارہ قائم کریں گے۔“

سرولیم پور لکھتے ہیں:-

”و اسلام اور مسیحیت کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ ان دونوں مذہبوں کا باہمی مقابلہ کیا جانا ممکن ہے تکلیفیں اور اٹھانا اور محرومیاں برداشت کرنا دونوں مذہبوں کی قسمت میں تھا۔ مگر محمد (صلعم) کی تیرہ سال کی رشتہ داروں نے ظاہر بین نظر میں حضرت عیسیٰؑ کے مدت العمر کے کام کی یہ نسبت بہت زیادہ انقلاب پیدا کیا ہے۔“

”حواریان مسیحؑ تو خطرہ کی آواز سننے ہی بھاگ گئے تھے۔ اور جن پانسو آدمیوں نے ہمارے (خداوند مسیحؑ) کو دیکھا تھا۔ اُن میں اندرونی کام (دروحانی اثر) خواہ کیسا ہی گہرا ہو مگر اس نے اب وہ تک بیرونی عمل پیدا نہیں کیا تھا۔ اُن میں خود بخود ترک وطن کرنے اور سینکڑوں آدمیوں کے ہجرت کر جانے کا وہ خیال نہیں ہوا تھا جو ابتدائی مسلمانوں کا ماہ الامنیار تھا۔ اور جیسا کہ ایک اجنبی شہر (مدینہ) کے مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اپنے پیغمبر کی حفاظت کا پُر جوش عزم کیا تھا۔ ویسا عزم بھی حواریان (مسیحیوں) میں موجود نہ تھا“ (سرولیم پور سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۷۷-۲۷۸)

پھر بھی آپ اپنی قوم کی مکروہ بُت پرستی اور بد اخلاقی کے خلاف وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ اور آپ کے پائے ثبات کو ذرا لغزش نہ ہوئی۔ یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ آپ کو اپنی نبوت کا سچا یقین تھا، اور توحید باری اور دیگر اخلاقی اصلاحوں کے متعلق وحی الہی کی صداقت کی اشاعت کے لئے آپ کے قلب میں کیسی قدرتی تحریک تھی جو کسی کے روکے رک نہیں سکتی تھی۔ آپ کے مواعظ متعلق بہ توحید اور آپ کی راستبازی کی تاکید اور افعال بد کی ممانعت پر سالہا سال تک توجہ نہیں کی گئی، اور کوئی بڑی کامیابی ظہور میں نہیں آئی۔ جوں جوں آپ نے اپنی قوم کی مکروہ بُت پرستی اور توہمات کے برخلاف وعظ فرمایا، آپ کی تحقیر کی گئی، ہنسی اڑائی گئی۔ اور آخر کار نہایت سخت اذیت پہنچائی گئی جس نے آپ کی اور آپ کے پیروؤں کی کامیابی کو نقصان پہنچایا۔ مگر آپ راہ حق پر قائم رہے اور اُس سے نہ ٹلے۔ کسی تہدید اور کستی تکلیف نے آپ کو اُن بیدین لوگوں کی ہدایت سے اب بھی باز نہ رکھا۔ جن کو آپ نے الہیات اور اخلاق کی ایسی عمرہ اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جو پہلے اُن کے سامنے کبھی پیش نہیں کی گئی تھی۔ آپ نے کسی دُنیوی اقتدار اور رُوحانی فوقیت کا دعوے نہیں کیا۔ آپ تو صرف مذہبی آزادی کے خواہاں تھے۔ یعنی یہ چاہتے تھے کہ ترغیب و تخریس کے ذریعہ سے آپ کو لوگوں کو راہ حق پر لانے کے لئے بلامزا حمت آزادی مل جائے۔ آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نہ تو اس غرض سے بھیجا گیا ہوں کہ معجزات کے ذریعہ سے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے اور نہ اس لئے کہ تلوار کے ذریعہ سے اُن پر محض اقرار باللسان کا دباؤ ڈالا جائے۔

لے آؤ ذرا۔ پیچھے ہٹ کر اُس زمانہ پر نظر ڈالیں جبکہ مکہ میں اُن تمام باشندوں کے خلاف جو خواہ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمان تو نہ تھے۔ مگر آنحضرتؐ کے حامی و مددگار تھے ایک اعلان (دیکھیں صفحہ ۸۳)

کیا ان واقعات کے ہوتے آنحضرتؐ کے اُس کامل یقین کی بابت جو آپ کے دل میں تھا، اور نیز آپ کے صدق دعوے کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپ وہی شخص تھے جس کو خدا ایٹھالے نے ذات خداوندی کے کمال کا وعظ بیان کرنے اور نوع انسان کو نیکی کے صراطِ مستقیم کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا؟ آپ نے دیانت اور صداقت سے وہ پیغام پہنچایا جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا تھا۔ یا بالفاظِ دیگر، جس کی نسبت آپ کو راستبازی سے اور الہامِ الہی کے ذریعہ سے یقین تھا کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور جس کے اندر راستی کے تمام نشانات اور علامات موجود تھے۔ پیغمبر اور پیغمبر الہام کا

(بقیہ جانشین صفحہ گزشتہ) شائع کیا گیا تھا جبکہ وہ شعب ابوطالب میں محصور تھے اور وہاں آرام و آسائش کی توقع کے بغیر تین سال تک محتاجی اور مصائبِ شائدہ کی رحمتیں برداشت کی تھیں۔ وہ بالضرورت ہی اوستحکمِ محرکات (اسباب و مناصد) ہونے چاہئیں جنہوں نے اس تمام مخالفت اور کامیابی کی صحیح یا غلطی کے درمیان آپ کو اپنے اصول پر قائم و مستقل رکھا اور اُن میں کسی طرح کا تزلزل پیدا نہ ہوا۔ قبیہ سے رہائی پانے ہی اپنے ہم وطنوں سے مایوس ہو کر آپ بہ تمام طوائف تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے حکام اور باشندگان کو توبہ کرنے کی دعوت دی، آپ تنہا اور بے یار و مددگار تھے مگر آپ نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک پیغام لایا ہوں۔ تیسرے روز آپ بدنامی اور بے آبروئی کے ساتھ نکالے گئے۔ ایسے حال میں کہ اُن زخموں سے جو لوگوں نے آپ کو پہنچائے تھے خون بہ رہا تھا۔ آپ وہاں سے ہٹ کر تھوڑی دور چلے گئے اور اُس جگہ اپنی تکالیف کا شکوہ اور مناجات اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی۔ پھر آپ تکر واپس تشریف لے گئے تاکہ اُسی ہدایت کے کام کو جس میں بظاہر کوئی اُمید نہ تھی اسی کامل وثوق کے ساتھ کہ اُس میں آخر الامر ضرور کامیابی ہوگی، دوبارہ شروع کریں۔ باوجود ایسے اسباب کے جو حوصلہ کو پست کر دیتے ہیں اور مخالفین کی تحریف و تہدید و انداز سانی اور کفر و انکار کے پیغمبر عرب نے تیرہ سال تک جس کشمکش میں اپنے ایمان اور اعتقاد کو قائم و مستحکم رکھا تو یہ کام و غطیبان کیا اور اپنے شرک ہموطنوں کو خدا کے غضب سے ڈرایا۔ اس کی نظیر غیر مقدس تواریخ کے صفحات میں تلاش کرنا عبث ہے جبکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی ایک قلیل جماعت آپ کے گرد مٹی اُس وقت آپ نے آئینہ کی کامیابی کی بابت اعلیٰ اور صابرانہ اعتماد کے ساتھ توہین نہندید اور خوف و خطر کی برداشت کی اور بالآخر جب ایک بعید مقام (مدینہ) سے حفاظت کا وعدہ کیا گیا تو جب تک آپ کے تمام پیرو ہجرت کر کے چلے نہ گئے۔ اُس وقت تک آپ باطمینان پھیرے رہے اور بعد ازاں اپنی ناشکر اور باغی قوم میں سے نکل کر چلے گئے، (میں یہ جہاد مصنف نے ۱۴۱۴ھ و ۱۴۱۵ھ)

جو کچھ مفہوم ہے وہ اس سے زیادہ نہیں جو آنحضرتؐ کی ذات مقدسہ میں پایا جاتا ہے پیغمبر کا عام منصب اور بڑا کام یہی ہے کہ اس ذات کامل (خدا تعالیٰ) کا اعلان لوگوں کے سامنے کر دے۔ خالص اور صحیح مسائل الہیات اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی علے الاعلان تعلیم دے، حق اور انصاف کی تاکید لوگوں پر کرے باطل اور بدی سے اُن کو منع کرے۔ آئندہ واقعات کی پیشبینی گوئی کرنا۔ یا فوق العادت معجزات کا دکھانا بھی پیغمبر کا کام نہیں ہے۔ علاوہ بریں پیغمبر نہ تو بے عیب ہوتا ہے اور نہ معصوم۔ وحی والہام تو اسے انسانی کا قدرتی نتیجہ ہیں۔

۱۔ یہ بات کہ آنحضرتؐ (معاذ اللہ) دعا باز تھے جیسا کہ بعض معتقوں نے بیان کیا ہے اس کی تکذیب آپ کے اُس مستحکم یقین سے ہوتی ہے جو آپ کو اپنی رسالت کی صداقت کی بابت تھا نیز آپ کے رفقاء کی وفاداری اور اُن کے غیر متزلزل وثوق سے جن کو آپ کی صداقت کی بابت صحیح اندازہ کرنے کا کافی موقع ملتا تھا۔ اور بالآخر آپ کے کام کی عظمت اور اہمیت سے بھی جس کو آپ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی کامیابی سے انجام کو پہنچایا۔ اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہ بات بے شک نہیں کہ کوئی دعا باز آدمی ایسا عظیم الشان کام پورا نہیں کر سکتا تھا جس شخص کے دل میں اپنے کارمفوضہ کی واقعیت اور اپنی دھن کے نیک ہونے کی بابت ”زندہ ایمان“ موجود نہ ہو وہ سالہا سال کی بدقسمتی اور مصیبت کے زمانہ میں جو فتح و شکست کی حالت میں اور کثرت اقتدار اور موت کے وقت میں بھی برابر موجود ہو ایسی مستحکم اور معقول روش قائم نہیں رکھ سکتا (جیسی کہ نبی عربی نے قائم رکھی)۔

(اسلام اور اس کا بانی - ارنجے - ڈبلیو - ایچ - شابرٹ - ایم - اے صفحہ ۲۳)

اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ صلعم کو اپنی رسالت کا سچا یقین تھا۔ یہ آپ کی بڑی خوبی ہے کہ آپ ایسا ایسی قوم کے درمیان جو بہت پرستی میں مٹھک تھی تو حید الہی کے صاف اور روشن اور انک پہنچ گئے۔ اور استقلال و ثابت قدمی سے باوجود کفار کی ایذا دہی اور مستحضر استہزاء کے اس مسئلہ اعظم کی تلقین کی۔ مگر مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کی تعریف یہیں ختم ہو جانی چاہیے۔ (اسلام زیر حکومت عرب از - آر - ڈی - اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۹۰۵ء صفحہ ۹۰)

۲۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نبوت کا اصل مقصد توحید باری کا اعلان کرنا اور روحانیت کی تعلیم دینا ہے جو لوگوں کو وحشی سے انسان، انسان سے باخلاق انسان، اور باخلاق انسان سے بان خدا انسان بنا دے۔ معجزات وغیرہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔ البتہ خاص حالات میں منکروں، مغروروں اور کفر و کشتوں

پیغمبر کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے منور کر دیا ہے اور جو خیالات وہ ظاہر کرتا ہے اور جن کو اس اثر سے متاثر ہو کر تقریر یا تحریر میں لاتا ہے، وہ ”خدا کے الفاظ“ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ ”نور“ جو پیغمبر کے نفس کو روشن کرتا ہے یعنی ”فیضان الہی“ کا اثر متاثر ہونے والی کی حیثیت کے لحاظ سے یا اُن جسمانی، و اخلاقی و مذہبی حالات کے اعتبار سے جو اس کے گرد و پیش ہوتے ہیں، مختلف ہوتا ہے۔

۳۵۔ اگرچہ آنحضرتؐ کا منصب نبوت صرف یہ تھا کہ بندوں کو خدا کا پیغام پہنچا

آنحضرتؐ کی اصلاحوں کا حیرت انگیز اثر۔
ویں۔ جو امور بذریعہ وحی آپؐ کو معلوم ہوں۔ سب کو اُن کا وعظ سنا دیں۔ آپؐ اس بات کے ذمہ دار نہ تھے کہ مشرکین

بیدین کو الہیات کے خالص اور صحیح مسائل اور اعلیٰ اخلاقی اصول منادیں یا بالفاظ دیگر اُن کو دین اسلام میں داخل کر کے چھوڑ دیں، تاہم الہیات و اخلاق کے دائرہ میں جو کچھ کامیابی ہوئی۔ اور مفید نتائج برآمد ہوئے اور تہذیبی معاملات میں آپؐ نے جو اصلاحیں فرمائیں، وہ اس بات کا قوی ثبوت ہیں کہ آپؐ کی رسالت

(بقیہ ماشیہ گروہ) کی حجت کے قطع کرنے کے لئے انبیاء نے معجزات دکھائے ہیں۔ معجزہ کو انبیاء کا فعل صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ پر یا بالفاظ دیگر ان کی وساطت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت وہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے، پیغمبروں نے بعض اوقات معجزے دکھانے سے انکار کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی آیا ہے اَلْاٰیٰتِ عِنْدَ اللّٰهِ لَیْسَ بِمُعْجِزٍ اللّٰہ تعالیٰ کے پاس اور اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ یہ بھی بات یاد رکھنے کے قابل ہے جبکہ معجزات، دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے گئے تھے وہ سب آنحضرتؐ کو عطا کئے گئے، مگر چونکہ وہ معجزات خانی تھے اور آنحضرتؐ پر سلسلہ نبوت کا ختم کرنا مشیت الہی میں تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو علاوہ ان معجزات کے ایک معجزہ دائمی عطا فرمایا جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے میری مراد قرآن مجید سے ہے۔ جس کا معارضہ آج تک نہ کوئی کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا۔

عصمت انبیاء کی بابت مصنف نے جو خیال ظاہر کیا ہے وہ حسب مذاق عیسائیوں ہے اور دلیل کی خاطر بطور تنقید اسکو تسلیم کر کے جواب دیا ہے کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک کل انبیاء یقیناً معصوم ہیں۔ اور عیسائی انکو غیر معصوم اور غیر تم کے فسفی و فخر اور گناہان کبیرہ کا مرتکب مانتے ہیں۔ (مترجم)

منجانب اللہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رسول اللہ (صلعم) کی ذات مقدس کی بدولت، موافق اس نور کے جو آپ کے دل میں تھا ملک عرب میں عظیم الشان اصلاح عمل میں آئی۔ ”ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے۔“ (انجیل متی باب ۷-۱۷) واقعات اٹل اور بے لاگ ہوتے ہیں اور واقعات ہی ایسے معاملات میں قطعی فیصلہ کرتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کے مواعظ سے جو نتائج پیدا ہوئے اور ان کے ذریعہ مشرکوں۔ بت پرستوں اور نہایت ہی وہم پرست عربوں کی حالت میں ایک قلیل عرصہ کے اندر جس کا زیادہ تر حصہ مکہ میں تو خالفوں کے ظلم و ستم اٹھانے میں اور مدینہ میں ان کے ساتھ کشمکش کرنے میں بسر ہوا تھا۔ جو جو فادہ بھی، تہذیبی اور ملکی انقلاب ظہور میں آئے وہ نہایت تعجب خیز ہیں۔ اپنے ان کو مشرک اور بیہودہ وہم پرستی کے طوفان بے تیزی سے یعنی دیوتاؤں، جنوں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے باطل عقیدوں سے نکال کر خالص توحید کا عقیدہ عطا فرمایا۔ جس میں بحر خدا قادر مطلق کے کوئی اعلیٰ قوت تسلیم نہیں کی جاتی۔ آپ نے اپنے اہل وطن کے اخلاقی معیار کو بلند کیا۔ عورتوں کی حالت میں اصلاح کی کثرت ازدواج کو محدود اور علامی کی تکالیف کو دور کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں رسموں اور نیز رسم و خمر کشی کو معدوم کیا۔ آپ نے قوم عرب کی بہت سی سنگین بُرائیوں کو نہایت سختی سے قابل الزام ٹھیرایا اور ان کی قطعی ممانعت کی۔ آپ نے وحشی اور آزاد قبائل کو ملا کر ایک قوم بنا دیا۔ اور ان کی باہمی جنگوں کو موقوف کر دیا۔

سرو نیم میور لکھتے ہیں :-

”محمد (صلعم) کے احکام کو اس وقت تک سیدھے سادے اور تھوڑے معلوم ہوتے ہیں، تاہم انہوں نے ایک عجیب و غریب اور قوی الٹرا کام کیا جب سے ابتدائی

”مسیحیت نے دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا، اور بُت پرستی کے ساتھ سخت
 ”لڑائی لڑی۔ اُس وقت سے رُوحانی زندگی کی ایسی بیداری لوگوں
 ”نے کبھی نہیں دیکھی تھی، اور نہ ایسا عقیدہ دیکھنے میں آیا تھا،
 ”جس نے قربانی (کالیف و مصائب) پر داشت کر کے اپنا مال
 ”منازع لُٹ جانا ایمان کی خاطر منحوشی گوارا کیا ہو۔

”مکہ اور کل جزیرہ نمائے عرب نہایت ہی قدیم زمانہ سے رُوحانی غفلت میں ڈوبا
 ”ہوا تھا۔ اہل عرب کے دل پر یہودیت، مسیحیت یا فلسفہ کا خفیف اور عارضی اثر ایسا
 ”تھا جیسے ایک ساکن جھیل کی سطح پر کہیں کہیں لہریں نظر آ جاتی ہیں، اور اس کا تام پانی
 ”نیچے کی طرف بہتور ساکن اور غیر متحرک رہتا ہے۔ لوگ وہم پرستی، بیرحمی اور بددیہی
 ”ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ایک عام رواج تھا کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کی ہواؤں
 ”سے شادی کر لیتا تھا اور جس طرح اور جایدا دور شد میں پاتا تھا اسی طرح اُن کا بھی
 ”وارث ہوتا تھا۔ بکثرت اور افلاس نے اُن میں دُختر کشی کا جرم پیدا کر دیا تھا۔ جیسا
 ”کہ آج کل ہندوؤں میں ہے۔ اُن کا مذہب غلیظ بُت پرستی پر مشتمل تھا اور اُن کا
 ”درایمان ایک حاکم مطلق خدا کی بہ نسبت اس تیرہ و تار یک وہم پرستی پر بہت
 ”زیادہ تھا۔ یعنی اُن دیکھی ہستیوں (جن۔ بھوت پریت وغیرہ) پر جن کی خوشنودی
 ”حاصل کرنے اور جن کی ناراضی سے بچنے کے وہ خواہاں رہتے تھے۔ حیات
 ”بعد المات اور جزائے نیک و بد کا خیال جو محرک عمل ہے اس سے عملی طور پر
 ”ناواقف تھے۔“

”ہجرت سے تیرہ سال پہلے مکہ اس ذلیل حالت میں مُردہ پڑا ہوا تھا۔ ان تیرہ
 ”برسوں نے اب کیا کچھ انقلاب پیدا کر دیا! سینکڑوں آدمیوں نے بت پرستی ترک
 ”کر کے ایک خدا کی پرستش اختیار کی، اور جس تعلیم کو انہوں نے الہامی یقین کر لیا

”تھا اُس کی ہدایت پر تسلیم خم کیا، خدا سے قادر مطلق کی حضور میں بار بار اور جوش و دل سے نمازیں پڑھنے لگے، اُس کے فضل و کرم کے پھر و سہ پر عفو و تقصیر کی توقع رکھنے لگے۔ اور اعمال نیک، زکوٰۃ، عقیقت اور انصاف کی پیروی کی۔“

”کوشش کرنے لگے۔ اب وہ ایسی زندگی بسر کرنے لگے کہ اُن کو خدا کی قدرت مطلقہ کا اور نیز اس امر کا ہمیشہ احساس ہونے لگا کہ وہ ہمارے ذرا ذرا سے کاموں کا نگران اور نگہبان ہے۔ قدرت کی تمام بخششوں میں، زندگی کے ہر ایک تعلق میں اپنے تمام شخصی یا قومی معاملات میں اُن کو خدا کا لائحہ نظر آتا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نئی روحانی زندگی جس میں وہ غوش تھے اور جس پر فخر کرتے تھے اُس کو خدا کی خاص رعایت کا نشان سمجھتے تھے۔ اور اُن کے اندھے ہم وطنوں کی بد اعتقادی اُن کے نزدیک خدا کی ازلی ناراضی کی سخت علامت تھی۔ محمد (صلعم) اُن کو زندگی بخشنے والے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ اُن کی نئی نئی امیدوں کا سرچشمہ تھے۔ اور وہ آپ کی مناسب اور کامل اطاعت کرتے تھے۔“

”اس تھوڑے سے حصہ میں اس عجیب و غریب تحریک (اسلام) کی بدولت مکہ میں دو فریق پیدا ہو گئے تھے۔ جو اپنے قبیلہ اور خاندان کے نشانات کو ملحوظ خاطر نہ دیکھ کر باہم دیگر سخت مخالفت کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے صبر و تحمل سے تکالیف برداشت کیں۔ اور اگرچہ ایسا کہنا اُن کی عقلندی تھی تاہم دلیرانہ استقلال کی عورت اُن کو دی جاسکتی ہے۔ سو مردوں اور عورتوں نے اپنے قابل قدر دین سے انحراف کرنے کی بجائے اپنے گھروں کو چھوڑنا گوارا کر لیا اور جب تک قریش کا شعور و اثر دفع ہو اس وقت تک ملک ابی سینا میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ اب اور بھی زیادہ لوگ خود پیغمبر (صلعم) کے ساتھ اپنے وطن مایوف سے، جس میں خانہ کعبہ تھا اور جو اُن کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ مقدس مقام تھا، ہجرت کر کے مدینہ چلے

”گئے یہاں بھی اسی تعجب انگیز ظلم نے اُن کے لئے ایک رشتہ اخوت قائم کر دیا اور اہل مدینہ بنیہ (صلعم) اور آپ کے پیروؤں کی حفاظت کے لئے اپنی جان پیش کر پڑا مادہ ہو گئے۔ یہودی صداقت کی آواز عرصہ سے اہل مدینہ کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ مگر جب تک پیغمبر عرب کی دل ہلا دینے والی صدا اُن کے کانوں میں نہ پہنچی اُس وقت تک وہ بھی اپنی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے اور اُسی وقت وہ انہوں نے ایک نئی اور پُر جوش زندگی میں یکا یک قدم رکھا۔“

آگے چل کر سر ولیم میور لکھتے ہیں:-

”اور یہ مذہب جو اس ذریعہ سے قائم کیا گیا تھا۔ اُس کے کیا کیا نتائج محمد (صلعم) نے اپنے بعد چھوڑے؟ ہم آزادانہ طور پر یہ بات تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس مذہب نے وہ ہم پرستی کے بہت سے تاریک عنصروں کو جو قرونوں سے اس جویرہ نما پر چھائے رہے تھے ہمیشہ کے لئے دفع کر دیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے آگے مٹت پرستی و منقود ہو گئی۔ خدا کی توحید۔ اُس کی غیر مری۔ و صفات کاملہ اور بالخصوص اس کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ جیسا کہ محمد (صلعم) کے جان و دل میں موجود تھا اُسی طرح آپ کے پیروؤں کے جان و دل میں بھی ایک زندہ دستور العمل بن گیا۔ اس مذہب کے قبول کرنے کی سب سے پہلی شرط یہ قرار دی گئی تھی کہ انسان کامل طور پر تابع و مرضی الہی ہو جائے (لفظ ”اسلام“ کا یہی مفہوم ہے) جن نیکیوں کا تعلق حسن معاشرے سے ہے وہ بھی موجود ہیں۔ اسلامی دائرہ کے اندر برادرانہ محبت کی تاکید کی گئی ہے۔ ریتوں کی حفاظت و حمایت کا اور غلاموں کے ساتھ رعایت اور پاسداری کے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ مسکرات کی مانعت کی گئی ہے۔ اور دین محمدی اس اعلیٰ درجہ کی پرہیزگاری (ترک شراب خواری) کا فخر کر سکتا ہے جو کسی دوسرے مذہب

”ہیں موجود نہیں۔“

ڈاکٹر مارکس ڈاؤس لکھتے ہیں :-

”درمگر کیا محمد (صلعم) کسی معنی میں پیغمبر نہیں ہیں ؟ درحقیقت آپ میں مرتبہ نبوت کے نہایت ہی ضروری خصائل میں سے دو خصوصیتیں پائی جاتی تھیں۔ آپؐ نے ذات باری کی دربابت اس حقیقت کو دیکھ لیا جس کو آپ کے بنی نوع بشر نے نہیں دیکھا تھا اور درآپ کے دل میں اس حقیقت کی اشاعت کا ایسا قدرتی میلان تھا جو کسی کے روکے رک نہیں سکتا تھا۔ اس پچھلی صفت کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے دیر پیغمبروں میں سب سے زیادہ والا در پیغمبروں کے ساتھ آپ کو تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ آپ نے راستی کی خاطر ”اپنی جان کو جو کھوں میں ڈالا۔ سالہا سال تک روز بروز دکھ اٹھائے اور آخر کار جلا وطنی، نقصان مال، اہل وطن کی بداندیشی اور دوستوں کی بے اعتباری کی تکلیفیں برداشت کیں، قصہ مخقر موت کے سوا اور جس قدر مصیبتیں کوئی شخص جھیل سکتا ہے، وہ سب آپ نے جھیلیں۔ اور موت سے بھی صرف اس لئے نجات پائی کہ اپنی جان بچا کر نکل گئے تھے۔ باایں ہمہ آپ نے استقلال کے ساتھ اپنے پیغام کی منادی کی۔ کوئی رشوت۔ کوئی دھمکی، کوئی ترغیب آپ کو خاموش نہیں کر سکتی تھی۔ (آپ کا قول ہے کہ) ”اگرچہ یہ لوگ میرے مقابلہ میں سورج کو دائیں لاندھ اور

(نوٹ صفحہ ۸۹) اہل اسلام کو باہم گمراہی اور اناہ محبت رکھنے کی بے شک تاکید کی گئی ہے مگر غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور احسان و مروت کے برتاؤ کا بھی صاف طور پر حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

جو لوگ تم سے دین کی بابت نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں میں نہیں نکالا ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ بیشک اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تم کو انہی لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کی بابت لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے گھروں سے تمہیں مہردی اور چھین ان سے دوستی رکھے پس وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ (ممتحنہ ۶۰-آیات ۸-۹) (ترجمہ)

لَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ
وَلَمْ يَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ
قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا
عَلَىٰ أَخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَٰئِكَ
مَحْكُمٌ الْفُجُورِ (ممتحنہ ۶۰-آیات ۸-۹)

لے سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۳۲۰-۳۲۱۔

”چاند کو باتیں ہاتھ میں لا کر رکھ دیں تو بھی میں اپنے مقصد کو ترک نہ کروں گی۔ توحید الہی کی منادی کے لئے آنحضرتؐ کا یہی استقلال اور اپنی دعوت پر یہی وثوق تھا جس پر اسلام کی بنیاد پڑی۔ بُت پرستوں میں اور لوگ بھی موحد ہو گئے ہیں مگر کسی نے ایک قوی اور پابدار مذہب توحید کی بنیاد نہیں ڈالی۔ آپ کا شرف و امتیاز بقابلہ دیگر اشخاص ”کہ یہ تھا کہ آپ نے لوگوں سے اس عقیدہ کے تسلیم کرانے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ . . .“

”اول تو آپ کا یہ دعوئے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ نہ صرف سچے دل سے تھا بلکہ جس معنی میں آپ خود اس کو سمجھتے تھے، غالباً اس معنی میں بھی صحیح تھا۔ آپ نے محسوس کیا کہ میرے دل میں خدا کی بابت ایسے خیالات ہیں جن کا قبول کرنا میرے گرد و پیش کے لوگوں کے لئے نہایت ضروری ہے اور آپ کو یقین تھا کہ یہ خیالات منجانب اللہ ہیں۔“

”اگرچہ ٹھیک طور پر ان کو الہام سے تعبیر نہ کر سکیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔ آپ کی غلطی ہرگز اس بات میں نہ تھی کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ مجھے خدا نے اپنا کلام سنانے اور ایک بہتر مذہب کے رائج کرنے کے لئے مامور فرمایا ہے۔ بلکہ وہ غلطی (نعوذ باللہ) یہ تھی کہ ”لوگوں سے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو پیغمبر منوانے کے لئے آپ نے بالکل اُسی قدر زور دینا شروع کیا جس قدر کہ اُس حقیقت اعظم (توحید) کے قبول کرانے پر زور دیا تھا“

”آپ اپنے اہل ملک کے لئے صرف اس معنی میں پیغمبر تھے کہ آپ نے توحید الہی کی منادی کی۔ مگر یہ اس امر کی کافی وجہ نہ تھی کہ آپ کل مذہبی معاملات میں اُن کے ”مادی ہمارہین“ ہونے کا دعوئے کریں۔ اور جملہ امور میں، یہاں تک کہ رسول (یعنی ”ملکی و جمہوری) معاملات میں اُن پر حکومت کے دعوئے کی اتنی بھی وجہ نہیں تھی“

لے ڈاکٹر مارکس ڈاؤس کی تحریر میں چند امور قابل غور ہیں:-

(اول) آنحضرتؐ صرف اس معنی میں پیغمبر ہیں کہ آپ نے توحید الہی کی منادی کی اور حیرت انگیز استقلال سے سخت سے سخت مصیبتیں جو ممکن ہیں برداشت کیں۔

(دوم) آپ کا دعویٰ پیغمبری سچے دل سے تھا۔ اور پیغمبری کا جو مفہوم آپ سمجھتے تھے۔ (دیکھئے صفحہ ۹۲)

... وہی فاضل ڈاکٹر آگے چل کر اپنی کتاب ”محمدؐ بدھ اور مسیح میں لکھتا ہے :-
 ”مگر جب ہم اسلام کی خوبی اور برائی کا اندازہ کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص
 ”امر جس پر ہم کو توجہ کرنی لازم ہے۔ وہ اس بات کی تکرار کرنا ہے کہ ساتویں صدی میں عرب کو
 ”اور بالعموم تمام دنیا کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی شخص اس بات
 ”سے انکار نہ کرے گا کہ محمد (صلعم) کے ہم عصروں کے لئے آپ کا مذہب اُن تمام مذاہب پر
 ”جن کو وہ پہلے سے مانتے تھے بہت زیادہ فوقیت رکھتا تھا۔ اس مذہب نے اُن قبائل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اُس لحاظ سے وہ دعویٰ صحیح تھا۔

(سوم) عبت پرستوں میں جو لوگ مسودہ گزرے ہیں اُن پر آنحضرتؐ کو فوقیت تھی کہ آپ نے ایک
 قوی اور پائدار مذہب توحید کی بنیاد ڈالی، اور اُن لوگوں کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔
 (چہارم) اشاعت توحید کا جو قدرتی میلان آپ کے دل میں تھا اس کے اعتبار سے بنی اسرائیل
 کے دلیر ترین پیغمبروں میں آپ کا شمار ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے خیالات کو الہام نہیں کہہ سکتے۔
 (پنجم) جتنا اصرار آنحضرتؐ نے توحید کے منوالے پر کیا تھا اتنا ہی اصرار اپنی نبوت کے منوالے
 کے لئے کرنے لگے۔ تمام مذہبی اور دنیوی معاملات میں اُن کے حاکم بن گئے اور یہی (قبول ڈاکٹر
 صاحب) آپ کی غلطی تھی ۛ

امر اول و دوم و سوم سے ہم کو اتفاق ہے، امر چہارم کا پہلا حصہ بھی مسلم ہے بلکہ واقعات کے
 لحاظ سے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ بنی اسرائیل کے دلیر ترین پیغمبروں سے بھی آنحضرتؐ کا درجہ بڑھا
 ہوا ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ ”ان خیالات کو الہام کہنا صحیح نہیں ہے“ اُن کے پہلے بیان
 کے بالکل متناقض اور سراسر خلاف ہے۔ صاحب موصوف کا آنحضرتؐ کے درجہ کو بنی اسرائیل کے
 بہترین انبیاء کے برابر تسلیم کرنا اور پھر یہ کہہ دینا کہ ”آپ ملہم من اللہ نہ تھے“ صاف لفظوں میں
 انبیاء سے بنی اسرائیل کی نبوت کا انکار بلکہ مطلق نبوت کی تکذیب ہے جو سراسر بیدینی ہے۔ ڈاکٹر
 مارکس ڈاؤس اور اُن کے پیچھا لگوں پر افسوس ہے کہ حضرت ختمی مرتبت کے درجہ کو گھٹانے کے خیال
 میں دین و مذہب نام کو خیر باد کہہ دیئے ہیں تاہل نہیں کرتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار
 امر پنجم کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا آنحضرتؐ لوگوں سے یہ کہتے کہ میری تعلیم تو الہی
 تعلیم ہے۔ اور تمام پیغمبر یہی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں۔ مگر میں نبی نہیں ہوں میری تعلیم کو مانو مگر میری
 نبوت کو نہ مانو؟ افسوس کہ ڈاکٹر صاحب اتنا بھی سمجھ سکتے کہ رسالت اور وحدانیت لازم و ملزوم ہیں۔
 ایک دوسرے سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتیں اور توحید نبوت و معاد ہر سہ ارکان مذہب (دیکھو صفحہ ۹۳)

”کو جن میں نا اتفاقی چلی آتی تھی۔ باہم ملا دیا۔ اور قوم کی حالت کو ترقی دیکر دنیا کی مشہور طاقتوں میں سب سے مقدم طاقت بنا دیا۔ اُس نے وہ کام کیا جس کے پورا کرنے سے مذہب عیسوی اور مذہب یہود بھی قاصر رہے تھے۔“

”یعنی بُت پرستی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ اور ایک معبود حقیقی کا خیال قائم کر دیا۔“

”اس مذہب کا جو اثر عرب پر ہوا۔ اس کو اپنی سپینا کے مسلمان مہاجرین نے صحیح صحیح اور درود انگیز طریقہ میں بیان کیا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ تم کو کیوں نہ ملے“

”واپس بھیج دیا جائے۔ تو انہوں نے (جعفر بن ابی طالب) اپنے مذہب کا حال اور اُن کے فوائد کا جو اس کی بدولت اُن کو حاصل ہوئے تھے۔ حسب ذیل بیان کیا تھا :-

”اے بادشاہ! ہم جہالت و وحشت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کو پوجتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یکساں ضروری ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس یہ اعتراض کہ آنحضرتؐ نے کل مذہبی معاملات میں قوم کے ہادی ہونے کا کیوں دعویٰ کیا؟ ڈاکٹر مارکس ڈاؤس جیسے فاضل شخص کی طرف سے نہایت حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ آنحضرتؐ صرف توحید کا وعظ فرماتے اور دیگر مذہبی اصول و فروع سے جن کا توحید الہی سے نہایت گہرا تعلق ہے قطع نظر کرتے مثلاً ”خدا ایک ہے“ اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ اور معاد کا ذکر زبان پر نہ لاتے۔ لفظ ”توحید“ لوگوں کو سکھا دیتے، مگر دعاء مناجات حمد و ثنا اور عبادت الہی وغیرہ لوازمات توحید کو لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیتے؟ الغرض یہ اعتراض اس قدر رکیم ہے کہ اُس کے رد کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح اخلاق تمدن۔ سیاست وغیرہ دنیوی معاملات میں آنحضرتؐ کا لوگوں کو ہدایت کرنا بھی بالکل حق بجانب تھا کیونکہ دین و دنیا دو جدا جدا چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی قانون کے دو مختلف شعبے ہیں۔ اس لئے یہ بات کسی طرح ممکن نہ تھی کہ آنحضرتؐ ہدایت کے صرف مذہبی پہلو کو لیتے تھے دنیوی پہلو کو جو اسی قدر ضروری ہے نظر انداز کرتے تھے۔ مختصر مقررین کے یہ اعتراضات نہایت رکیم۔ سبک اور بے وقعت ہیں۔ (مترجم)

لے یہ بات فضیلت اسلام کی ایک زبردست شہادت اور بدیہی دلیل ہے جس کا ڈاکٹر ڈاؤس کو چار و ناپا اختیار کرنا پڑا۔ اسلام کی اس خوبی کو تسلیم کرنے کے بعد اسی منہ سے اُس پر اعتراض کرنا۔ یا مسیحیت اور یہودیت کو اُس پر ترجیح دینا نہایت عجیب بات ہے۔ (مترجم)

رہتے۔ ہم مردار کھاتے تھے، زنا کاری کے مرتکب ہوتے تھے، صلہ رحم اور حقوق ہمسایہ اور ممانداری کے فرائض کا لحاظ نہ رکھتے تھے، ہم کوئی قانون اس کے سوا نہیں جانتے تھے کہ جس کی لاپٹی اس کی بھینس۔ جب کہ خدا نے ہم لوگوں میں ایک پیغمبر بھیجا جس کی راست بازی، دیانت داری اور عفت سے ہم لوگ واقف تھے اور اس نے ہم کو توحید کی طرف دعوت کی اور یہ تعلیم دی کہ اُس کے ساتھ کسی خدا کو شریک نہ کریں۔ اُس نے ہم کو بُت پرستی سے منع کیا۔ اور سچ بولنے۔ امانتوں کا لحاظ رکھنے۔ رحم کرنے۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے۔ اپنے رشتہ داروں سے محبت رکھنے۔ کمزوروں کی حفاظت کرنے۔ بدی سے باز رہنے اور تمام شرارتوں سے بچنے کی تاکید ہے۔ اس نے ہم کو نماز پڑھنے۔ زکوٰۃ دینے اور روزے رکھنے کی تعلیم دی۔ اور چونکہ ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس کا حکم مانا اس لئے ہم پر دظلم کیا گیا۔ ہم کو وطن سے بے وطن کیا گیا۔ یہاں تک کہ ہم آپ کی حفاظت میں آئے ہیں۔ (ابن ہشام صفحہ ۲۱۹)۔

مگر ڈاکٹر مارکس ڈاڈس اور سرو لیم میور کی رایوں کا حال معلوم کرنے کے بعد اب ہم کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ ریویرنڈ سٹیفنسنز (مرد مسلم) کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں :-

”محمد (مسلم) کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ہموطنوں یعنی عربوں میں اُس خالص عقیدہ کو زندہ کیا جائے، جو اُن کے جد اعلیٰ ابراہیم کا تھا۔ جس طرح موسیٰ نے اپنے ہموطنوں یعنی یہودیوں میں اس کو زندہ کیا تھا۔ اس مقصد میں آپ کو بہت بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ آپ نے بُت پرستی کے ایک منتشر انبار کے عوض میں خالص توحید کا عقیدہ قائم کیا۔ اپنے ہموطنوں کی بعض نہایت ہی بد عادتوں کو موقوف کرایا۔ اور بعض کو تبدیل

در کیا۔ آپ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بالعموم بلند کیا اور ان کی تمدنی
 و حالت کو ترقی دی۔ اور ایک بخیہ اور معقول طریق عبادت جاری کیا
 ”آخر کار آپ نے اس ذریعہ سے بہت سے وحشی اور آزاد قبیلوں کو جمعیہ ذروں
 کی طرح ادھر ادھر اٹھتے پھرتے تھے باہم ملا کر ایک ٹھوس ملکی جماعت کی شکل میں
 ”تشکیل کیا۔ جو دنیا کی سلطنتوں کو اپنی حکومت اور عقیدہ کا تابع فرمان بنانے کے لئے
 ”ایسی ہی آمادہ و سرگرم تھی جیسے کہ بنی اسرائیل ملک کنعان کے فتح کرنیکے لئے تھے۔
 ”قرآن بکرات و مراث اور بڑے پُر زور الفاظ میں ان فرائض کی بھی تاکید کرتا ہے
 ”کہ ابن السبیل اور یتیم پر مہربانی کریں اور غلاموں کے ساتھ اگر وہ
 ”مسلمان ہو جائیں۔ اسی عزت اور لحاظ کا بڑا ذکر جو مسلمانوں کے لئے سزاوار
 ”ہے۔ اونے چھو اناات پر رحم کرنے کا فرض بھی فراموش نہیں کیا گیا۔ اور یہ
 ”بات شکر گزاری سے قبول کرنی چاہیئے کہ دین محمدی اور بڑھ مذہب بھی بیماروں
 ”اور دیوانوں کے دارالشفاء اور دارالجمانیہ قائم کرنے کی عزت میں مذہب عیسوی
 ”کے ساتھ شریک ہے۔

”محمد (صلعم) کے زمانہ میں جو بڑا عیال عرب میں نہایت ہی کثرت سے پھیلی ہوئی
 ”تھیں اور جن کو قرآن مجید نے نہایت ہی سختی سے قابل ملامت قرار دے کر ان
 ”کی قطعی ممانعت کی ہے۔ وہ یہ تھیں۔ شراب خواری۔ بے تعداد حرمین
 ”گھومیں ڈال لینا، اور کثرت ازدواج۔ دختر کشی۔ بیابانہ قمار بازی
 ”ظالمانہ سود خواری، سحر و کھانت کے فنون باطلہ، ان میں سے بعض
 ”بد رسوں کی موتوفی اور بعض کے اثر کی کمی، عربوں کے اخلاق میں ایک بڑی ترقی
 ”دہی۔ اور مصلح (آنحضرت م) کے جوش اور اثر کی ایک معزز و منفخر شہادت ہے۔
 ”دختر کشی اور شراب خواری کا کُلّی انسداد آپ کے کام کی سب سے

در زیادہ نمایاں فتح ہے۔

یہی معزز مصنف جس کی عبارت سے اوپر اقتباس کیا گیا ہے۔ آگے چل کر یہ بھی لکھتا ہے۔

”وہ سب سے پہلے یہ بات آزادی کے ساتھ ضرور تسلیم کرنی چاہیئے کہ محمد (صلعم) اپنی قوم کے بڑے محسن تھے۔ آپ ایسے ملک میں پیدا ہوئے تھے جہاں ملکی در نظام، معقول اعتقاد اور خالص اخلاق سے لوگ ناواقف در تھے۔ آپ نے ان تینوں باتوں کا رواج دیا۔ اور اپنی عقل کامل کی در ایک ہی کوشش سے اپنے ہموطنوں کی ملکی حالت، مذہبی اعتقاد اور ”اخلاقی عادت کی اصلاح کر دی۔ بہت سے آزاد قبیلوں کی جگہ آپ نے ایک قوم چھوڑی۔ بہت سے معبودوں اور بہت سے خداوندوں کے باطل عقیدہ کی بجائے آپ نے ایک حق اور مطلق مگر رحمان و رحیم خدا کا معقول عقیدہ قائم کیا۔ لوگوں کو تعلیم دی کہ وہ اس خیال کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ وہ وجود مطلق و ہر دم ہمارا حافظ و نگہبان ہے۔ اسی کو نیکوں کا جزا دینے والا سمجھیں اور اسی کو در بدوں کا سزا دینے والا سمجھ کر اس سے ڈریں۔ بہت سی قابل نفرت اور وحشت انگیز رسمیں جو آپ کے زمانہ تک عرب میں رائج تھیں ان پر آپ نے زبردست حملہ کیا۔ ان کو تبدیل کیا اور ان کا انسداد کیا۔ اوہا نشانہ بدکاری کی بجائے تعدد اندواج کا ایک با احتیاط اور یا ضابطہ اصول منضبط کیا گیا۔ اور دھڑکنگشی کی رسم کا مکمل بیوقوفی انسداد کیا گیا۔ جب اسلام نے عرب کی حدود سے پرے رفتہ رفتہ اپنی فتوحات کو پھیلاتا شروع کیا تو بہت سی وحشی

لہ مسیحیت اور اسلام، بائبل اور قرآن، از ریورنڈ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو سٹیفنز صفحات ۹۴-۱۰۴۔

۱۱۲۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

”قومیں بھی جن کو اسلام نے جذب کر لیا تھا اُسی طرح اُس کی برکتوں میں شریک ہو گئیں۔
 ”ترک - انڈین - حبشی اور مور (افریقہ کے شمالی ساحل کے باشندے) اس
 ”بات پر مجبور ہوئے۔ کہ اپنے بتوں کو اٹھا کر پھینک دیں اپنے زندانہ رسم و رواج
 ”کو خیر باد کہیں۔ خدا سے واحد کی پرستش۔ شایستہ طرز عبادت اور ایک
 ”باقاعدہ طرز معاشرت کی طرف رجوع کریں۔ اہل فارس جو زیادہ تر مذہب
 ”شایستہ تھے اُن کا عقیدہ بھی صاف اور خالص ہو گیا۔ اور انہوں نے اسلام سے
 ”یہ بات سیکھ لی کہ نیکی و بدی (یزدان و اہرمن) دو ہمسرتوئیں نہیں ہیں۔ بلکہ حق اور
 ”ناحق دونوں اُسی ایک حکیم اور قدوس حاکم کے یکساں زیر فرمان ہیں جو آسمان و
 ”زمین کی تمام چیزوں پر حکمرانی کرتا ہے۔

”پس وحشی قوموں کے لئے خاصۃً یعنی وہ قومیں جو کم و بیش ایسی حالت میں تھیں۔
 ”جیسی محمد (صلعم) کے زمانہ میں خود عرب کی حالت تھی، ایسی قومیں جو آجکل افروقی قوموں
 ”کی سی حالت رکھتی ہیں، جن میں یا تو تمدن بالکل نہیں یا براے نام ہے، اور جو
 ”معقول مذہب سے بے بہرہ ہیں۔ ہاں بیشک ایسی قوموں کے لئے اسلام ایک
 ”برکت ہے جو اُن کو ظلمت سے نور کی طرف اور طاغوت کی طاقت سے خدا
 ”کی طرف لاتا ہے“۔

۱۳۴۔ آنحضرتؐ کے مخالف آپ کی رسالت کے خلاف جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ

آنحضرتؐ کی نسبت	دعویٰ ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر آپ کی حالت میں اخلاقی
جھوٹے اتہامات	زوال آگیا تھا۔ جب آپ کی عمر کا زمانہ پچھن سال سے

لے مسیحیت اور اسلام۔ بائبل اور قرآن“ از ریورنڈ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو سٹیفنسن صفحات ۱۲۹-۱۳۰۔
 مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء۔

۱۳۵ ہم فوراً تسلیم کر سکتے ہیں کہ اول اول محمد (صلعم) کو اس امر کا یقین تھا یا آپ نے اس یقین
 کی طرف اپنے تئیں باطل کیا تھا کہ آپ کے الہامات من اللہ ہیں۔ آپ کی زندگی کے (دیکھو صفحہ ۹)

زیادہ گزر چکا۔ اور آپ پندرہ سال سے زیادہ عرصہ تک داعی اسلام کی حیثیت سے ایک مقدس زندگی بسر کر چکے جس پر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا تو اس کے بعد آپ کے مخالف قیام مدینہ کے زمانہ میں آپ پر سیرحیلم اور ہواپرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ یہ اخلاقی داغ (بر تقدیر تسلیم) پیغمبر یا رفیقارہر (مصلح) کے منصب کے مُنافی نہیں ہیں۔ اگر کوئی پیغمبر پچھن سال سے بھی زیادہ عرصہ تک اعلیٰ ترین

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) زمانہ قیام مکہ میں ذاتی اغراض یا نا واجب مقاصد کا درحقیقت کوئی نشان نہیں مل سکتا، جس سے اس نتیجہ کو غلط قرار دیا جاسکے۔ مکہ میں پیغمبر (صلعم) کی وہی حیثیت تھی جس کے وہ مدعی تھے، یعنی محض ناصح یا بشیر و نذیر۔ وہاں آپ ایک ایسی قوم کے معلم تھے جو آپ کو نفرت و حقارت سے دیکھتی تھی، آپ کی تعلیم کو قبول نہیں کرتی تھی، اور آپ کی مخالفت کرتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح کے سوا آپ کا کوئی اور مقصد نہ تھا۔ ممکن ہے کہ محمد (صلعم) نے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے صحیح وسائل بہم پہنچانے میں (معاذ اللہ) غلطی کی ہو۔ مگر اس امر میں شک و شبہ کرنے کی کافی وجہ نہیں ہے کہ آپ نے اُن وسائل کو نیک نیتی سے اور سچے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔

مگر مدینہ میں یہ نظارہ بالکل بدل جاتا ہے۔ یہاں دنیوی حکومت و اقتدار اور ذاتی جاہ و مال کے حاصل ہونے کا خیال پیغمبر (صلعم) کی زندگی کے مقصد اعظم (یعنی وعظ و ہدایت) کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور یہ دنیوی مقاصد بھی بالکل اسی وسیلہ سے طلب اور حاصل کئے گئے۔ آنحضرت ص کے پورے سیاسی طرز عمل کو صحیح قرار دینے کے لئے بالکل ایسے ہی آزادانہ آسانی پیغام آنے لگے، جیسے مذہبی احکام کے لئے آتے تھے۔ خداے قادر مطلق کی اجازت اور منظوری کے حیلے سے جنگیں کی گئیں، گل کے گل آدمیوں کو قتل کیا گیا اور مالک مقتدہ کو اپنی قلمرو میں شامل کیا گیا نہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیر کاموں کو نہ صرف قابل معافی قرار دیا گیا، بلکہ خداے تعالیٰ کی ادعائی منظوری یا حکم کے ذریعہ سے اُن کی ترغیب دی گئی۔ ایک خاص رالہی فرمان پیش کیا گیا جس کی رُو سے محمد (صلعم) کو دو چند تعداد ازواج کی اجازت دی گئی۔ ایک قطعی کنیز فارہ کا قابل الزام معاملہ ایک جڈاگانہ صورت میں حق بجانب قرار دیا گیا۔ اور اپنے پیسر مشتبہ اور دلی دوست کی زوجہ کو اپنے نکاح میں لانے کی خواہش ایک الہامی پیغام کا مضمون تھا جس میں خدا نے پیغمبر کے مذہب اور پس و پیش کرنے پر تنبیہ و تہدید کی ہے۔ طلاق کی اجازت دی گئی ہے اور آنحضرت ص کی اُن خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے جو شان تقدس کے خلاف تھیں، نکاح کا حکم صادر ہوا ہے۔ (ان اہتمامات اور لغو اعتراضات کے مفصل اور مدلل جوابات طلباء اسلام کی تصانیف میں موجود ہیں مصنف مرحوم نے بھی مختصر جواب دیا ہے، (مترجم) (میو صاحب کی سیرت مجری جلد ۲ صفحہ ۳۱۷-۳۱۸ مطبوعہ ۱۳۸۰ھ) ۶- صفحہ ۹۹-۱۰۰ بر ص ۱۰۱

اخلاقی اصول کے موافق زندگی بسر کرے اور سپرہنیز گارمی اور اعلیٰ درجہ کی معاشرت کا ایک بے مثل و بے نظیر نمونہ پیش کرے یا بعبارت دیگر جب کہ وہ پیغام الہی کو وفاداری کے ساتھ پہنچائے، صداقت اور دیانت سے مدد پہی اصلاح کا وعظ سناٹے اور اُس کے مواعظ کی عظمت و فوقیت الہی صدا کے نشانات اپنے اندر رکھتی ہو، تو اس بات کا مضائقہ نہیں کہ خاص حالتوں

لے (از صفحہ ۹) مگر ایک دیانت دار مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی شخص کی خصلت کے متاثر ایک پہلوؤں کی بھی ایسی تصویر کھینچے۔ جیسی کہ روشن پہلوؤں کی۔ جو دشمن پر وقت اطاعت قبول کرنے سے قاصر رہتے تھے اُن کے ساتھ آنحضرتؐ کے برتاؤ میں عالی ہمتی یا تحمل کا نقشہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ قریش جو جنگ بدر میں مقتول ہوئے تھے اُن کی لاشوں پر کھڑے ہو کر آپؐ نے وحشیانہ خوشی کے ساتھ بڑی مسرت ظاہر کی (وحشیانہ خوشی نہیں بلکہ بہت کچھ رنج ظاہر کیا ملاحظہ ہوا بن ہشام صفحہ ۴۵۱) اور تعدد قیدی جو سوائے اس جرم کے کہ آنحضرتؐ کی نبوت میں شک رکھتے تھے اور آپؐ سے ملکی مخالفت رکھتے تھے اور کسی جرم کے مجرم نہ تھے، دیدہ و دانستہ آپؐ کے حکم سے نہ تیغ کئے گئے۔ شاہنشاہ خمیر کنانہ بن ربیع کے ساتھ اول تو اس غرض سے کہ وہ قبیلہ کے خزانوں کا پتا بتائے، سخت بیرحمی کی گئی۔ بعد ازاں اس کو مع اس کے عم زاد بھائی کے اس بہانے سے کہ انہوں نے خزانوں کو چھپا دیا ہے، قتل کیا گیا۔ اور اُس کی بیوی صفیہ کو فارتح کے خیبر میں قید کر کے لائے۔ حجر (صلعم) نے مدینہ کے دو سالم یہودی قبیلوں (بنو نضیر اور بنو قینقار) پر جلا وطنی کا حکم صادر فرمایا اور ایک تیسرے قبیلہ کی عورات و اطفال مثل اُس کے پڑوسیوں کے قیدی بنا کر وطن سے دور فروخت کئے گئے اور ان کے (بنو قریظہ) جنکی تعداد کئی سو تھی آنحضرتؐ کی آنکھوں کے سامنے سخت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔ (اس قول کی تردید کے لئے ابن ہشام صفحہ ۴۸۲ ملاحظہ ہو)۔

مگر صلعم نے زمانہ شباب میں اپنی قوم کے لوگوں میں "اصیبن" کا معرزلقب حاصل کیا تھا مگر بعد میں اپنے دوستوں کے حق میں خواہ کتنا ہی زیادہ راستبازی اور نیک بینی کا برتاؤ آپؐ نے کیا ہو تاہم دشمنوں کے ساتھ درحقیقت دغا اور فریب کی کمی نہ تھی (کبرت کلمۃ مخرج من اقوالہم ان یقولون الا کذباً مترجم)۔ دغا بازلی کا حلو بمقام نخلہ کیا گیا۔ اور یہ وہ مقام ہے کہ قریش کے ساتھ باہمی جنگ میں پہلی خونریزی یہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ اول اول آنحضرتؐ نے اس حملہ سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی، کیونکہ اس میں عرب کے مقدس دستورات کی قابل نفرت خلاف ورزی کی گئی تھی مگر آخر کار ایک ادعائی الہام کے ذریعہ سے اس عمل کو حق پرانہ قرار دیا گیا۔ پیغمبرؐ نے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۰)

میں یا عمر کے آخری زمانہ میں اس کی خصلت اخلاقی اعتبار سے سبک یا خفیف ہو جائے
اگر وہ پیغمبر اپنے عیوب یا مخالف اخلاق افعال کی اپنے الہاموں کے ذریعہ سے
بالکل اسی طرح حمایت کرے اور اخلاق کی صریح خلاف ورزی میں وحی آسمانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابوبصیر قزاقی (ابوبصیر قزاق نہیں بلکہ مظلوم تھا۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۲۲۳)
پر ایسی نظر عنایت کی جو ضلعی نامہ حدیث میں کے الفاظ اور نفس مضمون کے یقیناً برخلاف تھی وہ ناگہانی
حملہ جو یہ آسانی فتح مکہ کا باعث ہوا، اگر یا کاری سے نہیں توحید باری سے کیا گیا تھا۔ جس بہانہ سے
بنی نضیر محصور اور حلاوطن کیا گیا یعنی (جبریل نے ذریعہ الہام اطلاع دی تھی کہ وہ لوگ پیغمبر کی
جان کے درپے ہیں) وہ کمزور تھا اور ایک راست باز نہ مقصد کی نشان کے لائق نہ تھا (ابن ہشام
صفحہ ۲۵۲ پر اس واقعہ کے متعلق صحیح اسباب ملاحظہ ہوں) جب افواج مشرکین نے مدینہ کا محاصرہ کیا
تو محمد (صلعم) کو ایک دغا باز آدمی سی نعیم بن مسعود (ہشامی صفحہ ۲۸۰) کی خدمات مطلوب ہوئیں اور
اُس کو اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ جھوٹی اور فریب آمیز خبروں سے دشمنوں میں نا اتفاقی پیدا کرے
کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ ”جنگ سوائے دھوکے کے کھیل کے اور کیا ہے“ (الحَرْبُ خَدْلٌ)۔
زمانہ پیغمبری میں آپ کی پولیٹیکل اور شخصی اغراض، الہامات الہی کے مشہور و معروف حیلے سے حاصل
ہوتی تھیں اور اگر راستی سے اُن الہامات کی تنقید کی جاتی تو آنحضرتؐ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ آپ کی
ذاتی خواہشوں کا عکس ہے و بس۔ اول اول تو یہودی اور عیسائی مذہب کو دیانت داری سے اپنے مذہب
(اسلام) کی بنیاد قرار دیا گیا۔ مگر جب کہ ان دونوں مذہبوں کے ذریعہ سے ایک قوی اقتدار قائم نہ کیا مقصد
پورا ہو گیا اُسی وقت اُن سے بے اعتنائی کی گئی، گو اُن سے بے تعلقی کا ظہور نہیں کیا گیا اور سب سے
بدتر یہ بات ہے کہ ملکی اور مذہبی مخالفوں کا بزدلانہ قتل جس میں بے رحمی اور بیوقوفائی سے خود آنحضرتؐ
نے مدد دی یا اُس کا حکم دیا۔ آپ کی خصلت پر ایک سیاہ داغ ہے جو مٹ نہیں سکتا (میسور صاحب
کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۷-۳۰۹)۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۱)۔

(حاشیہ در حاشیہ) ہم نے ان ہفوات کا بھجواے ”نقل کفر کفر نہ یا شد“ جوں کا توں ترجمہ کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں
کو عبرت حاصل ہو۔ اس قسم کے تمام لغو اعتراضات اور جھوٹے اتہامات کا جواب مصنف مرحوم نے نہایت
معقولیت، تمیز و منانیت اور تحقیق کے ساتھ دیا ہے، ناظرین مقدمہ کتاب اور اصل کتاب میں اُن
مقامات کا مطالعہ کریں۔ علمائے اسلام کو لازم ہے کہ شبوہ غرلت و رہبانیت کو ترک کر کے دنیا کی حالات
سے واقفیت پیدا کریں اور جزوی اختلافات اور باہمی خانہ جنگیوں کو چھوڑ کر حیات اسلام پر کمر بستہ ہو جائیں۔
اللَّهُمَّ انْصُرْ مُحَمَّدًا وَانْصُرْ دِينَهُ مُحَمَّدًا وَانْصُرْ دِينَهُ مُحَمَّدًا (مترجم)

حاشیہ صفحہ ۲۵۲ مصنف کا یہ بیان حسب مذاق عیسائیوں ہے۔ اور ان عقیدہ کو تسلیم کر کے جواب دیا گیا ہے (مترجم)

پیش کر کے اپنے آپ کو بالکل اسی طرح حق بجانب قرار دے۔ جس طرح وہ خالص تر مسائل الہیات اور اعلیٰ تر اصول اخلاق کی تعلیم کے وقت کرتا ہے جس تعلیم کے لئے وہ منجانب اللہ مامور ہوتا ہے اُس وقت اور اسی وقت سے ہم اس کو ریاکار کہیں گے اور اپنی عیش پرستی کی غرض سے خدا کے نام پر جھوٹ بنانے کی

دقیقہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کتاب کے پڑھنے والے کو معلوم ہو جائیگا کہ بت پرستی کا چراغ گل کرنے اور دنیا میں مذہب اور نیکی کو ترقی دینے کی سرگرم خواہش کے ساتھ ساتھ پیغمبر (صلعم) کے دل میں نفس پرستی کا انہماک پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ آخر کار اپنے آپ کو محبوب الہی قرار دیکر اخلاق کی صریح خلاف ورزی میں الہامات الہی کے ذریعہ سے اپنے تئیں حق بجانب سمجھا۔ وہ اس بات پر بھی غور کریگا کہ محمد (صلعم) کی طبیعت جہاں اس قدر مہربان اور نرم واقع ہوئی تھی کہ آپ (بوجہ رقت قلب کے) رونے والوں کے ساتھ خود رونے لگتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کے ساتھ دوستی و محبت میں بلا تامل ایثار کو کام فرما کر آپ نے اُن کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ وہاں بے رحمی اور دغا بازی سے مخالفوں کے قتل ہونے پر آپ خوشی کا اظہار بھی کر سکتے تھے، ایک سالم قبیلے کے قتل ہو جانے کو بغیر شوق ملاحظہ کر سکتے تھے اور بیگناہ شیر خوار بچے کو دوزخ کی آگ میں بھر جی سے ڈال سکتے تھے، (کذب محض اور بہتان صریح مترجم) (میوہ صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۲۲ - ۳۲۳)۔

۲ (حاشیہ صفحہ ۹۰) معاشرت خانہ داری میں بجز ایک امر اہم کے آنحضرتؐ کی روش قابل تقلید تھی بحیثیت ایک خاوند کے آپ کی محبت اور جاں نثاری بدرجہ کمال تھی، مگر بعض اوقات حسد کے لگ بھگ پہنچ جاتی تھی۔ بحیثیت ایک والد کے آپ محبت اور شفقت تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ شباب میں آپ نے نیکی اور پارسائی کی زندگی بسر کی۔ ۲۵ سال کی عمر میں آپ نے ایک چالیس سال کی بیوہ سے نکاح کیا۔ اور ۲۵ سال تک آپ صرف اُسی ایک زوجہ کے وفا دائرہ میں رہے۔ تاہم یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید کی جن سورتوں میں جو ریاں سیہ چشم کا، جو مومنوں کے لئے فردوس میں رکھی گئی ہیں دلکش طرز سے نقشہ کھینچا گیا ہے، اُن میں اکثر اسی زمانہ میں ترتیب دی گئی ہیں۔ خدیجہؓ کے انتقال سے تھوڑے عرصہ بعد پیغمبرؐ نے دوسرا نکاح کیا، مگر جب آپ چوٹ برس کی بچنے عمر کو پہنچ گئے اُس وقت آپ نے (اُم المؤمنین) سوڈ کی موجودگی میں عاشرہ سے جو ابھی بچی تھی نکاح کر کے کثرت ازدواج کی خوشنماک آزمائش شروع کی۔ ازدواج کی قدرتی حدود سے ایک دفعہ تجاوز کرنے کے بعد آنحضرتؐ اُس قوی جذبہ سے بے آسانی مغلوب ہو گئے جو عورات کے لئے آپ کے دل میں تھا۔ چھپتین سال کی عمر میں آپ نے مقصد سے اور اگلے سال ۲ ماہ میں یکے بعد دیگرے زینب بنت خزیمہ اور ام سلمہ سے نکاح کیا۔ مگر آپ کی (دیکھو صفحہ ۹۲)

بابت ہم اس کو پڑے کفر کا مرتکب سمجھیں گے۔

مگر اول تو آنحضرتؐ کی اخیر عمر کے چھ سات سال کے زمانہ میں سے صرف تین سال کا زمانہ ایسا ہے جس میں مخالفین بعض واقعات پر اپنی غلط فہمی سے سیرجی اور ہوا پرستی کے الزامات لگاتے ہیں۔ باقی ماندہ زمانہ کی بابت کوئی الزامات لگائے جائیں تو وہ سراسر لغو اور جھوٹے ہیں۔ دوسرے اگر بالفرض ان کا وقوع میں آنا (بزعم محترض) ثابت ہو بھی سکے تو یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ ان ادعائی بے رحمیوں یا صریح مخالف اخلاق افعال کی بابت آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو حق بجانب قرار دیا ہو۔ اور یہ کہا ہو کہ ان پر عمل کرنے کے لئے مجھے خدا نے حکم یا منظوری دیدی ہے۔ قتل کے الزامات اور اسیران جنگ وغیرہ کے ساتھ بیرحمیاں اور مکرو دغا کے ادعائی الزامات جو سر ولیم مور نے شمار کئے ہیں، اُن کی میں نے تحقیق کی ہے، اور اصل کتاب (تحقیق الجہاد) میں اُن کا ابطال کیا ہے۔ دیکھو فقرات ۲۲-۵۲-۵۷-۷۷۔ چونکہ ماریہ قطبیہ اور زینب کے حالات براہ راست اس کتاب کے مقصد میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے میں نے ضمیمہ میں جدا گانہ ان سے بحث کی ہے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) خواہشیں انداج کی اس تعداد سے پوری نہ ہوئیں، جو اس تعداد سے جسکی اجازت آپ کے پیروؤں کو تھی، پہلے ہی زیادہ تھی بلکہ جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی گئی جدید اور مختلف نکاحوں کی خواہشوں میں ترقی ہوتی رہی۔ زینب اور ام سلمہ سے نکاح کرنے کے چند ماہ بعد اتفاقاً ایک اور زینب کا حُسن پیغمبرؐ کی تعریف و تحسین کرنے والی نگاہ کے سامنے بے پردہ آشکارا ہو گیا۔ یہ عورت زید کی زوجہ تھی جو آپؐ کی شہینشاہ اور گرامت تھا مگر آپؐ اس شعلہ کو جو اس نے آپ کے سینہ میں مشتعل کر دیا تھا فرو نہ کر سکے (معاذ اللہ) اور کم الہی سے آپ نے اُس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اسی سال آپؐ نے ایک ساتویں زوجہ اور زینب ایک کینز سے عقد کیا۔ اور آخر کار جب آپؐ کی عمر پورے ساٹھ سال کی ہوئی، اس وقت سات عیمیں کے عرصہ میں علاؤ کینز ماریہ قطبیہ کے کم از کم تین جدید ازواج کا آپ کے حرم میں جو پہلے ہی اچھی طرح بھرا ہوا تھا اضافہ ہوا۔ (میسور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۹-۳۱۰)۔

سرولیم میسور نے تو یہ بیان نہیں کیا کہ آنحضرتؐ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ
بیرحمیاں کرنے میں جن کا میسور صاحب کو دعویٰ ہے، خدا کی طرف کسی خاص الہام
یا منظوری حاصل کر کے اپنے تئیں حق بجانب قرار دیا، تاہم رپورٹڈ مسٹر ہیوز
جن کی کتاب کی بابت کہا گیا ہے کہ اس میں ایک ہینشل خوبی یہ ہے کہ وہ صحیح
ہے، کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے قرآن میں خدا کا حکم حاصل کر کے ایسا کیا تھا۔
وہ لکھتے ہیں :-

”پیغمبر عرب کے سب سے بڑے حاشی بھی اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ
”غزالیہ اور صامریہ قبضہ کا معاملہ آپ کے نام پر ایک ایسا داغ ہے جو
”مٹ نہیں سکتا، آپ ایک دو مرتبہ اپنی بہترین فطرت پر جس کا میلان عفو اور مہربانی
”کی طرف تھا قائم نہ رہے۔ اپنے ذاتی دشمنوں کو سزا دیے میں ایک دو مرتبہ بیرحمی کا
”اظہار کیا۔ آپ سے (نعوذ باللہ) یہ بھی غلطی ہوئی کہ کئی مرتبہ اپنے شدید دشمنوں
”کے قتل پر بے پروائی ظاہر کی مگر کوئی قابل اطمینان توجیہ یا تائید اس امر کی بابت
”نہیں کر سکتے کہ یہ تمام کام قرآن میں فرضی منظوری لینے کے بعد عمل میں لائے گئے تھے۔
یہ ہے ”بے مثل صحت“ مسٹر ہیوز کی کتاب کی یہاں میرے لئے اس بات
کا اعادہ غیر ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی بیان نہ تو صحیح ہے اور نہ
امرواقعہ ہے، اور نہ آنحضرتؐ نے کسی امر کی بابت یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں
خداے تعالیٰ کی منظوری سے میں نے اُس پر عمل کیا ہے۔
آنحضرتؐ کی خصلت کی بابت رپورٹڈ مارکس ڈاؤس لکھتے ہیں :-

”دیکھو کتاب محمد دین محمدی از مسٹر آر باسور تھ اسمتھ ایم۔ اے اسسٹنٹ ماسٹر ہیرو سکول۔
”دین محمدی پرنٹ (یادداشتیں) از رپورٹڈ ٹی۔ پی۔ ہیوز مشنری افغانان پشاور طبع دوم صفحہ ۴۴
مطبوعہ لندن ۱۸۵۷ء۔“

”یہ معاملہ آپ کی کثرت ازدواج کی وجہ سے پیچیدہ نہیں ہوا اور نہ آپ کی گاہ گاہ ہوا
”پرستی کی وجہ سے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ سے کوئی ناپسندیدہ فعل (نقض
”ربا للہ) سرزد ہوا تو آپ نے اپنے ادعائی الہامات سے جواب قرآن کے اندر یہ حیثیت
”جزو قرآن مندرج ہیں، اپنے چال چلن کی حمایت کی۔ جب آنحضرت م کی ازدواج نے
”آپ کی بیقاعدگیوں پر واجبی شکایت کی تو آپ نے اس الہام کے ذریعے سے کہنا کہ
”مجھے متعدد نکاحوں کی رخصت دی ہے انہیں خاموش کر دیا۔ حالانکہ خود ہی اُس کو
”ناجائز قرار دے کر مانعت کر چکے تھے۔ جب آپ نے ایک عورت سے جو آپ ہی
”کے قانون کی رو سے آپ پر حرام تھی عقد نکاح کا ارادہ کیا تو ایک الہامی اجازت
”حاصل ہو گئی، جس سے آپ کو اس خلاف ورزی کی ترغیب ہوئی۔“

یہ دونوں ادعائی مثالیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، بالکل جھوٹ
اور بناوٹ ہیں۔ کوئی ایسا الہام نہیں ہوا جس نے آنحضرت م کو نکاحوں کے
بارہ میں ایسی رخصت دی ہو جس کو خود آپ نے ناجائز قرار دیکر مانعت کی ہو
اور نہ کوئی ایسی اجازت بھی پیش کی گئی جس سے آپ نے کسی ایسے عقد کو جو آپ
ہی کے قانون کی رو سے ممنوع تھا جائز قرار دیا ہو۔ اس مضمون پر میں نے اپنی
کتاب ”محمدی ٹرو پرافٹ“ (محمدی صادق) میں مفصل بحث کی ہے اور
ناظرین کو اسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ آنحضرت م کے ازدواج کے متعلق چند آیتوں

۱۔ ”محمد بدھ اور مسیح“ از مارکس ڈاؤس ڈی۔ ڈی۔ صفحات ۲۲-۲۵۔

۲۔ دیکھو صفحات ۲۸ لغایت ۶۱۔ یہ کتاب ایجوکیشن سوسائٹی کے مطبع واقع بانیکلہ بمبئی میں زیر طبع ہے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مثال میں سورہ احزاب ۳۳- آیت ۵۱۔ ڈاکٹر مارکس ڈاؤس کے پیش نظر تھی
اس آیت میں آنحضرت م کو ہرگز ان نکاحوں کی اجازت نہیں دی گئی، جن کو خود آپ نے ناجائز قرار دیا تھا
نقض ازدواج کو موقوف کرنے اور لوگوں کو ازدواج واحد کا عادی بنانے کے لئے آنحضرت م نے غیر محدود
کثرت ازدواج کو جس کا عرب میں رواج تھا محدود کرنے کے وقت ایک سخت شرط یہ لگا دی تھی کہ اپنی
ازواج کے ساتھ اگر ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہو ”عدل“ کا برتاؤ کریں۔ باعتبار ہر (دیکھو صفحہ ۹۵)

میں یورپین مصنفوں کو جنہوں نے اس مضمون پر لکھا ہے، بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور ڈاکٹر مارکس ڈاؤس بھی اس عام غلط خیال میں شریک ہیں۔ جب کہ وہ یہہ کہتے ہیں :-

”آنحضرتؐ نے اپنے عہدہ نبوت سے زیادہ تر اس طرح کام لیا گویا آپ کو اس آزادی کا حق حاصل ہو گیا ہے جس سے معمولی آدمیوں کو روکا گیا تھا۔ اپنے معتقدوں کے لئے تو چار عورتوں کی حد لگا دی، مگر اپنے لئے یہ آزادی قائم رکھی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں“ صفحہ ۲۳

یہ بیان اصل واقعہ کی سرتاپا غلط تعبیر ہے۔ آنحضرتؐ نے ہرگز اپنے لئے یہ آزادی نہیں رکھی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں۔ برعکس اس کے سورہ احزاب ۳۳- آیت ۵۲ میں آپ کے لئے اُن عورتوں کے سوا جو پہلے سے آپ کے عقد میں تھیں، تمام عورتیں حرام کی گئی ہیں اور اُن میں سے بعض یا کل کے انتقال کی صورت میں بھی آپ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے عہدہ نبوت سے زیادہ تر اس طرح کام لیا کہ جس رخصت سے عام لوگوں کو مستثنیٰ ہونا جائز تھا، وہ خود آپ کے لئے مزاحمت

(لفظی حاشیہ گزشتہ) مفہوم کے جو اس لفظ میں داخل ہے۔ یعنی معاشرت کی آسائش، محبت اور انتظام خانہ داری (دیکھو سورہ نساء ۴- آیت ۳)۔ جب اس بخیر سے اہل عرب میں ازدواج واحد کا میلان پیدا ہو گیا اُس وقت یہ اعلان کر دیا گیا کہ متعدد ازدواج کے ساتھ بہرہ و جود عدل کا برتاؤ کرنا عملاً محال ہے (دیکھو سورہ نساء ۴- آیت ۱۲۸) اور حکم مذکورہ بالا کے نافذ ہونے سے پہلے ہی جن لوگوں کے پاس متعدد ازدواج تھیں اُن کو اس شرط کی پابندی سے بری کر دیا گیا جو سورہ نساء ۴- آیت ۳ میں مقرر کی گئی تھی مگر اس وقت کی موجودہ ازدواج کی بابت اُن کو یہ حکم دیا گیا کہ کسی ایک زوجہ کی طرف سے بالکل غافل اور بے پروا نہ ہو جانا۔ علیٰ ہذا القیاس آنحضرتؐ کو بھی سورہ احزاب ۳۳- آیت ۱۵ میں اس شرط سے سبکدوش کیا گیا۔ بغیر اس کے کہ ”آپ کو نکاحوں کے بارہ میں ایسی رخصت دی گئی ہو جس کو خود آپ نے ناجائز قرار دیا تھا“ میرا قیاس یہ ہے کہ دوسری مثال نہایت کی بابت ہے۔ جب زید نے زینب کو طلاق دیدی تو آپ کے قانون کے مطابق اُس سے نکاح کرنا آپ کے لئے ممنوع نہ تھا +

ہو گئی۔ دیگر مسلمانوں سے زیادہ اگر کوئی حق آپ کو حاصل تھا (سورہ احزاب ۳۳ آیت ۴۹) تو وہ یہ نہیں تھا کہ آپ نے ”اپنے لئے یہ آزادی رکھی کہ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں،“ بلکہ یہ تھا کہ جو عورتیں پہلے سے آپ کے نکاح میں تھیں اور جن کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ اور یہ تعداد سورہ نساء ۴- آیت ۳ کی رو سے مقرر کی گئی ہے۔ اُن عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھیں۔ دیگر مسلمان مثلاً قیس بن عیلا نوفل بن جہل کے پاس چار سے زیادہ عورتیں تھیں اُن سے یہ خواہش کی گئی کہ جو وہ پہلے پہل مقرر کی گئی ہے اس سے جس قدر زیادہ عورتیں ہوں اُن کو اپنے سے جدا کر دیں۔ یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جبکہ کثرت ازدواج کو درحقیقت موقوف کیا گیا تھا، یعنی سورہ نساء ۴ کی آیت ۳- اور آیت ۲۸ کے نازل ہونے کے دہائی زمانہ میں۔ اگر آنحضرت ۴ نے اُن عورتوں کو جو سورہ نساء ۴- آیت ۳ کے نازل ہونے سے پہلے باقاعدہ طور پر آپ کے عقد نکاح میں آچکی تھیں، اپنی زوجیت میں رہنے دیا، تو اس میں نہ تو نقص اخلاق ہی ہے اور نہ کوئی ہوا پرستی کی بات ہے۔ یہ حق جو سورہ احزاب ۳۳- آیت ۴۹ کی رو سے حاصل تھا، اُس کے مقابلہ میں سورہ مذکورہ کی آیت ۵۲ موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

۵۲- لَا يَجِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ
وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ
أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
يَمِينُكَ ۝

۵۲- ”(اے پیغمبر!) اس کے بعد سے تم کو دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ بات جائز ہے کہ اُن کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کرو گواں کا حسن تم کو اچھا لگے۔ اُن عورتوں کے سوا جو پہلے سے تمہارے قبضہ میں

ہیں۔ (الاحزاب ۳۳- آیت ۵۲)۔

(الاحزاب ۳۳- آیت ۵۲)۔

جس غلط بیانی میں دیگر یورپین مصنفین مبتلا ہیں، اسی میں مسٹر سٹینلے

لین پول بھی مبتلا ہیں، جب کہ وہ یہ لکھتے ہیں :-

”پیغمبر اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے صرف چار عورتوں کی اجازت دی، مگر
”خود بارہ^{۱۲} سے زیادہ عورتوں سے نکاح کیا۔“

وہی مصنف لکھتا ہے :-

”مگر جب یہ تمام باتیں کہی جا چکی ہیں اور یہ بھی ظاہر کیا جا چکا ہے کہ محمد (صلعم) غار گھر
”ہوا پرست نہ تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے آپ کو سمجھا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا
”ہے کہ آپ کا قانون ازدواج سے انحراف کرنا ممکن ہے کہ ایسے اغراض پر مبنی ہو جو
”عام ہوا پرستی کے لحاظ سے نہیں بلکہ آپ کے نقطہ خیال سے معقول اور واجبی ہوں۔“
”کیا جب محمد (صلعم) نے اس امر کا اعلان کیا تھا کہ ”مجھے زیادہ عورتوں سے نکاح
”کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔“ اس وقت بھی آپ کو اس بات کا کہ ”میں خدا کا کلام
”بیان کر رہا ہوں“ ایسا ہی یقین تھا جیسا اُس وقت تھا جب کہ آپ نے ”لا الہ
”الا اللہ“ کی منادی کی تھی۔“

آنحضرتؐ نے اپنے قانون ازدواج کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کبھی اس
بات کا دعوئے کیا کہ مجھے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ عورتوں سے نکاح
کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ آپ کے تمام نکاح (جن کی تعداد غلطی سے
بارہ^{۱۲} کے قریب سمجھی گئی ہے) اُس قانون ازدواج کے اعلان سے

(حاشیہ صفحہ ۹۸ کتاب ہذا) :- مسٹر اوسبورن لکھتے ہیں :- پیغمبر (آنحضرتؐ) ایک ایسے بلند پایہ شخص ہوئے
تھے کہ اسلامی اخلاق کی ڈھیلی ڈھالی قبا بھی اُن کے لئے نہایت ہی تنگ لباس ہو گیا تھا۔ دیگر مسلمانوں
سے بڑھ کر آپ کو ایک خاص حق عطا کیا گیا تھا۔ آپ اپنی ازدواج کی تعداد کو بے حد بڑھانے کے مجاز تھے
آپ حد ممنوع کے اندر نکاح کر سکتے تھے اور آپ نے ایسا کیا بھی۔ ”اسلام زیر حکومت عرب“۔ از۔ آر
ڈی۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء صفحہ ۹۱

لے ”سٹڈیز ان اے ماسک“ (تعلیم ایک مسجد میں) از ایس۔ ایل۔ پول صفحہ ۷۷ و ۸۰ مطبوعہ
لندن ۱۸۸۰ء۔

پہلے منعقد ہوئے تھے، جس کی نسبت نا واجب طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس کے خلاف کیا۔ قانون مذکور کی اشاعت کے بعد آپ نے ان عورتوں کو جن کی تعداد چار سے زیادہ تھی اپنی زوجیت میں رکھا، مگر ان کے انتقال یا طلاق کی صورت میں ان کی جگہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی آپ کو ممانعت کی گئی تھی۔ جب یہ قانون شائع ہو گیا تو اس کے بعد دیگر مسلمانوں کو یہ ہتھ کی گئی کہ چار سے زیادہ جس قدر عورتیں ان کے پاس ہوں ان کو طلاق دیدیں، مگر مسلمانوں کو یہ آزادی تھی کہ اگر ان کی عورتوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے یا اس کو طلاق دیدی جائے تو حد معین کے اندر ان کی جگہ دوسری عورتوں سے نکاح کر سکتے تھے۔ آنحضرت کا فعل نہ تو خلاف اخلاق تھا اور نہ اس میں ہوا پرستی کی آزادی پائی جاتی تھی۔ یہ آپ کی کمال دانشمندی تھی کہ سورہ نساء ۴۰۔ آیت ۳ کے علمدار آمد سے پہلے جن عورتوں سے آپ نکاح کر چکے تھے ان سب کو آپ نے اپنی زوجیت میں رہنے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جن عورتوں کو آپ اس طرح طلاق دیدیتے ممکن تھا کہ وہ بعض کفار سے بلکہ آپ کے بعض دشمنوں سے بھی نکاح کر لیتیں، اور یہ امر معاصرین کی نظروں میں پیغمبر (صلعم) کے لئے موجب شکی اور آپ کے دشمنوں کے لئے باعث مضحکہ ہوتا۔

تعلیم محمدی پر مخالفین کے اعتراضات۔
۷۳۔ آنحضرت ص کی تعلیم کے متعلق مخالفین اسلام نے ان پانچ باتوں پر بڑا زور دیا ہے :-

(۱) اگرچہ عرب کی پست اور ذلیل حالت کے لحاظ سے آنحضرت کی اصلاحیں

آنحضرت ص کی تہذیبی اصلاحوں بڑی قابل قدر تھیں اور انہوں نے ان وحشیانہ برائیوں کو جو جہالت اور وحشت کے ساتھ لگی رہتی

ہیں کامیابی کے ساتھ دفع کیا، تاہم ایک نامکمل ضابطہ اخلاق کو نیکی و بدی کا مستقل

معیار اور خاتم اور ناقابل تنسیخ قانون بنادیا گیا ہے اور یہ امر کسی قوم کی نئی زندگی اور ترقی میں ایک ناقابل عبور سد راہ ہے۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ آنحضرت ص کی اصلاحیں آپ ہی کے زمانہ اور ملک کے لئے مفید اور عمدہ تھیں، مگر اُن کو قطعی اور خاتم قرار دیکر آئندہ ترقی کو روک دیا اور ادھورے اصول کو مقدس اور کامل بنادیا گیا۔ جو قانون عربوں کے لئے بندش کا کام دیتا تھا، وہی دوسروں کے لئے بے قید آزادی کا حکم رکھتا ہے۔

(۲) اسلام اصول سے بحث کرنے کی بجائے زیادہ تر قطعی احکام (اوامر)

سے بحث کرتا ہے۔ اور اوامر کا ایک معین دستور العمل جس میں

قطعی احکام
یا اوامر

ذرا ذرا سی تفصیلی باتوں، یعنی ظاہری عبادت اور زندگی کے اخلاقی و تمدنی تعلقات کی بابت ہدایات دی گئی ہوئی، اُس میں یہ خطرہ ہے کہ مبادا جب وہ حالات جو اُن اوامر کو جائز قرار دیتے تھے بدل جائیں اور معدوم ہو جائیں اُس وقت بھی وہی دستور العمل لوگوں کے دلوں پر نہایت مضبوط گرفت قائم رکھے، اور اسی لئے جو لوگ پہلے ہی اعلیٰ قسم کا تمدن رکھتے ہیں اور خالصتاً ایمان کے اصول پر کاربند ہیں اُن پر ایسے دستور العمل کی پابندی کا بار ڈالنا جو وحشیوں ہی کے مناسب حال ہو، برکت نہیں بلکہ آفت ہے۔ نہیں، اس سے

لے دیکھو "اسلام اور اس کا بانی" از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ اسٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ لندن ۱۹۷۸ء اور کتاب "محمد، بُدھ اور مسیح از مارکس ڈاؤس۔ ڈی۔ ڈی صفحہ ۱۲۲-۱۲۳ مطبوعہ لندن ۱۹۷۸ء۔

میجر اوسبورن لکھتے ہیں:- "مگر اس سیاسی نظام کو جو ان نا تراشیدہ اصول پر قائم کیا گیا تھا، خاتم اور مکمل کا لقب دیا گیا تھا۔ اطاعت پر زور دینے اور جو ش مخالفت کو دور کرنے کی غرض سے محمد (صلعم) نے یہ دعوے کر دیا کہ یہ دستور العمل جتنے کہ اُس کی ذرا ذرا سی باتیں قانون الہی ہیں۔"

(اسلام زیر حکومت عرب صفحات ۲۵-۲۶)

لے دیکھو کتاب "دین اسلام" از ریوڈنڈ ایڈورڈ سیل صفحہ ۷ مطبوعہ لندن ۱۹۷۸ء۔

بھی بڑھ کر شرابی یہ ہے کہ جو مذہبی دستور العمل لوگوں کے لئے اُس وقت اچھا تھا جبکہ وہ وحشیانہ حالت میں تھے وہ اُنہی لوگوں کے لئے اس وقت قطعی مضر ہو سکتا ہے جب کہ وہ اُس کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر تمدن کی اعلیٰ حالت میں داخل ہونے لگیں۔

(۳) اسلام میں مذہبی رسوم و آداب کی ٹھیک ٹھیک پابندی کے ساتھ ہی

شریعت کی ظاہری رسوم خدا کا انعام اور صلہ وابستہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ہم دیکھتے

ہیں کہ مسلمانوں کی عبادت میں تکلف اور بے اعتنائی۔ ”ظاہری احتیاط اور واقعی بے اعتقادگی“ پہلو بہ پہلو ترقی کرتی ہیں۔ نماز کے قیام و قعود میں نہایت ہی خفیف سی تبدیلی یا رکوع و سجود کا ذرا بے موقع ہو جانا بہ نسبت علانیہ فسق و فجور اور قطعی غفلت کے سخت تر قابل ملامت سمجھا جاتا ہے۔

(۴) اسلام نے اخلاق پر اصولی حیثیت سے نہیں بلکہ عملی حیثیت سے نظر

قرآن کا عملی اخلاق کی ہے۔ قرآن گناہ اور نیکی سے بہ حیثیت مجموعی بحث کرنے کی

سے دیکھو ”مسیحیت اور اسلام“ بائبل اور قرآن ”از ریورنڈ ڈبلیو آر۔ ڈبلیو اسٹیفنر صفحات ۹۵-۱۳۱۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء

۲ دیکھو کتاب ”اسلام اور اُس کا بانی“ از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ اسٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۲۳- اور اسٹیفنر کی کتاب ”مسیحیت اور اسلام“۔

میجر اوسبورن لکھتے ہیں:- ”مسلمان پیدا ہوتے ہی ایک ایسے نظام مذہب کا ممبر (رکن) ہو جاتا ہے جس میں اُس کی زندگی کا ہر ایک کام ایک دقیق رسم کا محکوم ہوتا ہے۔ وہ نہایت سخت دستورات کے دائرہ میں چاروں طرف سے محصور ہوتا ہے۔“ (اسلام زیر حکومت خلفائے بعد اوصاف ۷۸ و ۷۹) وہی مصنف فٹ نوٹ میں صفحہ ۷۹ پر یہ بھی لکھتا ہے:-

”مثلاً اگر نمازی کے جسم پر کوئی ایسی شے لگی ہو جو شرعاً ناپاک سمجھی جاتی ہے تو اُسکی نماز بالکل بیکار ہے۔ اگرچہ وہ اس نجاست کے وجود سے بے خبر ہی کیوں نہ ہو۔ نیز نماز باطل اور راکگانہ ہے تا وقتیکہ نماز گزار زن و مرد خاص طور کے مجوزہ لباس میں ملبوس نہ ہوں۔“

بہ نسبت فرداً فرداً اور نامکمل طور پر ان سے بحث کرتا ہے۔ وہ اصول کی نسبت افعال سے۔ نسبت کی بہ نسبت ظاہری عمل سے وعظ و ترغیب کی بہ نسبت اوامر و احکام سے زیادہ تر بحث کرتا ہے۔ اسلام حیثیت مجموعی گناہ کی بُرائی اور نفرت کو انسان کے سامنے پیش نہیں کرتا ہے۔

(۵) اسلام ساکن اور ایک حالت پر قائم ہے۔ قرآن کی سخت بندشوں میں

جکڑ بند ہونے کی وجہ سے اسلام میں بھی دین عیسوی کی مانند یہ قوت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمانہ اور مقام کی تغیر پذیر حالتوں کے موافق بنا سکے، اور اگر بذات خود

قرآن کا گرد و پیش کے حالات سے مناسبت نہ رکھتا۔

انسانی ترقی اور قومی سر بلندی کا رہنما اور ہادی نہ ہو تو قدم بہ قدم اُن کے

سے دیکھو ”مسیحیت اور اسلام“ از ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو۔ سیٹفنز صفحات ۱۲۲-۱۲۳۔

مہاجر اور مسیورن لکھتے ہیں :- ”پیغمبر اسلام (صلعم) کو کسی ایسی مذہبی زندگی کا علم نہ تھا جس میں ”ظاہری رسوم بہ نسبت باطنی حالت کے زیادہ تر اہم نہ سمجھے گئے ہوں۔ لہذا آپ نے یہی وصف اسلام کو بھی عطا کیا یہی وجہ ہے کہ قرآن (مجید) میں اخلاق کا سلسلہ بتدریج نہیں ہے۔ تمام احکام خدا کی مرضی سے صادر ہوتے ہیں اور یکساں تہدید و تاکید سے اُن سب کی تعمیل کا زور ڈالا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تمدنی زندگی کے لئے نہایت ہی حقیر اور اونٹنے اڈنے باتوں کی تعمیل سے قاصر رہے تو وہ اُنہی خوفناک سزاؤں کا مستوجب ہے جن کا مستحق نبوت پرستی اور کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔“ (دیکھو کتاب اسلام زیر حکومت خلفاء صفحہ ۱) یہی مصنف آگے چل کر کہتا ہے :- ”یہ روایات اپنی مذہبی صورت میں اُس عجیب پریشانی خیال کی وجہ سے قابل غور ہیں، جس کے باعث پیغمبر اسلام نے سنگین اخلاقی جرائم۔ اخراجات میں اسراف و تبذیر، اور تراجم مذہبی کی پابندی میں اتنا قیہ غفلت، ان سب فروگرداشتوں کو ایک سطح (درجہ) پر رکھا ہے۔ گناہ کو سراسر ظاہری نجاست سمجھا گیا ہے، جو کسی قسم کا تاوان (کفارہ) ادا کرنے سے محو ہو جاتا ہے“ (دیکھو کتاب مذکور کا صفحہ ۶۲)

لئے ”معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف بعض اوقات ایسی بات لکھ جاتا ہے، جو یقیناً اس کی مراد نہیں ہوتی، مثلاً اسباب زوال اسلام کا نہایت عمدہ خلاصہ بیان کرنے کرتے وہ یہ فقرہ بھی لکھ جاتا ہے، قرآن کی سخت بندشوں میں جکڑ بند ہونے کی وجہ سے اسلام میں بھی دین عیسوی کی مانند یہ قوت نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو زمانہ اور مقام کی تغیر پذیر حالتوں کے موافق بنا سکے (سیڈرٹوے ریویو۔ بابت جون ۱۸۸۳ء)۔

ساتھ تو رہے۔ اسلامی جماعت میں روحانی اور دنیوی امور کو ملا جلا کر ایسا گڈمڈ کیا ہے کہ اُن کے علیحدہ ہونے کی اُمید نہیں، اسلام میں کوئی ایسا نظام جو آزادانہ آئین حکومت کے لگ بھگ ہو، نظر نہیں آتا، اور نہ اس میں ایسی قابلیت ہی موجود ہے جس سے آئندہ جمہوریت کی بنیاد قائم ہو سکے۔

۳۸۔ یہ تمام اعتراضات مسلمانوں کے عام قانون کی تعلیم پر جس کو فقہ یا

اعتراضات مذکورہ بالا
قرآن مجید پر عائد نہیں ہو
سکتے۔

مشرع کہا جاتا ہے۔ کم و بیش عائد ہوتے ہیں نہ کہ قرآن مجید پر، اور قرآن مسلمانوں کا وہ قانون ہے جس کو وحی الہی کہتے ہیں۔ ہمارا عام قانون جس میں مذہبی اور ملکی دونوں طرح کے قانون سے بحث ہوتی ہے، ہرگز الہی یا ناقابل تغیر قانون نہیں سمجھا جاتا۔

میں نے اس مضمون پر ایک جدا کتاب میں بحث کی ہے جو قانونی سیاسی، ملکی اور تمدنی اصلاحوں کی بابت لکھی ہے اور ناظرین کتاب ہذا کو اس کے مطالعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس مقدمہ میں میرے لئے جس قدر گنجائش ہے اور وہ پہلے ہی حد مناسب سے تجاوز کر چکی ہے، مجھے اجازت نہیں دیتی، کہ اعتراضات مذکورہ بالا پر پوری اور طویل بحث کروں، مگر حتیٰ الامکان اختصار کے ساتھ یہاں اُن اعتراضات پر نظر کروں گا۔

۳۹۔ (۱) پہلے اعتراض کا جواب۔ آنحضرت م

آنحضرت کی تمدنی اصلاحیں
خاتم اور کامل ہیں۔

۱۔ دیکھو ”ابتدائی خلافت کی تواریخ“ از سر ولیم میور کے۔ سی۔ ایس۔ آئی، ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی۔ سی۔ ایل۔ صفحہ ۴۵۶۔ مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء۔

۲۔ اسلامی حکومت میں سیاسی۔ تمدنی اور قانونی اصلاحیں، مطبع ایجوکیشن سوسائٹی ممبئی۔ ۱۸۸۳ء۔
اس کتاب کا اردو میں ترجمہ اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام کے نام سے مولوی عبداللہ خاں صاحب نے شائع کیا ہے۔ جس کے ساتھ مصنف مرحوم کی سوانح عمری بھی شامل ہے۔

کو اپنے گرد و پیش کی وحشی قوموں سے سابقہ پڑا تھا۔ جن کی اصلاح بتدریج مقصود تھی اور تمدنی اصلاحات کا سوال مقصود بالذات نہ تھا بلکہ وہ دوسرے درجہ کا سوال تھا۔ مگر چونکہ لوگوں کے عادات و خصائل کی کاپیا پلٹ اور اخلاقی و تمدنی خرابیاں جو ان میں پھیلی ہوئی تھیں ان کی اصلاح ضروری تھی لہذا آپ نے تمدنی اصلاحوں کو بتدریج داخل کیا جو ساتویں صدی مسیحی میں اہل عرب اور دیگر اقوام کے لئے بہت بڑی برکتیں ثابت ہوئیں۔ شاید لوگوں کی کمزوری اور خامی کے لحاظ سے بعض عارضی مگر دانشمندانہ معقول اور مفید تبدیلیوں کی ضرورت پیش آئی ہو جو اصلاحی مدارج کے سفر میں بمنزلہ مراحل و منازل کے ہیں اور جن کو پوری قوت حاصل ہوتے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر جب وہ اس کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر اعلیٰ درجہ کے تمدن میں داخل ہونے لگیں اس وقت ان کو منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے دوران اصلاح میں تمدنی خرابیوں کا تدریجی اصلاح کے لئے متعدد مرحلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ ان درمیانی مدارج کو قوم عرب کی نئی زندگی کے لئے ایک ناقابل عبور مزاحمت اور اخلاق کا ایک خاتم اور ناقابل تسخیر معیار قرار نہیں دے سکتے۔

ہمارے مخالف ان ہی عارضی احکام یا رعایتوں پر اڑ جاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے ان نامکمل احکام اور جزوی اصلاحوں کو ایک دائمی اور غیر متغیر قانون بنا دیا ہے، جن میں اعلیٰ درجہ کی اصلاحوں کی گنجائش نہیں رہی، اور جو ترقی کرنے والے اور شایستہ تمدن کے لئے ایک زبردست روک ہیں۔ اس موقع پر آنحضرت م کے مفصلہ ذیل احکام میری نظر میں ہیں: ایسی عورتوں کی ذلیل حالت کی اصلاح، غیر محدود و تعدد ازواج کی تحدید، طلاق کی آسانی اور لونڈی غلام بنانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: - اکثریت ازواج اطلاق غلامی اور پرہ کا گھٹن (اسلام) کی (دیکھو صفحہ ۱۰۶)

کے تمام احکام (اوامرونواہی) عام اس سے کہ وہ چند روزہ اور عارضی تھے یا قطعی، اور دائمی جو ان تمدنی خرابیوں کے رفع کرنے کی غرض سے دئے گئے تھے وہ باہم ملے جملے اور مختلف صورتوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور ترتیب نزول کے موافق مرتب نہیں ہوئے۔ اسی لئے جو لوگ قرآن مجید کے مضامین پر عمیق نظر نہیں رکھتے، اُن کے لئے اس بات کا پتہ لگانا اور مشکل ہے کہ کون سے احکام صرف بنزد و مہمانی منزل کے ہیں اور کون سے احکام آخری (اور بجائے منزل مقصود کے) ہیں۔ عام قانون کے مَدُون کرنے والوں (فقہاء اور مجتہدین) کی طرف سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول تو وہ ملکی احکام جو عارضی اور بنزد اُس درمیانی قدم کے تھے جو اعلیٰ اصلاح کی طرف لے جاتا ہے، آخری اور قطعی سمجھے گئے اور ثانیاً وہ ملکی احکام جو صحرائے عرب کے باشندوں کے مناسب حال تھے، تمام زمانوں اور ملکوں کی گردن پر اُن کا بار ڈالا گیا۔ جو تمدنی نظام محض وحشیوں کے لئے قائم کیا گیا ہو، اس کا بار اس قوم پر نہیں ڈالنا چاہیئے جو پہلے ہی اعلیٰ درجہ کا تمدن رکھتی ہو۔

۲۰۔ (۲) دوسرے اعتراض کا جواب۔ درحقیقت قرآن اوامر

قطعی احکام اور اصول دونوں سے بحث کرتا ہے۔ مگر اوامر کا ایسا معین دستور العمل یا اوامر ہرگز نہیں بتاتا جس میں زندگی کے تمدنی تعلقات اور ظاہری طریق عبادت کی ذرا ذرا سی مفصل ہدایتیں دی گئی ہوں۔ برخلاف اس کے قرآن مجید کا مقصد یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں سنگی، لکلف اور سختی کے اُس میلان کو روکا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو میں لگا ہوا ہے۔ یہ باتیں اُس کے وجود کی باہست سے وابستہ ہیں۔ اگر اسلام سے یہ آئی احکام جن پر مسلمانوں کا دار و مدار ہے، جدا کر لئے جائیں، یا موقوف انتخاب یا ترغیب یا تنبیہ کے ذریعہ سے اُن کو بر لئے کی ذرا بھی کوشش کی جائے تو اسلام، اسلام نہیں رہے گا۔ (ابتدائی خلافت کی تواریخ از مروتیم میور صفحہ ۷۵۸)

جائے جو اوامر کے سخت دستور العمل کی پابندی کا نتیجہ ہے۔ آنحضرتؐ کو عرب کے وحشیوں کی عادات و خصائل میں تبدیلی پیدا کرنی تھی، جن میں آپؐ کی بعثت سے پہلے کوئی مذہبی یا اخلاقی معلم یا صالح تمدن نہیں ہوا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ چند اوامر اُن کو بتادئے جائیں، جن کی تعمیل سے اُن کی اخلاقی اور تمدنی روش سانچے میں ڈھل کر باقاعدہ ہو جائے اور وہ بالکل نئی قسم کے آدمی بن جائیں، جن کے نئے خیالات اور نئے مقاصد ہوں اور قومی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جائے۔

(۳) تیسرے اعتراض کا جواب۔ مگر اس خیال سے کہ لوگ شریعت

شریعت کی ظاہری

رسوم

کے ظاہری آداب، مثلاً وضو اور غسل، حج کی قربانی، منقروہ طریق عبادت، زکوٰۃ کی معین مقدار، روزوں وغیرہ کی پابندی ہی کو غلط فہمی سے تمکین اصل نیکی نہ سمجھ لیں، قرآن کی آواز و تواتر اس امر کے اعلان کے لئے بلند ہوتی ہے کہ عملی احکام کی سخت پابندی، خواہ وہ احکام چال چلن کے متعلق ہوں یا ظاہری رسوم شریعت کے متعلق، ایک بے اصول طبعیت اور ناپاک زندگی بسر کرنے والے انسان کے گناہ کو خدائے تعالیٰ کی نظر میں کچھ کم نہیں کرتی، بلکہ اور زیادہ کر دیتی ہے۔

[حج] حج یا قربانی کی بابت (حج کی خاص رسم ہے) قرآن مجید کا حکم یہ ہے :-

۳۸۔ نہ تو اُن (جانوروں) کے گوشت اللہ کے پاس

پہنچتے ہیں، اور نہ اُن کے خون، بلکہ تمہاری پرہیزگاری

اس کے پاس پہنچتی ہے، اس طرح اللہ نے اُن کو تمہارے بس

میں کر دیا ہے، تاکہ تم اسکی ہدایت کے بدلے اس جو اس نے تم کو کی ہے

۳۸۔ لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا

وَلَا دِمَآءُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ

التَّقْوٰى مِنْكُمْ وَكَذٰلِكَ سَخَّرَهَا

لَكُمْ لِكَيْ تَتَذَكَّرُوْا اللّٰهَ عَلٰى مَا

لے حج کی رسم میں کوئی نقصان نہیں ہے، اور عربوں کے لئے (بلکہ کل مسلمانوں کے لئے) (مترجم) مذہبی اتحاد کی مدد و معاون ہے۔ اس کے علاوہ عام طور پر تجارت کا جوش پیدا کرتی ہے۔ (مترجم)۔

هَذَا لَكُمْ وَبَشِّرِ الْحُسَيْنِ ۝

(الحج ۲۲ - آیت ۳۸)

اس کی بزرگی بیان کرو، اور نیک کام کرنے والوں کو رحمت کی خوش خبری سنادو“ (الحج ۲۲ - آیت ۳۸)۔

قبلہ نماز میں قبلہ کی بابت قرآن مجید میں یہ احکام ہیں :-

۱۰۹- وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

فَإِنَّمَا تُكَلِّمُونَ فِتْنَةً وَجْهَ اللّٰهِ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۱۰۹)

۱۲۳- وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ مَّا يُؤْمِرُ لَہَا

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۝

(البقرہ ۲ - آیت ۱۲۳)

۱۷۲- لَیْسَ الْبِرُّ اَنْ تُولُوْا وُجُوْہُکُمْ

قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَکِنَّ الْبِرَّ

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

وَالْمِلَّةِ وَالْکِتَابِ وَالنَّبِیِّیْنَ

وَ اٰتٰی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی

وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

وَالسَّائِلِیْنَ وَفِی الرَّقَابِ ۝

اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتٰی الزَّکٰوۃَ ۝

وَالْمُؤْفُوْنَ بِعَهْدِہُمْ اِذَا عٰہَدُوْا

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاسِ ۝ وَالْقَرَّٰتِیْنَ

وَحٰمِیْنَ الْبَاسِ طُوْلَ لَیْلِ الَّذِیْنَ

صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

۱۰۹- اور اللہ ہی کی ہے مشرق اور مغرب پس جن طرف تم منہ کر لو پس اُسی طرف اللہ کا رخ (سامنا) ہے۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۰۹)۔

۱۲۳- اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر کو وہ اپنا منہ کرتا ہے، پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو“ (البقرہ ۲ - آیت ۱۲۳)۔

۱۷۲- ”نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنا منہ مشرق و مغرب کی طرف کر لو، بلکہ اصل نیکی اُن کی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی محبت میں

قریبیوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو، اور (غلامی وغیرہ سے لوگوں کی) گردنوں

(کے چھڑانے) میں اپنا مال دیا، اور جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور جب عہد کر لیا تو اپنے وعدے کے پورے اور تنگی میں اور تکلیف میں اور

خوف کے وقت صابر رہے، یہی لوگ ہیں جو (دعوتِ ایمان میں) سچے نکلے، اور یہی لوگ متقی (پرہیزگار) ہیں۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۷۲)۔

زکوٰۃ کی معین مقدار کی بجائے قرآن مجید صرف یہ حکم دیتا ہے کہ جو کچھ بچا

مقدار زکوٰۃ سکو، دے ڈالو۔

وَلْيَسْكُوكُمْ مَاذَا يُنْفِقُونَ
قُلِ الْعَفْوَ

”اور (اے پیغمبر!) تم سے سوال کرتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کتنا خرچ کریں، تم کہدو کہ جتنا (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔“ (البقرہ ۲- آیت ۲۱۶-۲۱۷)۔

(البقرہ ۲- آیت ۲۱۶-۲۱۷)

بہت سخت روزہ مقرر کرنے کی بجائے، جو شدت گرما میں سخت تکلیف دیتا

روزے ہے، قرآن مجید نے نہایت کمزور اور ضعیف آدمیوں کے لئے روزہ

۱۸۰۔ اور جو لوگ (بدوقت تمام روزہ رکھنے کی) طاقت رکھتے ہیں اُن پر فدیہ یعنی ایک شجاج کو کھانا کھلا دینا ہے اور شخص اپنی خوشی سے خیر میں زیادتی کرے (یعنی مقدار مقررہ سے زیادہ خیرات کرے) تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

رکھنا اختیار کر دیا ہے۔

۱۸۰۔ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ

فَدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَمُوْخِرًا وَلَا اَنْ

تَصُوْمُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۰)

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۰)

قرآن مجید عبادت اور دیگر مذہبی رسوم و دعا وغیرہ کے لئے کسی خاص طریقہ

کی تعلیم نہیں دیتا۔ کوئی وضع معین نہیں کی گئی کسی ظاہری

عبادت و دعا وغیرہ کے

نشست کی پابندی مطلوب نہیں ہے۔ کوئی ایسی احتیاط

طریقہ کا عدم تعین

جو وہم کے درجہ کو پہنچتی ہو، اور تکلفات نہیں ہیں۔ نماز میں تغیر وضع یا رکوع و

سجود کے بے موقع ہو جانے کی وجہ سے قرآن مجید میں نماز گزار کو قابل الزام قرار

نہیں دیا گیا۔ محض قرآن پڑھنا (مزل ۷۳- آیت ۲۰- اور عنکبوت ۲۹- آیت ۴۴)

لے زکوٰۃ کی مقدار جو ہر دے احادیث نبویہ مقرر کی گئی ہے وہ کم از کم ہے جسکا ادا کرنا ہر مسلمان صاحب نصاب کا

فرض ہے اس کے علاوہ اگر کوئی شخص بطور خیرات و برات کے دینا چاہے تو اُدھی اچھا ہے۔ (مترجم)

کھڑے، بیٹھے، لیٹے (ہر وقت) خدا کا وہ بیان رکھنا رآل عمران ۳- آیت ۱۸۸- اور النساء ۴- آیت ۱۰۴) یا رکوع و سجود کرنا (حج ۲۲- آیت ۷۶) یہی امور نماز کے ظاہری ارکان اور رسوم ہیں، جن کی تعلیم قرآن مجید میں دی گئی ہے، اگر ان کو اس نام سے موسوم کیا جاسکے۔

دیکھو آیات مندرجہ ذیل :-

۲۰- جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو۔

(مزل ۷۳- آیت ۲۰)

۴۴- ”(اے پیغمبر!) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز پڑھو، بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد البتہ بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔

(عنکبوت ۲۹- آیت ۴۴)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سُنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور (اے پیغمبر!) اپنے دل میں زاری اور خوف سے اور بلند آواز سے نہیں (بلکہ دھیمی آواز سے) صبح و شام اپنے پروردگار کی یاد کرو، (اُس سے) غافل نہ رہو۔

(الاعراف ۷- آیات ۲۰۳-۲۰۴)

۲۰- مَا تَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ هُوَ

(مزل ۷۳- آیت ۲۰)

۴۴- اِنَّ الْقُرْآنَ لَکَرَامٌ
مَنْ اَتَىٰ الْکِتَابَ وَاقَرَّ الْقُرْآنَ
اِنَّ الْقُرْآنَ لَشَیْءٌ عَزِيزٌ
وَالَّذِیْذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ وَاللّٰهُ
یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ

(عنکبوت ۲۹- آیت ۴۴)

وَاذْفَرِی الْقُرْآنَ فَاسْمَعُوْا
لَکُمْ وَالصُّنُوْا لَعَلَّکُمْ تَرْحَمُوْنَ وَاذْکُرْ
رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَقَرَّرْهَا وَجِیْفَةً
وَوُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْخُدُوْ
وَالْاَصْحَالِ وَلَا یَمْلُکُنْ مِنَ
الْغَیْظِ

(الاعراف ۷- آیات ۲۰۳-۲۰۴)

قرآن مجید ریاکاری کی عبادات اور نام و نمود کی خیرات و مبرات کو سخت قابل

ملاست ٹھیراتا ہے۔

دیکھو آیات ذیل :-

ریاکاری اور ظاہر داری کی نماز اور

زکوٰۃ وغیرہ عبادات پر زبرد تو لےج۔

”منافق (گویا) خدا کو فریب دیتے ہیں، حالانکہ خدا اُن کو فریب (کی سزا) دے رہا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو اپنی نماز دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے، مگر تھوڑا سا“

(النساء ۴- آیت ۱۴۱)

”پس ان نمازیوں کے لئے تباہی ہے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں اور جو ریاکاری (بناوٹ) کرتے ہیں اور کسی کے ساتھ سلوک کرنے میں (روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی دریغ کرتے ہیں)۔ (الماعون، آیات ۱-۲) ۱۰۹ اور وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل (سجدہ میں) گر پڑتے ہیں رو جاتے ہیں۔ اور قرآن کی وجہ سے اُن کی عاجزی زیادہ ہو جاتی ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۱۰۹)۔

۲۶۶ ”(اے لوگو!) جو ایمان لائی ہو اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے مثل اس شخص کے ضائع اور برباد نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کی نمود کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور روزِ آخرت (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتا۔ پس اُس کی مثال

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ
وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا تَأَمَّلُوا
إِلَى الْقُلُوبِ تَمَاسَّكُوا
يُرَادُّونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ
اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

(النساء ۴- آیت ۱۴۱)

قَوْلٍ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ
عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ
هُمْ يُرَادُّونَ وَيَسْعَوْنَ الْمَاعُونَ
(الماعون ۱-۲ آیات ۴ تا ۷)
۱۰۹ وَيَجْرُونَ لِأَذْقَانٍ
يَكُونُونَ وَيَزِيدُهُمْ حُشُوعًا۔

(بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۱۰۹)

۲۶۶ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ
وَالَّذِي كَانَ ذُنُوبُهُ يَفِيقُ مَا كُنَّ
رِغَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَتُقْلَبْ

كَتَلْ صَفْوَانَ عَلَيْهِ سَرَابٌ
فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَزَكَّى صُلْدًا
لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مَّا كَسَبُوا
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۲۶۶)

۴۲- وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ
رِجَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَهُمْ
يَكُونُ الشَّيْطَانُ لَهُمْ قُرِينًا فَسَاءَ
قُرِينًا ۝ (النساء ۴- آیت ۴۲)

چٹان کی سی ہے کہ جس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہے، پھر
اُس پر سخت بارش ہو اور (مٹی کو بہا کر) اُس (چٹان)
کو صاف کر دے، (اسی طرح) اُن (ریاکاروں) کو اُس
(خیرات) میں سے جو انہوں نے کی تھی کچھ حاصل نہ ہوگا،
اور اللہ اُن لوگوں کو جو کفرانِ نعمت کرتے ہیں ہدایت نہیں

دیتا، (البقرہ ۲- آیت ۲۶۶)۔

۴۲- اور (اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو
لوگوں کے دکھانے کو اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اور نہ
اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر، اور شیطان
جس کا ساتھی ہو۔ تو وہ بُرا ساتھی ہے۔

(النساء ۴- آیت ۴۲)۔

عبادات کے لئے خاص مقامات یا خاص اوقات کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے

عبادات کے لئے اوقات (سورہ ہود ۱۱- آیت ۱۱۶- اور سورہ نساء ۴- آیت ۱۰۷) میں
یا مقامات لازمی نہیں | نماز کا وقت بلا تعین کسی وقت خاص کے عام الفاظ میں بیان

کیا گیا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱- آیات ۸۱ و ۸۲- سورہ طہ ۱۰۰- آیت ۱۳۰-
سورہ ق ۵۰- آیت ۳۸ و ۳۹- سورہ طور ۵۲- آیات ۴۸ و ۴۹) میں کچھ اور
وقتوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ مگر وہ خاص صورتیں صرف انحضرت کے لئے ہیں، اور
یہ ایک زائد عبادت ہے۔ دیکھو سورہ بنی اسرائیل ۱- آیت ۸۱- اِس پر ڈاکٹر

لے بیشک عام عبادات مثلاً دعاؤں و ظیفوں وغیرہ کے لئے وقت کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اللہ نماز کے لئے
خاص اوقات عین کئے گئے ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور احادیث میں اُن کی توضیح زیادہ تر کی گئی ہے، نماز
تہجد جو آخر شب میں ادا کی جاتی ہے اور جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل ۱- آیت ۸۱ میں آیا ہے اُس کا ادا کرنا انحضرت
پر واجب تھا مگر عام لوگوں کے لئے یہ نماز ضروری نہیں ہے، اس کے سوا باقی نمازیں جس طرح (دیکھو صفحہ ۱۱۳)

مارکس ڈاؤس یہ رائے ظاہر کرتے ہیں :-

”روینداری کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں جن کو صراحت سے ظاہر کرنے کا فخر بہ نسبت ہم ”لوگوں (عیسائیوں) کے، مسلمانوں کو زیادہ تر حاصل ہے۔ وہ اقرار توحید میں ذرا ”بھی خدشہ اور تذبذب ظاہر نہیں کرتے اور اس بڑے مذہبی اصول پر کہ ”خدا کی عبادت“ ”ہیکلوں (معبودوں) یا کسی خاص مقام میں محدود نہیں ہے“ کاربند رہتے ہیں :-

قطعہ

(ایک سیچی کی انگریزی نظم کا ترجمہ)

<p>مسجد ہے جن کی ہر دم موجود اُن کے اندر جو چلتی گاڑیوں میں اور ہستی کشیوں پر گو، گرد و پیش اُن کے ہوں اجنبی سرسہر کوئی ادا نہ جن کی ملتی ہو ان سے تل بھر سجادہ بے تکلف اپنا وہیں بچھا کر گویا کہ میں وہ اس دم طبقے سے اپنے برتر گویا کہ کور میں وہ سب کی طرف سے اور گز رو صحن حضور حق میں حاضر ہیں اُن کی یکسر گویا کہ قرب حق کی چھائی ہے ہیبت اُن پر</p>	<p>سب سے زیادہ عزت ہے اُن نمازیوں کی جو جگہوں کے فعل میں، جو شور میں بگل کے گو پاس ہوں وطن کے یا دور ہوں وطن سے ہو وضع غیر جن کی، جن کی زباں الگ ہو القصد یہ نمازی جس جال میں ہوں چُپ چا ہوتے ہیں دل سے مفرود اس طرح بندگی میں کان اور آنکھ جوتے، سُنّتے نہ دیکھتے ہیں ارکان دست و پا سے کرتے ادا ہیں لیکن کرتے ہیں نقل و حرکت وہ اس طمانیت سے</p>
--	--

”بے شک اسلام میں ظاہر دار اور ریاکار ہوتے ہیں، جیسے کہ دیگر مذاہب میں، جن کا ہم کو

(نقدیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) آنحضرت پر فرض تھیں اسی طرح ہم لوگوں پر بھی فرض ہیں عبادت کے لئے اوقات کا تعین ہر مذہب میں ہے، اس لئے ایک مذہبی آدمی کا پابندی اوقات نماز پر اعتراض کرنا سراسر باطل ہے، رہا مقام کا تعین سو کسی عبادت کے لئے بھی ضروری نہیں ہے (مترجم)

”تجربہ ہے۔ اُن کے رکوع و سجود کی یکسانی اور باقاعدگی سپاہیوں کی ایک عمدہ
 درتعداد ان کمپنی یا مشینوں (کلوں) کی حرکتوں سے مشابہت رکھتی ہے، مگر قرآن
 درمحض ارکان ظاہری کے بجالانے پر ان الفاظ میں ملامت کرتا ہے۔ ”اُن نمازیوں
 کی تباہی ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں اور جو ریاکاری (بناوٹ) کرتے ہیں اور
 ”(کسی کے ساتھ سلوک کرنے میں) روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی
 ”درریغ کرتے ہیں“۔ محض ارکان کی پابندی کا جیسا سخت خاکہ اس عربی مثل میں اُڑایا
 ”دگیا ہے، ایسا کہیں نہیں اُڑایا گیا ہوگا۔ (مثل کا ترجمہ یہ ہے) ”اس کا منہ قبلہ کی
 ”طرف ہے، مگر اس کی ابریاں گھاس پھوس کے اندر ہیں“ انتہا درجہ کا سکوت اور
 ”عبادت الہی کا ادب جو مسلمانوں کی نمازیں پایا جاتا ہے، اور جس کی وجہ سے اجنبی
 ”آدمی کو ایک بھری مسجد میں داخل ہوتے وقت اس بات کا دھوکا ہو جاتا ہے کہ وہ
 ”در بالکل خالی ہے، اس کے حاصل کرنے کی خاطر ہم ایسی پابندی اوضاع کو جو نماز
 ”میں دیکھی جاتی ہے قابل درگزر سمجھ سکتے ہیں۔ جو لوگ ذرا ذرا سے عذر پر عبادت کے
 ”فرض سے اپنے آپ کو سبکدوش سمجھ لیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ قیس
 ”بن سعد کی محویت کو، جو افراط کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی، اختیار کر لیں جس نے
 ”سجدہ کی جگہ سے ایک انچ بھی اپنا سر پر سے نہ ہٹایا، اگرچہ ایک بڑا سانپ اس کے
 ”دچہرہ کے نزدیک اپنی کچلیاں باہر نکالے بیٹھا تھا جو آخر کار اس کی گردن میں لپٹ گیا۔
 ”اگر بعض مسلمان نماز میں اوضاع ظاہری ہی کے پابند ہیں تو یقیناً بہتیرے ایسے بھی ہیں
 ”جو صدق دل سے نماز پڑھتے ہیں“

وضو اور غسل لوگوں پر اس طرح فرض نہیں کئے گئے کہ وہ ان پر بار ہوں، یا
 ان میں کوئی خفی خوبی رکھی گئی ہو، بلکہ محض طہارت اور پاکیزگی کے

وضو اور غسل

سہ یہ ترجمہ ان آیتوں کا ہے جو اسی فقرہ میں پہلے مترجم نقل ہو چکی ہیں۔ (مترجم)۔ لے محمد۔ بدھ اور مسیح“ از ماؤس ڈی۔ ڈی۔ صفحہ ۳۰۔ ۳۱۔

طور پر ایسا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے :-

۹۔ نَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ
مِنْ حَرْجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ
(المائدہ ۵۔ آیت ۹)

۹۔ اللہ تعالیٰ تم پر تنگی کرنی نہیں چاہتا بلکہ تم کو
پاک اور پاکیزہ بنانا چاہتا ہے۔
(المائدہ ۵۔ آیت ۹)

۴۱۔ (۳) چوتھے اعتراض کا جواب۔ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید

قرآن مجید میں اصول اور
عملی دو طرح کا اخلاق ہے

کامل طور پر اس بات سے واقف ہے کہ قطعی احکام (اوامر)
کا ایک معین و دستور العمل قائم کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ
مبادا زندگی کی ہر ایک حالت اس کے سانچے میں ڈھل جائے، اور وہ ہر حالت میں
ضابطہ ہدایت کا کام دے۔ وہ اندیشہ یہ ہے کہ ظاہری پابندی کا دستور العمل
جس کے ذریعہ سے لوگوں کو ایسے مذہبی فرائض کی بجا آوری کا پابند کیا جاتا ہے،
جس میں عبادت کے وقت، مقام اور طریقہ کی بابت ذرا ذرا سی تفصیلی ہدایتیں مقرر
کی گئی ہوں، یہاں تک کہ اُن میں کمی بیشی کی مطلق گنجائش نہ ہو، وہ دستور العمل اُن
کو ایسے سخت سکنجھ میں گس دیتا ہے کہ جب وہ حالات جو اس پابندی کو جائز قرار دیتے
تھے، تبدیل ہو جائیں یا مفقود ہو جائیں، اُس وقت بھی اُن لوگوں پر اس دستور العمل
کی ویسی ہی سخت گرفت قائم رہتی ہے جو لوگ ایسے دستور العمل کی پابندی میں زندگی
بسر کرتے ہیں، جس میں ذرا ذرا سی باتوں کی بندش اور بال کی کھال نکالی گئی ہو،
اُن کی اخلاقی ترقی رک جاتی ہے اور اس کا نمونہ نہیں ہونے پاتا۔ بنی آدم کا
میلان رسوم ظاہری کی پابندی کی طرف ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ علی العموم، گویا اوقات
بے خبری سے، غلطی میں پڑ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ فرائض کے
اُن مجوزہ طریقوں (یعنی عبادات) اور مذہبی رسوم کے

محض ادا کر دینے میں کوئی خاص اور واقعی خوبی اور نیکی پائی جاتی ہے۔ اُن لوگوں کے نزدیک اخلاق اصول پر نہیں بلکہ عمل پر مبنی ہے، اُن کے خیال کے موافق اخلاق زیادہ تر مذہبی رسوم کے ایک مجموعہ کا نام ہے نہ کہ اُس خاص میلانِ قلب کا جو خدا اور انسان کی طرف ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نیکی و بدی سے بہیمیت مجموعی بحث کرتا ہے اور فرداً فرداً تفصیلی حیثیت سے بھی وہ باطنی تحریک (نیت) سے بھی اسی قدر بحث کرتا ہے جس قدر کہ ظاہری عمل سے، اور ترغیب و تخریص اور وعظ و پند پر جتنی تاکید کرتا ہے اُسی کے برابر اوامر و احکام پر زور دیتا ہے وہ گناہ کی نفرت اور بُرائی کو بہیمیت مجموعی انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ تمام عملی اخلاق اور پارسائی کو چن معین احکام کے تنگ دائرہ میں محدود نہیں کرتا۔ وہ اُس دور تک پہنچنے والی خیرات کی بُنیاد ڈالتا ہے جو تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں برابر سمجھتی ہے، اور نسل اور قوم کے کسی امتیاز کو تسلیم نہیں کرتی۔

قرآن مجید کی آیات مندرجہ ذیل اس مدعا پر شاہد ہیں:-

۱۲۰۔ اور ظاہری گناہ اور باطنی گناہ سے بچتے رہو، جو لوگ گناہ کما تے ہیں اُن کو جلد اُن کاموں کا بدلہ مل جائے گا جو وہ کرتے ہیں۔“

(الانعام ۶- آیت ۱۲۰)

”اے پیغمبر! لوگوں سے کہو کہ اُد میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سُناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور مفلسی دے کے

۱۲۰۔ وَذُرُوا ظَہِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ
اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
یُسْجَرُوْنَ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝

(الانعام ۶- آیت ۱۲۰)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّکُمْ
عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ
بِاٰوَالِدِیْنِ اِحْسَانًا وَّلَا تَقْتُلُوْا
اَوْ لَاؤَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط حٰثِمٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ

وَرَأْيَا هُمْ وَلَا تَقْرَبُوا أَلْفَا حَشَن
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطْنٌ جَوَّ لَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ
ذِكْرُكُمْ وَمَا كُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(الانعام ۶- آیت ۱۵۲)

تَقْتُلِ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطْنٌ وَلَا تُشْرِكُوا
وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا
بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا
وَ إِنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(الاعراف ۷- آیت ۳۱)-

.....

الَّذِينَ يَخْتَفُونَ كِبَارًا رَرَّ إِلَّا تَنْ
وَأَلْفَا حَشَن إِلَّا اللَّهُمَّ إِنْ رَبَّكَ
وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنْ
أَنْشَأَكُمْ مِنْ الْأَرْضِ وَ إِذْ أَنْتُمْ أَجْنَّةٌ
فِي الْبُطُونِ أَتَمَّنَّا بِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ
هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اتَّقَى ۝

(البقرہ ۵۳- آیت ۳۳)

خوف) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تم کو اور
اُن کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی
کی باتیں جو ظاہر اور جو پوشیدہ ہوں، اُن کے
پاس نہ جانا، اور جان جس کے قتل کرنے کو
نے حرام کر دیا ہے، اُس کو قتل نہ کرنا، مگر حق پر یہ وہ باتیں
جن کا حکم خدا نے نکلودیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (الانعام ۶- آیت ۱۵۲)

” (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہو کہ میرے پروردگار
نے بے حیائی کے کاموں ہی کو حرام کر دیا ہے خواہ
وہ کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق
زیادتی کرنے کو، اور اس بات کو کہ تم کسی کو خدا
کا شریک بناؤ، جس کی کوئی سند اُس نے نازل
نہیں کی، اور اس بات کو کہ خدا پر نادانی سے
افتراکرو (ان سب باتوں کو اس نے حرام
قرار دیا ہے)۔“

(الاعراف ۷- آیت ۳۱)-

”جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے
کاموں سے بچتے ہیں مگر چھوٹے چھوٹے گناہ (کہ اُن
سے انسان عموماً بچ نہیں سکتا) بے شک تیرے
پروردگار کی مغفرت وسیع ہے اور وہ تم کو خوب جانتا ہے،
جب کہ اُس نے تم کو زمین (کی ٹہنی) سے پیدا کیا، اور جب کہ
تم کو ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، پس تم اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ
جو شخص پرہیزگار ہے اُس کو وہی (خدا) خوب جانتا ہے۔“ (البقرہ ۵۳- آیت ۳۳)

۱۳۔ یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات ۲۹-۱۳)

۱۴۳۔ وَبَلَّغْ رِسَالَاتِ اللَّهِ هُوَ مَوْلَانِهَا فَاسْتَبِقُوا خَيْرَاتِ الْآيِنِ مَا تَلَوْا مِنْ بَآئِتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(البقرہ ۲-آیت ۱۴۳)

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّئًا عَلَيْهٗ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ كُلُّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرَٰعَةً وَ مِنْهَا جَاءَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِى مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

۱۳۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا، اور تمہاری شاخیں اور قبیلے مقرر کئے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے (الحجرات ۲۹-آیت ۱۳)

۱۴۳۔ اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ اپنا رخ کرتا ہے، پس تم (اے مسلمانو!) نیکیوں کی طرف سبقت کرو، تم کہیں بھی ہو اللہ تم سب کو اپنے پاس بلائے گا، بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے (البقرہ ۲-آیت ۱۴۳)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کی، جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اُس سے پہلے کی موجود ہیں، اور انکی محافظ بھی ہے، پس جو کچھ اللہ نے تم پر نازل کیا ہے تم اس کے موافق ان لوگوں کے درمیان حکم دو، اور جو امر حق تم کو پہنچا ہے اُس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر گروہ کے لئے ایک شریعت اور ایک رستہ مقرر کیا، اور اگر اللہ کی مشیت میں ہوتا تو البتہ تم کو ایک امت کرتا لیکن مقصد یہ ہے کہ جو احکام (دفعات)

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(المائدہ ۵- آیات ۵۲-۵۳)

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ
مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ
فِي السَّرَّاءِ وَالْفَرَائِ
وَكَارِظِينَ الْفَيْضِ وَالْعَالِينَ
عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِينَ وَالَّذِينَ إِذَا
فَعَلُوا فَاِحْسَنَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ
وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ ذُنُوبَ
إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يَصْرُفْهُ عَلَىٰ
مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

(آل عمران ۳- آیت ۱۲۷ و ۱۲۹)

۲۱- سَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ
مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

فوقاً تمہارے مناسب حال تم کو دئے ہیں، اُن میں
تمہاری آزمائش کرے، پس تم نیک کاموں کی طرف سبقت
کرو تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے، پس جن باتوں
میں تم اختلاف کرتے ہو وہ تم کو بتائیگا (المائدہ ۵- آیات ۵۲-۵۳)
”اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو
جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے، اُن پر میری کار
کے لئے تیار ہے جو آسودگی اور تنگی (دونوں) میں خرچ کرتے
ہیں، اور غصہ کو روکتے اور لوگوں سے درگزر کرتے
ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا
ہے، اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر دہ تقاضے
بشریت کبھی کوئی بے حیائی کا کام کرتے بھی ہیں
یا (اور کسی بیجا کام سے) اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں
تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے
ہیں، اور اللہ کے سوا گناہوں کا معاف کرنے
والا اور کون ہے، اور جو بیجا کام کر گزرتے
ہیں تو جان بوجھ کر اُس پر اصرار نہیں کرتے“

(آل عمران ۳- آیت ۱۲۷ و ۱۲۹)

۲۱- تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف
سبقت کرو اور نیز جنت کی طرف جس کی وسعت
آسمان و زمین کی مانند ہے، جو اُن لوگوں کے لئے

أَعَدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ
وَرُسُلِهِ ذُرَاكَ فُضِّلَ اللَّهُ يُؤْتِيهِ
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

(الحجید ۵۷- آیت ۲۱)

۱۸۳- لَتَبَاؤُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ
وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ
أَوْفُوا الْبَيْتَ مِنْ فِتْنِكُمْ وَمِنْ الَّذِينَ
أَشْرَكُوا أَدَّى كَثِيرًا وَإِنْ
تَضَرَّعُوا وَتَسْتَغْفِرُوا فَإِنَّ ذَلِكَ
مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

(آل عمران ۳- آیت ۱۸۳)

۱۶- يَا بَنِي إِدْرِيسَ اصْبِرُوا
بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ إِنَّ
ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

(لقمان ۳۱- آیت ۱۶)

وَجَوَارِءٍ سَيِّئَاتٍ يُشْكِلْنَ
فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ط وَلَمَّا
انْتَصَرَ بَعْدَ ظَلْمِهِ
قَالَ لِنُكْتَا مَا عَلِمْتُمْ

تیار کی گئی ہے، جو اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر
ایمان لاتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے
عطا کرتا ہے، اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔
(الحجید ۵۷- آیت ۲۱)

۱۸۳- البتہ تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں (کے
نقصان) میں تمہاری آزمائش کی جائیگی، اور جن لوگوں کو
تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اُن سے اور مشرکین سے تم
بہت سی تکلیف کی باتیں ضرور سنو گے، اور اگر تم صبر کرو اور
پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ ہمت کے کام
ہیں۔

(آل عمران ۳- آیت ۱۸۳)

۱۶- اے بنی ادریس! نماز کو قائم کرو، اور (لوگوں کو) نیک
کاموں کی نصیحت کرو، اور برے کاموں سے منع کرو اور جو
مصیبت تجھ پر پڑے اُس پر صبر کرو، بے شک یہ ہمت
کے کام ہیں۔

(لقمان ۳۱- آیت ۱۶)

”اور بُرائی کا بدلہ ہے ویسی ہی بُرائی (یعنی اُس
بُرائی کے موافق منرا) پس جو شخص معاف کرے اور صلح
کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، درحقیقت
وہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا،
اور کسی پر ظلم ہو اور وہ اس کے بعد

مَنْ سَبِيلٌ ۝ إِنَّمَا السَّبِيلُ
عَلَى الَّذِينَ يُظْلَمُونَ النَّاسُ
وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
أُولَئِكَ نَعْتَدُ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝
لَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ فَوْقَ لَنَا
عِزًّا ۝

(شوری ۲۲- آیت ۳۸-۴۱)-

انتقام لے، تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام
تو ان ہی پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور روکے
زمین پر ناحق (لوگوں کے اوپر) زیادتی کرتے
ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب دردناک
ہے، اور البتہ جو شخص صبر کرے اور بخش دے تو
بے شک یہ بڑے بہت کے کام ہیں۔

(شوری ۲۲- آیت ۳۸-۴۱)-

۲۲- (۵) پانچویں اعتراض کا جواب- قرآن مجید نہایت ہی کامل طور پر

قرآن کا گرد و پیش کے اور جلد جلد ترقی کرنے والے تمدن کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

حالات سے مناسبت رکھنا اگر اس کی تعبیر معقول طور پر کی جائے نہ کہ اس تفسیر کے مطابق

جو عام قانون کے علماء نے اختیار کی ہے، اور جس کا نفاذ ایک قوم کی رائے کی

بدولت ہوا ہے۔ مسلمانوں کا عام قانون، جو ان تمام روایات یعنی اقوال پیغمبر پر

مشتمل ہے، جن میں سے بہت کم اصلی اور واقعی ہیں، اور جس میں علمائے اسلام

کا فرضی اور خیالی اجماع اور زیادہ تر ان کے قیاسی دلائل شامل ہیں جن کو

حدیث، اجماع اور قیاس کہا جاتا ہے، یہی قانون فقہ یا شریعت کے

نام سے موسوم ہوا ہے، جس نے روحانی اور دنیوی امور کو ایک دوسرے کے ساتھ

مخلوط کر دیا ہے، اور جو نئی نئی تمدنی اور ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے بعض صورتوں

میں قوم کی ترقی اور اس کے تہذیب و تمدن کے لئے سد راہ ہو گیا ہے +

مسٹر اسٹینلے لین پول لکھتے ہیں :-

”وہ دقیق دستور العمل اور پیچیدہ قانون جو آجکل اسلام کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا نام

”بھی قرآن میں نہیں ہے، اس میں صرف وہ فیصلے شامل ہیں، جن کی مدینہ میں ضرورت پیش

آئی تھی۔ محمد (صلعم) خود اس بات کو جانتے تھے کہ اس میں ہر ایک ضرورت کے لئے حکم موجود نہیں ہے، اور آپ نے اپنے پیروؤں کی ہدایت کے لئے یہ صلاح دی تھی کہ جب کوئی شبہ پیش آئے تو قیاس کے اصول پر کاربند رہیں۔ یہ قیاس اسلام کی بربادی کا باعث نہ ہوا ہے۔ مفسرین اور فقہانے اپنی تیز عقل سے کام لے کر قرآن سے ایسے قانونی فیصلے نکالے ہیں کہ معمولی فہم کا آدمی وہاں ان کا پتہ نہیں لگا سکتا، اور موجودہ اسلام کی تمام عمارت ریت کی بنیاد پر قائم ہے۔ قرآن اس خرابی کا ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ

مذکورہ بالا راسے سے مجھے صرف اس بیان میں اختلاف ہے کہ ”محمد (صلعم) نے قیاس کے اصول پر کاربند رہنے کی صلاح دی“ (آنحضرتؐ نے ہرگز ایسی ہدایت نہیں کی)۔

۴۳۔ الغرض قرآن مجید کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا دستور العمل بنی نوع

نوع انسان کی تمام جماعتوں اور قوموں کے لئے قرآن مجید کا مناسب ہونا۔

انسان کی ادنیٰ اور اعلیٰ حالتوں کے لئے نہایت عمدہ طور پر مناسب ہے۔ وہ احکام جن میں تمدنی زندگی کے بعض حصوں، اخلاقی چال چلن اور مذہبی رسوم کی بابت ہدایتیں ہیں، وحشی قوموں کے لئے نعمت ہیں، اور قرآن مجید کا جو حصہ اعلیٰ اصول پر زور دیتا ہے، جن کے باقاعدہ استعمال کے لئے شخصی و ذاتی

لے پیغمبر محمدؐ کے اقوال اور اسپیشین از اسٹینلے لین پول صفحہ ۵۲ و ۵۳۔ مقدمہ مطبوعہ لندن ۱۹۷۶ء۔

لے قیاس کی خدمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اسلئے مسٹر سٹینلے لین پول کا یہ خیال غلط ہے کہ آنحضرتؐ نے قیاس پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا۔ بے شک قیاس اسلام کی تباہی کا باعث ہوا، مگر آنحضرتؐ اور ائمہ اہلبیتؑ نے قیاس کی ممانعت نہایت سختی کے ساتھ کی ہے۔ اور قرآن مجید یقیناً ایک جامع اور مکمل کتاب ہے جو تمام دینی و دنیوی ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ اس کی تفسیر کے لئے ”راسخون فی العلم“ (آنحضرتؐ اور ان کے اوصیاء کے روحانی) کے اقوال پر اعتماد کیا جائے اور اپنی ذاتی راسے کو اس میں دخل نہ دیا جائے۔ (مترجم)

کانشنس (قوت میزہ) پر بہت کچھ دارو مارا ہے، وہ انہی لوگوں کے لئے اس وقت مناسب ہے جبکہ وہ اس کی تعلیم کے اثر سے وحشی پن سے نکل کر اعلیٰ حالت میں قدم رکھنے لگتے ہیں، یا ان لوگوں کے لئے جو پہلے ہی سے اعلیٰ قسم کا تمدن رکھتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کے احکام کہ ”پورے پیمانہ سے ٹاپو“ ”ٹھیک ترارو سے تولو“ ”شراب اور قمار بازی سے پرہیز کرو“ ”لوگوں سے مہربانی سے پیش آؤ“ ان لوگوں کے لئے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تمدن تک نہیں پہنچے ہیں۔ راستی، دیانت داری، اعتدال اور رحم کی صفیتیں اور وہ نیکیاں جن کا تعلق حلم اور نرم دلی سے ہے، دل کے خیالات اور میلان کو قابو میں رکھنے کی جو تاکید کی گئی ہے، ایسے ایسے امور کی بابت قرآن مجید کے احکام ان اشخاص کی تعلیم کے لئے موزون ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تمدن تک پہنچ چکے ہیں، اور جن کو ذرا ذرا سے معاملوں میں مفصل احکام و ہدایات کی ضرورت نہیں رہی۔

چراغ علی

حیدر آباد دکن
مارچ ۱۸۸۴ء

نوٹ

متعلق مقدمہ تحقیق الجہاد

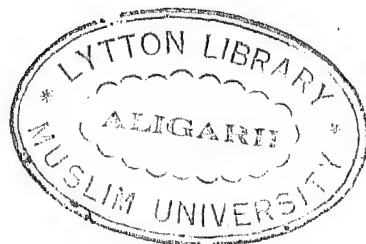
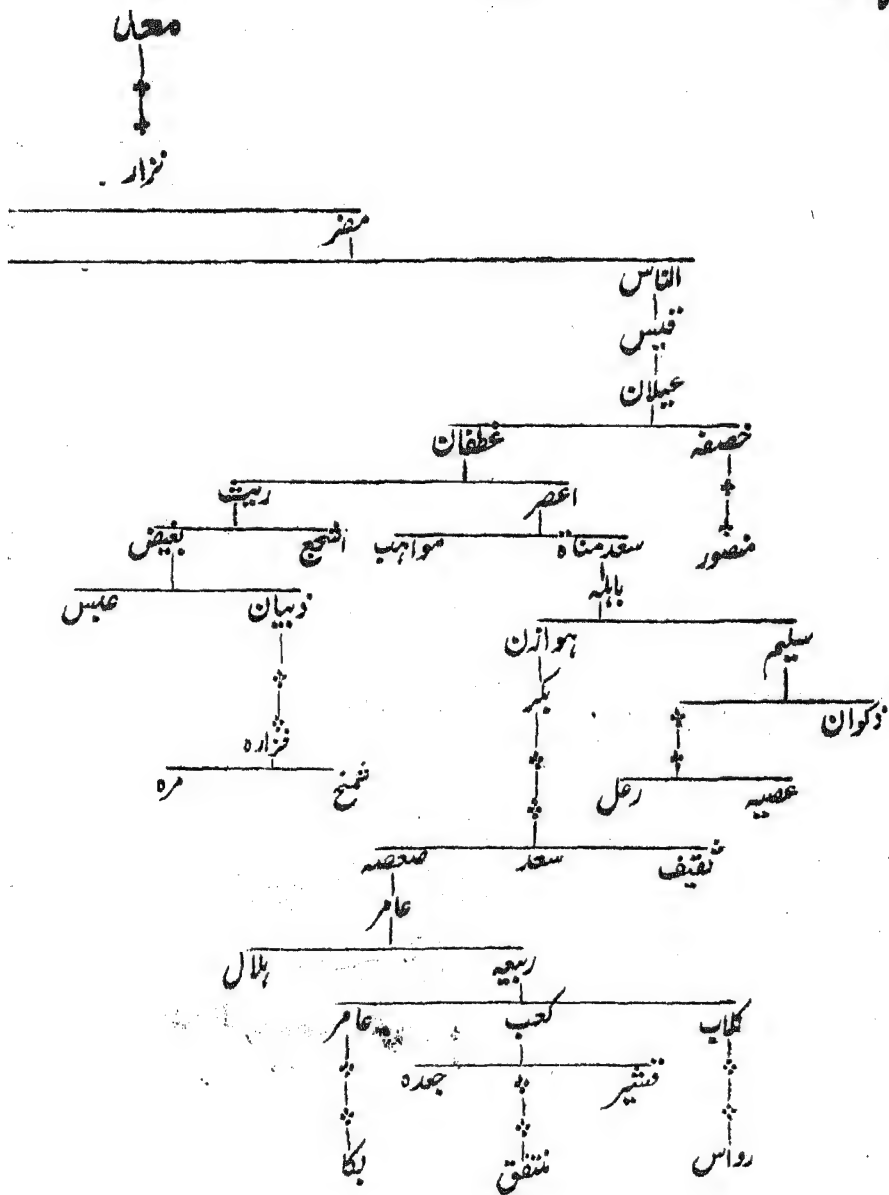
یہاں مجھے ایک غلط خیال دُور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یعنی ہمارے ہوطن ہندوؤں کی بابت آنحضرتؐ کا جو حکم بیان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ آنریبل راجہ شیو پرشاد نے ۹ مارچ ۱۸۸۳ء کو البرٹ بل پر بحث کرتے ہوئے لیجسلیٹو کونسل (مجلس وضع قوانین) میں اپنی سپیچ (تقریر) میں امیر خسرو کی تاریخ علانی سے یہ عبارت نقل کی تھی۔ ”علاء الدین خلجی نے ایک دفعہ ایک قاضی کو طلب کر کے اس سے دریافت کیا کہ شرع محمدی میں ہندوؤں کی بابت کیا لکھا ہے۔ قاضی نے جواب دیا کہ ہندو ذاتی ہیں (یعنی محصول جزیہ ادا کرنے کے مستوجب ہیں)، اگر اُن سے چاندی طلب کی جائے تو اُن کو نہایت ادب و انکسار کے ساتھ سونا ادا کرنا چاہیئے، اور اگر محض جزیہ اُن کے چہرہ پر مٹی کوڑا پھینکے تو اُن کو خوشی سے اپنا منہ کھول دینا چاہیئے۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ اُن کو تالیع فرمان رکھا جائے، اور پیغمبر صلعم نے مسلمانوں کو اُن کے قتل کرنے، اُن کا مال لوٹ لینے اور اُن کے قید کرنے کا حکم دیا ہے، اُن کو مسلمان بنایا جائے یا قتل کیا جائے، غلام بنایا جائے اور اُن کی جایدا ضبط کی جائے۔ (دیکھو گزٹ آف انڈیا کا ضمیمہ سورخہ ۲۱- اپریل ۱۸۸۳ء صفحہ ۸۰۷)

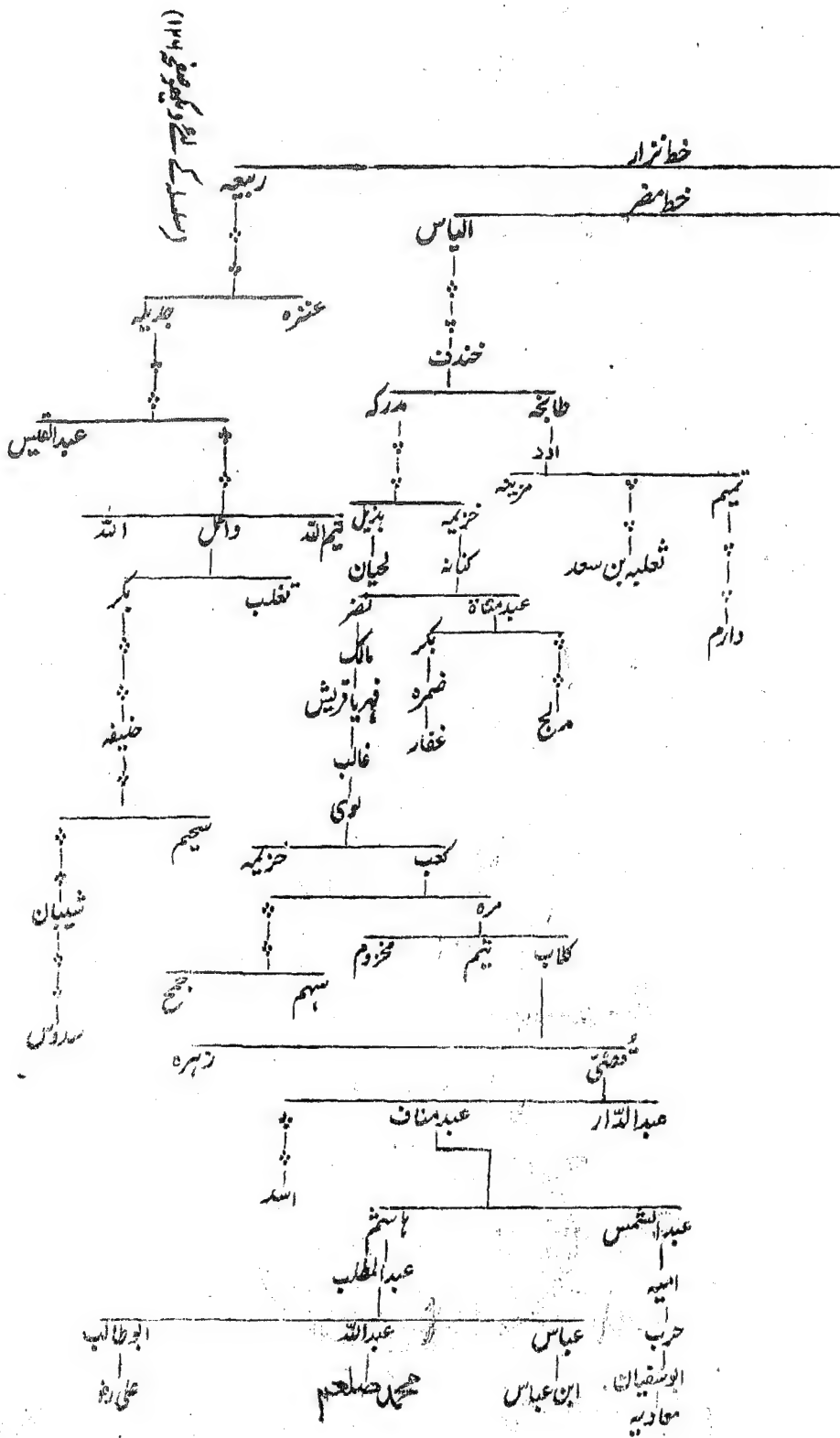
مذہب اسلام کی رواداری اور کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی ممانعت کی بابت اس کتاب کے مختلف مقامات پر میں نے بہت بیان کیا ہے، اسکے بعد مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ احکام جو بیان کئے گئے ہیں سراسر غلط انتہام ہیں۔ آنحضرت (صلعم) کے ایسے احکام نہ تو ذمیوں کی بابت کہیں موجود ہیں اور نہ ہنود کی بابت ۔

شجرات أنساب عرب

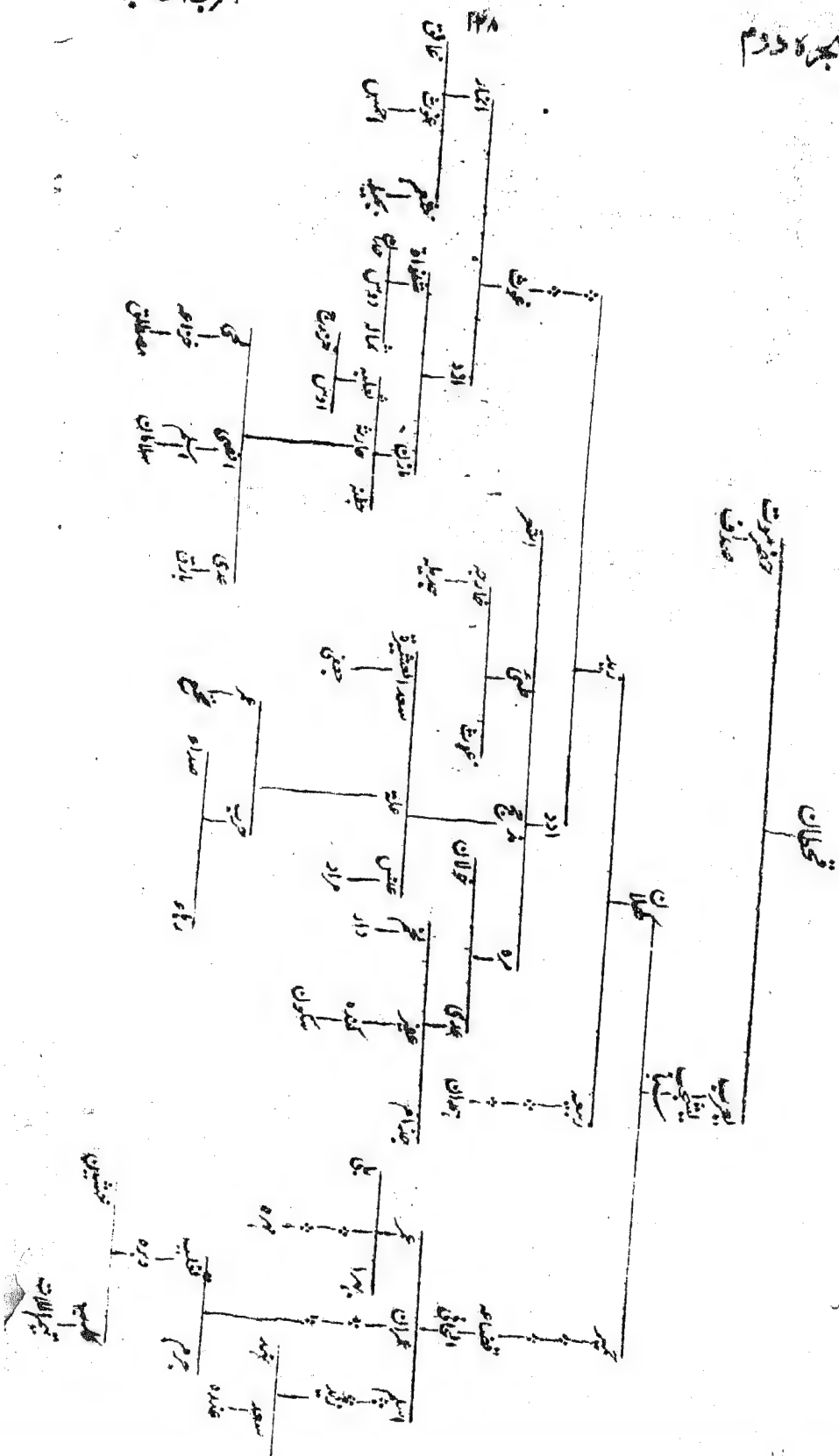
١- العرب المستعربة

٢- العرب العاربة





العرب العالمين



تحقیق الجہاد

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام جنگیں دفاعی تھیں،

باب اول

کفار کا مسلمانوں کو اذیت دینا

۱۔ یہ امر تمام مؤرخوں کے نزدیک مسلم ہے کہ آنحضرت م کو اور ان مسلمانوں کو جو
اہل مکہ کی مسلمانوں کو ابتداء ایمان لائے تھے۔ اپنے اہل وطن یعنی قریش کے ہاتھوں
ابتدائی ایذا رسانی سخت اذیت پہنچی تھی۔

پیغمبر اسلام م اور آپ کے پیروؤں کے ساتھ جس بداندیشی اور کینہ توزی کا
اظہار کیا گیا۔ اُس کی بابت قرآن مجید کافی شہادت دیتا ہے۔ جو اُس زمانہ کے
حالات کے متعلق ایک معتبر تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدائی مسلمانوں پر نہ صرف
اس وجہ سے ظلم کیا جاتا تھا کہ وہ بُت پرستی کا مذہب ترک کر کے آنحضرت م کے
دین تو حید کو اختیار کرتے جاتے تھے۔ بلکہ اُن کو شکنجہ عقوبت میں گھسنے اور

اُن کے ساتھ دوسری قسم کی بدسلوکیاں عمل میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُن کو دوبارہ اسی مذہب کے قبول کرنے کی ترغیب دی جائے، جس کو وہ ترک کر چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی طرف سے ایذا رسانی اس شدت تک پہنچ گئی تھی کہ جو مسلمان کفار کی تعدی اور پیرحمی کی وجہ سے اسلام سے دست بردار ہو کر بت پرستی اختیار کرنے پر مجبور کیے گئے تھے، مگر دل میں ایک سچے خدا کا پکا اعتقاد رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو بھی آنحضرتؐ سچا مسلمان تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے :-

”جو شخص (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کیا جائے مگر اُس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو وہ قابل مواخذہ نہیں لیکن جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے اور دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر خدا کی طرف سے غضب ہے اور اُن کیلئے بڑا عذاب“ (النحل ۱۶- آیت ۱۰۸)۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ
اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَهُوَ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ
وَالْكُفْرُ شَرٌّ مِّنْ الشَّرْحِ بِالْكَفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْكُمْ غَضَبُ اللّٰهِ وَ اَلْعَذَابُ الْعَظِيْمُ ۝
(النحل ۱۶- آیت ۱۰۸)۔

مسٹر سٹابرٹ کہتے ہیں :-

”وہ قید اور وہ حقوق نہیں، بالخصوص آفتاب کی جلانے والی کرنوں میں پیاس کی تکلیف، جن میں ان عاجز مسلمانوں کو اس لئے مبتلا کیا جاتا تھا، کہ اُن کو اپنے قومی بتوں کی پرستش اور کفر و ارتداد کی طرف ترغیب دی جائے، ان باتوں کا آنحضرتؐ کے دل پر بڑا اثر ہوا، اور خاص خاص حالتوں میں فرمان الہی کے موافق آپ نے اُن کو اجازت دیدی کہ وہ اپنے عقیدے کا انکار کر سکتے ہیں جب وہ تک کہ اُن کا قلب اُس پر قائم و مطمئن ہو۔“

لے دیکھو کتاب ”اسلام اور اس کا بانی“ از جے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ سٹابرٹ بی۔ اے صفحہ ۷۷۔
مگر درحقیقت کوئی ایسی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ قرآن مجید کی جو آیت اوپر نقل کی گئی ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو لوگ خدا کا انکار (کفر) کریں، خدا کا غضب اور عذاب اُن پر ہوگا، مگر اُن لوگوں (یعنی جو مجبور ہوئے)

۲۔ وہ ظلم، وہ اذیتیں اور وہ تکلیفیں جو ابتدائی مسلمانوں کو پیش آئی تھیں، اُن کی اس ایذا رسانی کا ذکر قرآن مجید میں اپنے مال و اسباب کو ظالموں کے قبضہ میں چھوڑ کر اپنے گھر سے نکل بھاگیں۔ اُنہوں نے اس طریقہ کو بت پرستی کی طرف رجوع کرنے سے بہتر سمجھا۔ اور اس سچے خدا سے واحد پر پختہ ایمان رکھتے تھے جس پر یقین اور توکل رکھنے کے لئے پیغمبر (صلعم) نے اُن کو تعلیم دی تھی۔ ان تمام واقعات کا خاکہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں غالباً صفائی کے ساتھ کھینچا گیا ہے:-

”اور جن لوگوں پر ظلم ہوئے اور ظلم کے بعد اُنہوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، ہم ضرور بالضرور دنیا میں اُن کو اچھی امن کی جگہ دیں گے، اور آخرت کا اجر اس سے بڑھ کر ہے، اے کاش یہ لوگ جنہوں نے (مصیبتوں پر صبر کیا ہے اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُس اجر کو) جانتے ہوتے“

(النحل ۱۶- آیات ۴۳-۴۴)

”پھر جن لوگوں نے مبتلا سے مصیبت ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، (اسے پیغمبر) تمہارا پروردگار بے شک ان (استحانوں) کے بعد ان لوگوں کے لئے اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

(النحل ۱۶ آیت ۱۱)

وَالَّذِينَ هُمْ يَجْرُوا فِي اللَّهِ
مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَبْنِيَنَّ لَهُمْ
فِي الدُّنْيَا خَيْرًا وَلَا جَزَاءَ
الْآخِرَةِ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ
الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُونَ

(النحل ۱۶- آیات ۴۳-۴۴)

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ
هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا قُتِلُوا لَكُمْ
جَاهِدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ
مِنْ بَعْدِ مَا كَفَرُوا فَتَمِّمُوا

(النحل ۱۶ آیت ۱۱)

(تفصیل صفحہ ۲) یہیں جو چورہ ہو کر ایسا کریں۔ ان پھیلی قسم کے لوگوں کو (جن کی زبان سے سخت مجبوری کی حالت میں کلمہ کفر نکل جائے) پہلی قسم کے اشخاص کے برابر نہیں رکھا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ حالت مجبوری میں کسی کے دباؤ سے کلمہ کفر کہہ بیٹھیں، وہ کافروں میں شمار نہیں کئے گئے۔ (بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۸ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء - ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۹ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۶ء)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ
هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(البقرہ ۲- آیت ۲۱۵)

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَوْذُوا فِي سَبِيلِ
وَقَاتِلُوا أَوْ قَاتِلُوا الْكَافِرِينَ عَنْهُمْ
سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا تَجِدْ لَهُمْ جُنُودَ
مُحْرَمِينَ مِنْ تَحْتِهَا أَلْأَنْهَارُ

(آل عمران ۳- آیت ۱۹۴)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ قَاتِلُوا يُرْزَقُوا مِنَ اللَّهِ
رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَكَنُورٌ
خَبِيرٌ الرَّازِقِينَ

(الحج ۲۲- آیت ۵۷)

لَا يَنْفِكُوا آلَافًا عِدُونَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ
وَالْحَاجُّونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ قَتَلَ اللَّهُ
الْحَاجِّينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ
کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جو
اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے
والا اور رحیم ہے۔“

(البقرہ ۲- آیت ۲۱۵)

”جن لوگوں نے ہجرت کی اور میری راہ میں اپنے
گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے۔ اور لڑے
اور مارے گئے۔ ہم ان کی خطاؤں کو ضرور بالظور
محو کر دیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں
گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔“

(آل عمران ۳- آیت ۱۹۴)

”اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی پھر وہ
قتل کئے گئے یا مر گئے۔ اللہ ان کو (آخرت میں)
ضرور بالظور عمدہ روزی دے گا۔ اور بے شک اللہ
سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔“

(الحج ۲۲- آیت ۵۷)

”جو مسلمان معذور نہیں ہیں۔ اور وہ (جہاد سے) بیٹھ
رہے۔ یہ لوگ ان کے برابر نہیں ہیں۔ جو اپنے
مال اور جان سے راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں
کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کے اعتبار سے فضیلت

عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَ كَلَّا
وَعَدَ اللَّهُ الْمُتَّقِينَ وَ فُضِّلَ اللَّهُ
الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا
... إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا نَفْسَهُمْ
وَالَّذِينَ قَتَلُوا نَفْسَهُمْ قَالُوا إِنَّمَا
كُنَّا مُسْتَغْفِرِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا
أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَهَذَا جُرْأُوا
فِيهَا قَالُوا لَنَبْكَ مَا وَهُمْ جَنَّةٌ وَ
سَاءَتْ مَصِيرًا إِلَّا الْمُتَّقِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوَالِدِينَ
لَا يَسْتَطِيعُونَ جَبْدًا وَ لَا يَهْتَدُونَ
بَسِيلًا قَالُوا لَنَبْكَ مَا وَهُمْ جَنَّةٌ
وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا
عَفُورًا

(النساء ۴-آیات ۹۷-۹۹-۱۰۰)

لَا يَهْتَدُونَ جَبْدًا وَ لَا يَهْتَدُونَ
بَسِيلًا قَالُوا لَنَبْكَ مَا وَهُمْ جَنَّةٌ
وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا عَفُورًا
الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا
... إِنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا نَفْسَهُمْ
وَالَّذِينَ قَتَلُوا نَفْسَهُمْ قَالُوا إِنَّمَا
كُنَّا مُسْتَغْفِرِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا
أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَهَذَا جُرْأُوا
فِيهَا قَالُوا لَنَبْكَ مَا وَهُمْ جَنَّةٌ وَ
سَاءَتْ مَصِيرًا إِلَّا الْمُتَّقِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوَالِدِينَ
لَا يَسْتَطِيعُونَ جَبْدًا وَ لَا يَهْتَدُونَ
بَسِيلًا قَالُوا لَنَبْكَ مَا وَهُمْ جَنَّةٌ
وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا عَفُورًا

دی ہے اور خدا کا وعدہ نیک سب سے ہے اور اللہ تعالیٰ
نے ثواب عظیم کے اعتبار سے جہاد کرنے والوں
کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔

... جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں جب
فرشتے اُن کی روح قبض کر چکے ہیں تو اُن سے
پوچھتے ہیں کہ تم (دارالحرب) میں کیا کرتے رہے
وہ جواب دیتے ہیں کہ تم اُس سرزمین میں بے
بس تھے (فرشتے) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین
اتنی گنجائش نہیں رکھتی تھی کہ تم اُس میں ہجرت
کر کے کہیں چلے جاتے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں
جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ مگر
جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے بس ہیں کہ کوئی تدبیر نہیں
کر سکتے اور نہ اُن کو بچنے کی کوئی سبیل نظر آتی ہے تو ایسا ہے
کہ اللہ اُن کو معاف کرے اور اللہ حاکم کریم والا اور بخشنے والا

(النساء ۴-آیات ۹۷-۹۹-۱۰۰)

”اے مسلمانو! جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں
لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن
ساتھ احسان کرنے اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں
کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ معاملہ کرے نہ والوں کو دوست رکھتا ہے۔
اللہ تعالیٰ تم کو صرف اُن لوگوں سے دوستی پیدا کرنے سے منع کرتا ہے
جو تم سے دین کے بارہ میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔“

وَلَا تَهِنُوا عَلَى الْخَرِّ اِرْجُلُكُمْ
اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝
(الممتحنہ ۶۰ - آیات ۸-۹)

اور تمہارے نکلنے پر دوسروں کو مدد دی اور جو کوئی
اُن سے دوستی کرے گا تو (بہتھا جائے گا) وہی لوگ
(مسلمانوں پر) ظلم کرنے والے ہیں۔
(الممتحنہ ۶۰ - آیات ۸-۹)

۳۔ خود پیغمبر اسلامؐ نے اپنی موزی قوم یعنی قریش کے ہاتھوں توہین و تحقیر
توہین و تحقیر جس کی ایذا
آنحضرتؐ نے برداشت کی
کی تھیں۔ آپؐ کو ادائے نماز سے روکا گیا (علق ۹۶ - آیت ۱۰)

کفار کا آپؐ کے اوپر تھوکتنا۔ کوڑا کرکٹ ڈالنا۔ آپؐ کی گردن میں آپؐ ہی
کے عمار کا پھندا ڈال کر کعبہ سے باہر نکال دینا یہ سب باتیں آپؐ نے گوارا کیں۔
ان تمام ذلتوں کو آپؐ انتہا درجہ کی تواضع اور خاکساری سے برداشت کرتے
تھے، اور اپنے پیروؤں کے ساتھ ظلم و تعدی کا برتاؤ و زمرہ اپنی آنکھوں سے
دیکھتے تھے۔ آپؐ کے چچا (حضرت ابوطالب) کے انتقال کے بعد لوگ آپؐ کی جان کے
درپے ہو گئے۔ مگر آپؐ نے مدینہ کو ہجرت کر کے اپنی جان بچائی۔

قرآن مجید میں ہے :-

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يُتْلُوْكَ
اَوْ يُجْرِحُوْكَ ۚ وَيَكْذِبُوْنَ
بِكُرْ اِنَّهٗ لَشَرٌّ لِّلْكَارِہِيْنَ ۝
(الانفال ۸ - آیت ۳۰)

”اور (اے پیغمبر! یاد کرو) جب کافر تمہارے خلاف
خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تاکہ تم کو قید کر لیں یا تم کو قتل کر
دیں یا تم کو جلاوطن کر دیں اور کافر اپنی تدبیریں کر رہے
تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا۔ اور اللہ سب تدبیر کرنے
والوں سے بہتر ہے۔“ (الانفال ۸ - آیت ۳۰)

۴۔ تقریباً ۱۵ سالہ میں قریش مکہ نے دین اسلام پر ظلم کرنے شروع کئے۔ سابق

قریش کی ایذا رسانی اور
ظلم و تعدی کا خلاصہ تاریخی
حیثیت سے۔

مسلمانوں میں سے جن لوگوں کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا اُن کو سخت مجبور کیا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ گیارہ آدمیوں کی ایک جماعت نے وطن سے ہجرت کی، اور بعض تو مع عیال و اطفال کے وطن چھوڑ کر نکل گئے۔ اور باوجودیکہ قریش نے اُن کا تعاقب کیا تاہم بحیرہ قلزم کو عبور کر کے شاہ حبشہ (ابی سینا) کے دربار میں اُن کو پناہ مل گئی۔ یہ پہلی ہجرت تھی۔ یعنی ستم رسیدہ مسلمانوں کا ترک وطن کرنا۔

کچھ عرصہ کے بعد جبکہ قریش نے بہ نسبت سابق کے زیادہ شدت سے ظلم و ستم شروع کئے، تو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جنگی تعداد سے زیادہ تھی۔ ابی سینا کی طرف ہجرت کی۔ یہ مسلمانوں کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ قریش نے دربار حبشہ میں اپنے سفیر بھیجے کہ ان مہاجرین کو واپس بھیج دیا جائے۔ بادشاہ نے اُن کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار کیا۔ تقریباً دو سال بعد قریش نے مسلمانوں کے برخلاف ایک جھٹکا قائم کیا، جس کے ذریعہ سے انہوں نے مسلمانوں اور اُن لوگوں کے ساتھ جو اُن کے حامی اور مددگار تھے، میل جول بند اور تمام تعلقات قطع کر دیے۔ قریش نے زبرد تو بیخ اور تنبیہ تہدید کے ذریعہ سے مسلمانوں کو شہر مکہ سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ ان لوگوں کو مع حضرت پیغمبرؐ اور بنی ہاشم اور اُن کے عیال و اطفال کے تخمیناً تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہنا پڑا۔ وہ یہاں اس طرح رہتے تھے کہ بیرونی دنیا سے اُنکو کچھ تعلق نہ تھا۔ قطع تعلق کے معاہدہ پر قریش سختی کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ اس ملک اور تمدنی معاہدہ کی شرطیں جن کی پابندی اُن پر لازم تھی حسب ذیل تھیں:-

(۱) مسلمانوں کے ساتھ جن کا خون ہر کیا گیا تھا شادی بیاہ، رشتہ ناطہ نہ کیا جائے۔

(۲) اُن کے ساتھ کوئی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

(۳) اُن کے ساتھ کل تعلقات بالکل قطع کر دئے جائیں۔

آنحضرت م صرف مقدس مہینوں کے درمیان شعب سے باہر نکل کر حاجیوں کے شہ شامل ہو کر اُن کو بُت پرستی سے نفرت اور ایک سچے خدا کی عبادت کی رغبت دلانے کا وعظ فرماتے تھے۔ شعب ابوطالب ایک گھاٹی ہے، جو کوہ ابو قیس کی تلیٹی میں واقع ہے۔ ایک نیچا پھاٹک سا کنان شعب کو بیرونی دُنیا سے جدا کرتا تھا، اور اُس فوج کے جو قلعہ میں محصور ہو، حملہ زور یا زندگی سے محروم اور تکلیف میں مبتلا تھے۔ کوئی شخص ان مقدس مہینوں کے سوا، جب کہ تمام مخالفانہ خیالات اور افعال علیحدہ رکھ دئے جاتے تھے باہر نکلنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا، شعب کے اندر سے بھوکے بچوں کے رونے اور چلانے کی آوازیں باہر اہل مکہ کے کانوں میں پہنچتی تھیں، اور ساکنان شعب کے صبر و تحمل اور مشرکین مکہ کی تعدی و ایذا رسانی کی یہ حالت کوئی تین سال تک قائم رہی۔ مخالف جماعت (کفار قریش) کے سربراہ اور وہ اشخاص میں سے جو اس ظلم کے حامی تھے، پانچ آدمی اس معاہدہ سے علیحدہ ہو گئے، اور قوم کے جتنے سے جدا ہو کر اُنہوں نے مقید مسلمانوں کو قید سے آزاد کر دیا۔ یہ واقعہ آنحضرت م کی رسالت کے دسویں سال میں پیش آیا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آنحضرت م کے ہمد معین اور آپ کے عم محترم یعنی حضرت ابوطالب کے انتقال کی وجہ سے آنحضرت اور سابق الاسلام مسلمانوں نے ایک بڑا نقصان اٹھایا۔ الغرض ابوسفیان، ابو جہل اور دیگر مشرکین کی ترغیب سے، آنحضرت م اور آپ کے پیروں کی توہین و تحقیر اور اُن پر ظلم و ستم دوبارہ بے روک ٹوک اور گھم گھلا ہونے لگے، اور چونکہ مسلمان شہر (مکہ) میں گویا مٹھی بھر تھے، اس لئے وہاں کے دولتمند اور قوی سرداروں کا مقابلہ نہیں

کر سکتے تھے۔ اس نازک وقت میں یا تو اس وجہ سے کہ مکہ میں رہنے سے آنحضرت م نے اپنی جان کو محفوظ نہ پایا، اور یا اس وجہ سے کہ آپ کو کسی دوسرے مقام پر اپنے پیغام کے زیادہ تر قبول کئے جانے کا بھروسہ تھا، آپ بنی ثقیف کے شرطائے کی طرف روانہ ہوئے، یہ شہر بیت پرستی کا ایک بڑا قلعہ (یعنی مشہور بیت الصنم) تھا۔ یہاں ایک پتھر کی مورت جس کو ”لائت“ کہتے تھے، قیمتی لباس اور جواہرات سے آراستہ موجود تھی، جس کی پوجا ہوتی تھی، اور جس کو خدا کی ایک بیٹی سمجھتے تھے۔ یہاں پہنچ کر آنحضرت م نے لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا جو اس کو شن کر ناراض ہوئے، اور رؤسا شہر کی طرف سے بجز مخالفت اور تحقیر و تذلیل کے اور کچھ حاصل نہ ہوا، جس کا اثر قیومی سی دیر میں عوام الناس تک پھیل گیا۔ آپ کو شہر سے باہر نکال دیا گیا، بدسلوکی کی گئی، اور زخمی کیا گیا، اور جب تک کہ بنی عبد الشمس کی نسل کے ایک سردار مسٹے مطعم نے آپ کی حمایت نہ کی، اُس وقت تک آپ واپس مکہ میں داخل نہ ہو سکے۔ سالانہ حج کے موقع پر مدینہ کے حاجیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اسلام کا وعظ سن کر اسلام کی طرف مائل اور مسلمان ہو گئی، اور آئندہ سال میں اُن کی تعداد بارہ^{۱۲} تک پہنچ گئی۔ ان لوگوں نے آنحضرت م سے مل کر اطاعت کا عہد و پیمان کیا۔ آپ نے ایک معلم مصعب بن عمیر العبدری کو مقرر کر کے اُن کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، جہاں ایک عجیب و غریب سرعت کے ساتھ یہ دین پھیل گیا۔ دوبارہ حج کا موسم آیا، اور مدینہ کے شہر سے زیادہ آدمیوں نے مسلمان ہو کر یہ قول و قرار کیا کہ ہم اپنے جان و مال کو خطرہ میں ڈال کر آنحضرت م کو اپنے وطن میں پناہ دیں گے اور آپ کی حمایت کریں گے۔ یہ تمام کام پوشیدہ طور پر کیا گیا، مگر چونکہ قریش کو اس کی اطلاع مل گئی تھی، انہوں

۱۲ ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۱۔ ۱۳ ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۱۔ ۱۴ ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۲۔

۱۵ ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۸۔

از سر نو ایسی سختیاں اور زیادتیاں کرنی شروع کیں، جن میں بعض اوقات قید کی سزا بھی شامل تھی، کہ مسلمان اپنے شہر آمن یعنی مدینہ کی طرف جلد روانہ ہو گئے۔

۵۔ قریش کی جابرانہ کارروائیوں سے آنحضرتؐ بہت دق ہو گئے، اور چونکہ خود ہجرت مدینہ آنحضرتؐ اور آپ کے پیروؤں کی ذاتی حفاظت اور امن خطرہ کی حالت میں تھی، اور باہمی تعلقات کے قائم رکھنے سے قریش کو انکار تھا۔ لہذا آپ نے دیکھا کہ قریش کی طرف سے رواداری اور تحمل کی توقع رکھنی عبث ہے، جنہوں نے آپ کو وطن میں رہنے نہ دیا، اور مذہب اسلام کی تلقین کرنے سے باز رکھا۔ اور آپ نے ایک اجنبی سرزمین (مدینہ) سے مدد اور حمایت کی امید رکھی۔ آنحضرتؐ نے اہل مدینہ سے استدعا کی کہ مجھے اپنے وطن میں جگہ دو اور میری حمایت کرو۔ مسلمانان مدینہ نے جو حج کے لئے مکہ میں آئے تھے، آنحضرتؐ کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ ہم اسی طرح آپ کی حمایت کریں گے جس طرح اپنے عیال و اطفال کی حمایت کرتے ہیں مدینہ کے جدید مسلمان اگرچہ اپنی طرف سے ابتدا بجاگ نہیں کرتے تھے، مگر قریش نے فوراً اُن پر شبہ کیا، اور جو مسلمان مکہ میں موجود تھے، اُن کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مدینہ کے ایک مسلمان سعد بن عبادہ انصاری کے ساتھ جو اُن کے قابو میں لگیا تھا، سخت بدسلوکی کی۔ اور ظلم و ایذا کا کام واقعی طور پر دوبارہ شروع ہو گیا۔ جو مسلمان متقی تھے۔ یا غلامی سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے تھے اُن کے علاوہ اور نیز عورتوں اور بچوں کے سوا جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے مسلمانوں کو ہجرت کرنے میں دو مہینے لگے بہت

۱۔ ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۸۔ ۲۔ ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۵۰۔ ۳۔ مسلمانان مدینہ کی حمایت اور ارادہ ہجرت کے گمان نے قریش کو سخت برا فروخت کیا، اور اس سختی نے مسلمانوں کو آنحضرتؐ سے ہجرت کی اجازت لینے پر مجبور کیا۔ لیکن یہ کہ یہ دونوں سبب ایک ساتھ موجود ہوں اور ایک دوسرے پر متضاد ہوں، اور یہ امر ضرور تھا کہ کفار کی ایذا دہانی کی وجہ سے مسلمانوں کو جلد ہجرت کرنی پڑے، اور یہ کہ ہر ایک نئی ہجرت پر قریش برا فروختہ ہو کر آقاؐ بھی زیادہ بی رحمی کریں۔ (سیرت محمدی از ولیم مہر جلد دوم صفحات ۲۴۲-۲۴۳ فٹ نوٹ)۔

سے قبائل یکے بعد دیگرے چُپ چاپ نکل گئے اور گھر کے گھر خالی اور ویران ہو گئے۔ شہر کے ایک دو محلے تو بالکل اُجڑ گئے۔ قریش پنچایت کر کے آنحضرتؐ کے خون کے دریچے ہو گئے تھے اور آنحضرتؐ جناب علی مرتضیٰؑ کو اپنے گھر میں پیچھے چھوڑ کر اور حضرت ابوبکرؓ کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکل گئے۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی چادر اڑھا دی تاکہ آپ کے ہمسایوں (کفار قریش) کو شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں، اور یہ فرمایا کہ ”اے علیؑ! تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ“ حضرت محمد (صلعم) اور آپ کے رفیق (حضرت ابوبکر صدیقؓ) نے ایک غار میں پناہ لی۔ قریش نے آپ کی تلاش میں سب طرف جاسوس روانہ کئے، مگر بے فائدہ۔ تین روز تک غار میں پوشیدہ رہنے کے بعد آپ مع حضرت ابوبکرؓ کے مدینہ کو روانہ ہوئے، جہاں امن و آرام سے پہنچ گئے۔

واقعات مندرجہ بالا کی موجودگی میں اگر آنحضرتؐ قریش کے ساتھ فوراً جنگ و مخالفت شروع کر دیتے، تو بھی آپ پوری طرح حق بجانب ہوتے، مگر آپ نے اُس وقت تک ہتھیار نہیں اٹھائے جب تک آپ اہل مکہ کے حملوں سے ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوئے۔

۴۔ اگرچہ حضرت پیغمبر صلعم اور تمام ابتدائی مسلمان جو بیچ کر نکل سکتے تھے، سوائے مکہ سے ہجرت کے بعد قریش کا مسلمانوں کو ایذا دینا۔

اُن کے عیال و اطفال، عورتوں بچوں اور اُن ضعیف مسلمانوں کے جو مکہ کو چھوڑ نہیں سکتے، ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، تاہم اہل مکہ یعنی قریش نے ان مہاجرین کا پیچھا نہ چھوڑا اور اُن پر حملے کرنے سے باز نہ رہے۔ انہوں نے اُن بچوں اور کمزور مسلمانوں سے جو مکہ میں پیچھے رہ گئے تھے، بد سلوکی کرنی شروع کی (النساء ۴- آیات ۷۷- ۹۹- ۱۰۰) مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے نکال دیا۔ اور اُن کو مکہ میں حج کے لئے واپس آنے کی اجازت

ندوی (البقرہ ۲- آیت ۲۱۴) اہل مکہ نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا عزم مصمم کر کے مدینہ کے علاقہ پر حملہ کیا (اور جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق یا جنگ احزاب، یہ لڑائیاں درحقیقت مدینہ ہی کے قریب پیش آئی تھیں) لہذا محض مدافعت کی غرض سے مسلمانوں کو مجبوراً ہتھیار اٹھانے پڑے۔

یہ وجوہات مسلمانوں کے حملہ کرنے کے لئے کافی تھیں۔ مسلمانوں کی یہ بھی خواہش تھی کہ اپنے عیال و اطفال کو اور ان لوگوں کو رلائی و لائیں جو اہل مکہ کے ظلم و ستم سے ہجرت میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ تاہم کسی حالت میں مسلمان جنگ کی ابتدا کرنے والے نہ تھے۔ اگرچہ وہ اپنے وطن اور عیال و اطفال سے جدا کئے گئے تھے تاہم انہوں نے اُس وقت تک ہتھیار نہ اٹھائے جب تک کہ وہ محض مدافعت کے لئے ایسا کرنے پر مجبور نہ ہوئے۔ آنحضرتؐ خود اپنے لئے اور اپنے پیروؤں کے لئے جس بات کے خواہاں تھے، وہ صرف یہ تھی کہ کائنات (ایمان و عقیدہ) اور اعمال مذہبی کی بابت پوری آزادی حاصل رہے، اور مذہب کی تبلیغ اور اُس کی تعمیل کی اجازت بلا مزاحمت مل جائے۔ چونکہ آنحضرتؐ کو ایسی اجازت حاصل نہ ہو سکی (لہذا آپؐ نے اپنے پیروؤں کو شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پناہ لینے کی صلاح دی۔ انہوں نے دو مرتبہ ابی سینا (حبشہ) کی طرف ہجرت کی، اور تیسری مرتبہ نکل کر مدینہ چلے گئے اور بعد میں آنحضرتؐ بھی وہیں تشریف لے گئے، جب کہ آپؐ کی جان لینے کا قصد کیا گیا تھا۔



باب دوم

اہل مکہ یا قریش

۷۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ اور آپ کے پیروؤں کے ساتھ قریش کی روش
سلسلہ میں قریش کا
فوراً زیادہ تر مخالفانہ ہو گئی۔ گرزہ بن جابر نے، جو قریش کے
ایک سردار مدینہ کے
غارت گرسرداروں میں سے تھا، مدینہ کے اُونٹوں اور گلوں
قریب حملہ کرتا ہے۔
پر حملہ کیا، اور اُن کو لے گیا، جب کہ وہ شہر (مدینہ) سے چند
میل کے فاصلہ پر ایک میدان میں چر رہے تھے۔

۸۔ اِس وقت تک مدینہ سے اس حملہ کا مخالفانہ جواب نہیں دیا گیا تھا، یہاں
قریش مدینہ پر حملہ کرنے کے
تک کہ حملہ اور (قریش) مدینہ سے نو سو پچاس جوانوں کی فوج فراہم
کے لئے کوچ کرتے ہیں۔
کر کے، جو سانسٹو اُونٹوں اور سٹو گھوڑوں پر سوار تھے، بمقام
آنحضرتؐ مدافعت کے لئے
بدر اپنے ہمراہ لائے، جو مکہ سے نو منزل مدینہ کی طرف واقع ہے
اُس وقت آنحضرتؐ اپنی تین سو پانچ آدمیوں کی قلیل جماعت
آگے بڑھنا اور جنگ بدر
میں فتح حاصل کرتے ہیں
مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کی طرف سے حملہ آوری کی اور حضرت محمد (صلعم) کی
طرف سے مدافعت کی پہلی جنگ یہی تھی۔ اس لڑائی میں حملہ آور قریش کو سخت
شکست ہوئی *

۹۔ اس کے بعد قریش کے سردار ابوسفیان نے غلہ کے کھیتوں اور کھجور کے

ابوسفیان کا حملہ مدینہ پر باغوں پر، جو مدینہ کے شمال و مشرق کی طرف دو تین میل کے جہلہ
سے ہیں۔ پرواقع تھے، حملہ کر کے آنحضرت ۴ اور اہل مدینہ کو چوکنا بنا دیا۔

بنی سلیم اور بنی نخطقان کے خانہ بدوش قبائل نے، جو قریش ہی کی نسل سے
تھے، غالباً قریش کی تحریک سے یا کم از کم ابوسفیان کے نمونہ کی پیروی کر کے، دو مرتبہ
فراہم ہو کر مدینہ پر بغرض تاشت و تاراج حملہ کرنے کا منصوبہ باندھا، یہ کام بجائے خود
ان کی غارت گری کی عادتوں کے موافق تھا۔

۱۰۔ قریش نے مدینہ پر از سر نو حملہ کرنے کے لئے بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔

جنگ احد جنگ بدر سے ایک سال بعد انہوں نے اپنا کوچ شروع کیا۔ فوج کی
تعداد تین ہزار تھی، جن میں سے ساٹھ سو زره پوش اور دو سو عمدہ گھوڑوں کے
سوار تھے۔ مدینہ پہنچ کر وہ احد کے مغرب کی طرف ایک وسیع اور سرسبز میدان میں
خیمہ زن ہوئے۔

آنحضرت ۴ نے ساٹھ سو پیادوں اور صرف دو سواروں کے ساتھ ابوسفیان کا مقابلہ
کیا۔ مگر اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور آنحضرت ۴ زخمی ہو گئے۔

۱۱۔ چونکہ احد کی اس شکست کا اثر آنحضرت ۴ کے اقتدار پر پڑا تھا، اس لئے اکثر

آنحضرت ۴ کے اقتدار پر اس بدوی قبائل نے آپ کے ساتھ ایک مخالفانہ روش اختیار
کر لی تھی۔ بنی اسد جو نجد کے رہنے والے قریش کا ایک
شکست کا اثر۔

طانتور قبیلہ تھا، اور بنی لحيان جو مکہ کے قرب و جوار میں رہتے تھے، انہوں نے

۱۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۲۰۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۰۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۔ ۲۔ ابن سعد جلد ۲

صفحہ ۲۲۔ ۳۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۲۰۔ ۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۵۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۴۔ ۵۔ ابن سعد جلد ۲

صفحہ ۳۵۔ ۶۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۴۔

مدینہ پر تاخت و تاراج کرنے کی تیاری کی۔ رحیق اور سیر معونہ میں داعیان اسلام قتل کئے گئے۔ وومنہ الجندل کے غارت گردوہوں نے بھی شہر پر حملہ کرنے کی دھکی دی۔ بنی مصطلق نے بھی مدینہ کے اس حملہ میں شریک ہونے کے لئے فوج جمع کی۔

۱۲۔ ابوسفیان نے فتح مند ہو کر میدان جنگ سے واپس جاتے وقت، مسلمانوں

ابوسفیان نے مسلمانوں کو سال آئندہ ایک اور حملہ کرنے سے یہ کہا کہ ”ہم ایک سال کے بعد بمقام بدر پھر ایک دوسرے کے مقابل ہونگے“ تاہم قریش کے اس حملہ سے جس کی دھکی

دی گئی تھی، اہل مدینہ اور مسلمان ایک عرصہ تک محفوظ و مصئون رہے۔

آخر کار وہ وقت آن پہنچا جبکہ قریش اور مسلمانوں کی فوجوں کی ٹٹ بھڑ بھڑ پور ہونے والی تھی۔ مگر یہ سال قحط اور خشکی کا تھا، اور قریش خواہاں تھے کہ یہ کم کسی زیادہ مناسب موقع تک ملتوی کر دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص مسٹہ نجیم ابن مسعود کو جو ایک ایسے قبیلہ سے تھا جس کو نہ مسلمانوں سے تعلق تھا اور نہ قریش سے، اس کام پر مامور کیا کہ مدینہ پہنچ کر قریش کی تیاریوں کا ایک مبالغہ آمیز حال بیان کرے، اس امید پر کہ مسلمان قریش کے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے سے باز رہیں، کیونکہ میدان احد کا واقعہ اُن کے حافظہ میں تازہ تھا۔ مگر آنحضرت (صلعم) پندرہ سو آدمیوں اور صرف دس گھوڑوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش، جو آنحضرت کی فتح مندی پر ہرگز آرزوہ خاطر معلوم نہیں ہوتے تھے، آپ پر ایک آؤر

۱۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۹۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۔ ۲۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۶۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۔ ۳۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۲۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۲۸۔ ۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۵۔ ۵۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۲۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۳۵۔ ۶۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۲۔ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۲۸۔

عظیم الشان حملہ کرنے کا منصوبہ باندھنے لگے۔

۱۳۔ قریش نے سال آئندہ کے موسم سرما کو جنگ و عداوت کے از سر نو شروع کرنے

قریش ایک بڑی فوج سے	کے لئے منتخب کیا۔ انہوں نے بدوی قبائل کی ایک بہت
مدینہ پر دوبارہ حملہ کرتے ہیں	بڑی جمیعت کے ساتھ (کل فوج کی تعداد تھینا دس ہزار تھی)
آنحضرتؐ شہر کو بچاتے ہیں	شامل ہو کر آنحضرتؐ سے مقابلہ کرنے کے لئے کوچ کیا، اور
غنیہ ہٹ جاتا ہے (جنگ)	مدینہ کا محاصرہ کر لیا، آنحضرتؐ نے ایک خندق کھود کر شہر کو
خندق یا احزاب (شہر)	حملہ سے بچایا۔ (اسی وجہ سے یہ لڑائی غزوہ خندق کے نام

سے موسوم ہے) مدینہ کی فوج خندق کے اندر قائم کی گئی، اور قریش کی فوج اُن کے مقابل کی طرف خیمہ زن ہوئی۔ اس اثنا میں بنی قریظہ کو جو ایک یہودی قبیلہ تھا، آنحضرتؐ کی اطاعت سے منحرف کر دینے میں ابوسفیان نے کامیابی حاصل کی۔ ان لوگوں کا مسلمانوں سے علیحدہ ہو جانا، مدینہ کے لئے نہایت خطرناک تھا۔ دشمن نے ایک عام حملہ کیا جس کی مدافعت کی گئی۔ خراب موسم شروع ہو گیا تھا اور ابو سفیان نے مدگار فوج کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا۔ غینم نے مراجعت کی۔ اور پھر کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے نہ آیا، لہذا قریش کی طرف سے حملہ کی اور آنحضرتؐ کی طرف سے مدافعت کی آخری لڑائی یہی تھی۔

۱۴۔ آنحضرتؐ اور آپ کے تابعین کو مکہ سے ہجرت کئے چھ سال کا عرصہ منقضی

آنحضرتؐ مسلمانوں کے ہمراہ عموماً	ہو چکا تھا اُس وقت سے اب تک انہوں نے خانہ کعبہ
کرنے کے لئے روانہ ہوئے، قریش	کی زیارت نہیں کی تھی، اور نہ کبھی حج میں شامل ہوئے
لے آپ کا مقابلہ کیا، اور آپ یا پس	تھے، جو اُن کی تہذیبی اور مذہبی زندگی کا ایک ضروری
ہو کر واپس آ گئے۔	

۱۔ التبیان والاشراف صفحہ ۲۴۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۷۔ ابن ہشام صفحہ ۶۶۸۔

۲۔ واقعی صفحہ ۳۶۵۔ ۳۶۷۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۹۔

جزو تھا۔ حضرت م نے ذیقعدہ کے مہینے میں، جبکہ جنگ تمام عرب میں حرام تھی، مکہ میں
 عمرہ بجالانے کا قصد کیا، اور مع اپنے تابعین کے یعنی عابد اور صلح جو حاجیوں کی عمت
 کے ساتھ، جن کی تعداد پندرہ سو تھی، مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کے پاس
 ان ہتھیاروں کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا، جن کے رکھنے کی اجازت اُس زمانے کے
 دستور کے موافق حاجیوں کو تھی، یعنی ہر شخص کے لئے ایک ایک تلوار میان میں رکھی
 ہوئی۔ قریش اور اُن کے مددگاروں یعنی گردونواح کے قبیلوں نے حاجیوں کے آنے
 کی خبر سن کر ہتھیار اٹھائے، اور اُن کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ آنحضرت م نے ہقام
 حدیبیہ اپنے خیمے نصب فرمائے اور یہاں قریش اور آنحضرت م کے مابین ایک صلح
 کا عہد نامہ ہوا۔ اس عہد نامہ کا مضمون یہ تھا، کہ دس سال تک جنگ ملتوی
 رہے، اور کوئی فریق دوسرے پر حملہ نہ کرے۔ جو شخص آنحضرت م کے ساتھ شامل ہونا،
 اور آپ کے ساتھ عہد نامہ کرنا چاہے، اُس کو ایسا کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اگر
 کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر آنحضرت م کے پاس چلا آئے، تو وہ اپنے
 سرپرست کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص آنحضرت م کے پیرو
 میں سے قریش کے پاس چلا جاوے تو وہ واپس نہیں بھیجا جائے گا، اور قریش کی طرف
 سے یہ بشرط تھی کہ آنحضرت م اور آپ کے پیرو شہر میں داخل ہونے (اور عمرہ کرنے) کے
 بغیر اس سال واپس لوٹ جائیں اور سال آئندہ آنحضرت م اور آپ کے پیرو تین
 دن تک مکہ میں عمرہ کر سکتے ہیں، جبکہ ہم (قریش) وہاں سے چلے جائیں گے۔ مگر اُن کو
 مسافروں کے ہتھیاروں کے سوا، کوئی ہتھیار لے کر داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔
 یعنی ہر ایک شخص ایک میان میں رکھی ہوئی تلوار اپنے ساتھ لاسکتا ہے۔ نبی خزا
 آنحضرت م کے معاہدہ میں شریک ہوئے، اور نبی پکر قریش کے ساتھ شامل ہو گئے۔

۱۵۔ یہ صلح قائم رہی، یہاں تک کہ قریش نے عہد نامہ حدیبیہ کو توڑ ڈالا،

قریش کا نقص عہد اور

اور بنی خزاعہ کے متعدد آدمیوں کو دغا بازی سے قتل کر ڈالا

ان کا مغلوب ہونا۔

مظلوم اور ستم رسیدہ بنی خزاعہ کی حمایت میں اور عہد نامہ کی

خلاف ورزی کی وجہ سے قریش کو تنبیہ کرنے کی غرض سے ہجرت کے آٹھویں سال آنحضرتؐ نے ان کے خلاف مکہ کی طرف کوچ کیا۔ مگر قریش نے آنحضرتؐ کے نگہ پہنچنے سے پہلے ہی

آپؐ کی اطاعت قبول کر لی، اور بلامرہ احمرت شہر مکہ پر آپؐ کا قبضہ ہو گیا۔

۱۶۔ تھوڑے عرصہ کے بعد بنی ہوازنؓ اور بنی ثقیف کے جنگجو قبیلوں نے

دو اور قبیلوں نے بھی

حملہ کیا۔ یہ لوگ بمقام اوطاس جمع ہوئے اور آنحضرتؐ پر

مسلمانوں پر حملہ کیا

حملہ کرنے کے لئے حنین تک بڑھے چلے آئے۔ آپؐ کو مجبوراً

لے بٹمتی سے کئی داعی جو آنحضرتؐ نے تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے تھے ان کو نامساعد واقعات پیش آئے۔

(۱) جو گروہ داعی بنی سلیم کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا گیا تھا اور جن کی تعداد (۷۰) تھی اور جن کے افسر

منذر بن عمرو الساعسی تھے، بمقام بیہودہ قتل ہوا۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۶)

(۲) ایک آد گروہ جو بنی لہث کے پاس روانہ کیا گیا تھا، اُس پر یکایک چھاپا مارا گیا، اور اس کے اُوٹ

کوٹ لے گئے۔

(۳) ایک چھوٹی سی جماعت کو جو آنحضرتؐ نے مدح کوروانہ کی تھی، بنی مرہ نے نہ تیغ کر ڈالا۔ (ابن سعد جلد

۲ صفحہ ۸۶)۔

(۴) ایک اور داعی ذوات اطلاح کی طرف لوگوں کو قبول اسلام کی ترغیب دینے کے لئے روانہ کیا تھا۔

اس میں سے صرف ایک آدمی زندہ بچ کر آیا۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۲)۔

(۵) آنحضرتؐ نے اپنا جو داعی حارث بن عمیر ازدی بمقام بصری غسانی شہزادہ کے پاس بھیجا تھا اُس کو

صوئل کے سردار شریصیل بن عمرو الغسانی نے قتل کر دیا۔ اس سردار کی دغا بازی کا انتقام لینے کے لئے

جو فوج آپؐ نے روانہ کی تھی اُس کو شکست ہوئی۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۹۲)۔

ان تمام ناموفق واقعات اور انقلابات کا آنحضرتؐ کے اقتدار پر عوفناک اثر پڑا، اور ان

ہی باتوں سے قریش مکہ کو صلح حدیبیہ کے توڑنے کی ترغیب ہوئی۔ (ابن سعد جلد دوم

صفحہ ۹۲)۔

۱۷۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)۔

مکہ چھوڑنا پڑا، اور اُن کی جمیعت کو منتشر کرنے کی غرض سے روانہ ہونا پڑا، چنانچہ وہ حنین کے مقام پر شکست کھا کر پس پیا ہو گئے۔ (دیکھو سورہ توبہ ۹- آیات ۲۶ تا ۲۸) بنی نضیف کے شہر طائف کا محاصرہ کر لیا گیا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

باب سوم

جنگوں کی دفاعی حیثیت

۱۔ قریش کے ساتھ آنحضرت م کی دفاعی جنگوں کا یہ مختصر سا خاکہ، بوجہ اتم اس آیات قرآنی جو جنگوں کی دفاعی حیثیت کی مؤید ہیں جنگ کی ابتدا کرنے والے، یا اپنی لڑائیوں میں انتقام لینے والے تھے، یا یہ کہ آپ نے لوگوں سے اپنا مذہب زبردستی قبول کرانے کے لئے جنگ کی تھی، اُن کی رائے سراسر غلط اور واقعات کے خلاف ہے۔

اب میں قرآن مجید کی بعض آیتیں نقل کرتا ہوں، جن سے ثابت ہے۔ کہ قریش کے ساتھ آنحضرت م کی تمام جنگیں دفاعی تھیں :-

۳۹۔ ”جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے دشمنوں کو اُن سے دفع کرتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کسی دعا باز نا شکر سے محبت نہیں کرتا۔“	۳۹۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدْفِعُ عَنِ الْاٰمِنِ اٰمِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِ ۝
(الحج ۲۲- آیت ۳۹)	(الحج ۲۲- آیت ۳۹)
۴۰۔ ”جن مسلمانوں سے (کافر) جنگ کرتے ہیں اب اُن کو	۴۰۔ اُوْذِنَ لِلَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِقُلُوبِكُمْ ۝

(الحج ۲۲- آیت ۴۰)

۴۱- الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ
دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا
رَبُّنَا اللَّهُ فَلَا دَفْعَ لِلَّذِينَ
بَعْضُهُمْ بَعْضٍ كَتَبَتِ صُحُفُهُمْ
وَبُيعُوا بِمِثْقَاتٍ وَمَسَاجِدُ
يُبَدِّلُ فِيهَا أَسْمَ اللَّهِ كَثِيرًا ۚ
وَلْيَضْحَكُوا شِئْنًا ۚ إِنَّ
اللَّهَ تَعَالَى عَزِيزٌ ۝

(الحج ۲۲- آیت ۴۱)

۴۲- الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ
فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ
وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

(الحج ۲۲- آیت ۴۲)

۱۸۶- وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
الَّذِينَ يُقَاتِلُوا نَفْسَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے، اس لئے کہ اُن پر ظلم کیا
گیا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

(الحج ۲۲- آیت ۴۰)

۴۱- جو صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے،
ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اور اگر اللہ
لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو
نصارے کے صومع اور گرجا گھر، اور (یہودیوں کے)
معابد اور (مسلمانوں کی) مساجد جن میں کثرت سے اللہ
کا نام لیا جاتا ہے، کبھی کی مسامحہ چکی تھیں، اور جو اللہ
کی مدد کرے گا۔ اللہ بھی ضرور اس کی مدد کریگا۔ بے
شک اللہ تعالیٰ زبردست غالب ہے۔

(الحج ۲۲- آیت ۴۱)

۴۲- یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں اُن کو قدرت
دیں تو وہ نماز پڑھیں گے، اور زکوٰۃ دیں گے، لوگوں
کو اچھے کام کی تاکید کریں گے، اور بُرے کاموں سے
منع کریں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار
میں ہے۔

(الحج ۲۲- آیت ۴۲)

۱۸۶- اور جو لوگ تم سے جنگ کریں، اللہ تم کی راہ میں تم بھی
اُن سے جنگ کرو، اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی
کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۶)

۱۸۷۔ "وَأَقْتُلُواهُمْ حَيْثُ
تَقْتُلُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ
حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ
أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ جَ وَلَا
تَقْتُلُواهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
حَتَّى يُقْتَلُوا كَمْ فِيهِ جَ فَإِنْ
قَتَلْتُمُوهُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّكُمْ
كُنْتُمْ أَكْفَرًا ۝

۱۸۷۔ "اور اُن کو (جو تم سے جنگ کرتے ہیں) جہاں پاؤ
قتل کرو، اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی
مکہ سے) تم بھی اُن کو وہاں سے نکال دو، اور فتنہ
فساد اور اذیت رسانی خونریزی سے بڑھ کر ہے،
اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے پاس تم اُن (مشرکین مکہ)
سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ خود تم سے وہاں جنگ نہ
کریں، پس اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی اُن کو قتل کرو،
ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔"

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)

۱۸۸۔ "پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا
اور رحیم ہے۔"

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)

۱۸۸۔ اِنْ يَنْتَهِبُوا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۸)

۱۸۹۔ "اور اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (فساد
اور اذیت رسانی) باقی نہ رہے، اور خوراک کا حکم چلے (یعنی

۱۸۹۔ وَتَقْتُلُواهُمْ حَتَّى لَا
يَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ

لہ لفظ فتنہ کا ابتدائی اور لغوی مفہوم "آگ سے جلا دینا ہے" اس سے مراد ہے آزمائش یا امتحان اور تکلیف
مصیبت یا سختی، بالخصوص وہ تکلیف جس سے کسی شخص کی آزمائش کی جائے یا اس کا امتحان کیا جائے یا اسکے کھوٹے یا کھرے
ہو نیکی ثابت کیا جائے، (دیکھیں صاحب کالغت عربی سے انگریزی یعنی دالقاموس صفحہ ۲۳۵)
۱۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین تم کو ستانے سے باز آجائیں، تم کو تمہارے وطن (مکہ) میں واپس
آنے سے روکیں، مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں داخل ہونے سے منع نہ کریں، تم پر حملہ کرنے سے باز رہیں
مذہب کی وجہ سے ظلم نہ کریں، اور مذہبی آزادی میں خلل نہ ہوں۔

۲۔ یعنی جب تم پر مذہب کی وجہ سے ظلم و ستم موقوف ہو جائیں، اور مسجد حرام میں داخل ہونے پر تم سے
کوئی تعرض نہ کیا جائے، اُس وقت تم آزادانہ اپنے مذہب کا اعلان اور اس کی تلقین کر سکو گے
اور آزادی سے مذہبی فریض کو ادا کر سکو گے۔

لَسْتَ بِخَانٍ اَنْتُمْ كَمَا عَصَاكَ اَنْ
اَلَا تَعْلَمُ السَّاطِرِينَ ۵

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)

۲۱۴- يَسْأَلُكَ عَنِ الشَّهْرِ
الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قَتْلُ
قِتَالٍ فِيهِ كِبِيرٌ ۵ وَصَدَّ

عَنِ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكَفَرُوا بِهِمْ
وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَآخِرَ اَج
اَهْلِهِ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۵

وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُوكُمْ
حَتَّى يَمُوتُوا وَكَمْ عَنْ دِينِكُمْ

اِنْ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ

يَزِدْكُمْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُوتْ

وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ جَبَلَتْ

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۵

يُحْمَرُونَ فِيهَا يَخْتَلِفُونَ ۵

(البقرہ ۲- آیت ۲۱۴)

۲۱۵- اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوا اَوْجَابًا

تم کو مذہبی آزادی مل جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں
تو ان پر کسی طرح کی زیادتی نہ کرو کیونکہ زیادتی ظالموں
کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)۔

۲۱۴ ”(اے پیغمبر!) تم سے ادب کے مہینے کی بابت پوچھو
اس میں جنگ کرنے (کے حکم) کی دریافت کرتے ہیں، تم

کہہ دو کہ ایسے مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ

کی راہ سے روکنا، اور اللہ کو نہ ماننا، اور مسجد حرام (مکہ)

کعبہ میں جانے سے روکنا، اور جو اُس کے اہل ہیں
اُن کو اس میں سے نکال دینا اللہ تم کے نزدیک اس

سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور فتنہ (فساد اور ایذا رسانی)
خوں ریزی سے بھی بڑھ کر ہے، یہ لوگ ہمیشہ تم

سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر اُن سے ممکن
ہو تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں، اور

جو شخص تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو گا
اور مرجاے گا، دراصل لیکہ وہ کافر ہو، تو ایسے ہی لوگوں کے

اعمال دنیا اور آخرت میں بیکار ہو جائیں گے، یہی لوگ
دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے“

(البقرہ ۲- آیت ۲۱۴)۔

۲۱۵ ”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ

میں ہجرت کی اور جہاد کیا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت

کے اُمیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے۔“

(البقرہ ۲)

(آیت ۲۱۵)

۲۲۵ ”اور اللہ کی راہ میں (ظالموں سے) لڑو اور جانو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سُسنے والا اور جاننے والا ہے۔“

(البقرہ ۲-آیت ۲۲۵)

۲۲۷ ”(اے پیغمبر!) کیا تم نے بنی اسرائیل کے سردار (کی حالت) پر نظر نہیں کی، جبکہ انہوں نے موسیٰ کے بعد اپنے نبی (سموئیل ۴) سے کہا کہ ہمارے لئے آپ ایک بادشاہ تجویز کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں پیغمبر نے کہا اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم سے بعید نہیں کہ تم نہ لڑو، انہوں نے کہا ہمارے لئے کونسی وجہ ہے کہ ہم جنگ نہ کریں، حالانکہ ہم اپنے گھر بار اور اپنے بال بچوں سے تو نکالے جا چکے، پھر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو بجز معدودے چند کے اُن میں سب پھر گئے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں (سرکشوں) کو خوب جانتا ہے“

(البقرہ ۲)

(آیت ۲۲۷)۔

فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ الصَّافِينَ

(البقرہ ۲-آیت ۲۱۵)

۲۲۵- وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

(البقرہ ۲-آیت ۲۲۵)

۲۲۷- أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلِكِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِرَبِّهِمْ إِنَّا نَبِئُكَ لَنَا مَلِكٌ نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ كُلٌّ عَلَىٰ عِصْمٍ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَانَا نَقَاتِلَ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ تَوْفَرًا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

(البقرہ ۲-آیت ۲۲۷)

۲۵۲۔ فَمَنْ مَّمَّنْهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ
وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَ
أَلْقَى اللَّهُ الْمَلَائِكَةَ
وَعَلَّمَ سُلَيْمَانَ مَا يَشَاءُ وَلَوْ لَا
دَفَعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ
وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى
الْعَالَمِينَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۲۵۲)

۷۶۔ فَلْيَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
الَّذِينَ لَيْسُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
بِالْآخِرَةِ طَوْسًا يَغَاتِلْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ
فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(النساء ۴- آیت ۷۶)

۷۷۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ
الظَّالِمُ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنَ

۲۵۲ ”پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن
(دشمنوں) کو بھگا دیا اور داؤد نے جالوت کو قتل
کیا، اور اُن کو (داؤد کو) خدا نے سلطنت اور
حکمت عطا فرمائی، اور جو (علم و ہنر) چاہا اُن کو
سکھایا، اور اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ سے
بعض کو بھٹاتا نہ ہے تو زمین (کا انتظام) خراب
ہو جائے، مگر اللہ دنیا کے لوگوں پر فضل و کرم
کرنے والا ہے۔“

(البقرہ ۲- آیت ۲۵۲)

۷۶۔ ”پس جو لوگ عاقبت کے بدلے میں دنیا
کی زندگی دے ڈالتے ہیں اُن کو چاہیے کہ
راہ خدا میں لڑیں، اور جو شخص راہ خدا میں
لڑے اور پھر مارا جائے، یا غالب ہو جائے، تو ہم عظیم
اُس کو بڑا اجر دیں گے۔“

(النساء ۴- آیت ۷۶)

۷۷۔ ”اور تم کو کیا ہوا کہ تم راہ خدا میں اور بے بس
مردوں، عورتوں اور بچوں کے (دبچانے کے)
لئے (دشمنوں سے) نہیں لڑتے، جو یہ کہہ رہے
ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی (مکہ)
سے نجات دے، جس کے باشندے ظلم کر رہے ہیں
اور اپنے طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا، اور

لَذَنَكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا
مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۷۷)

۷۸۔ اَلَّذِينَ آمَنُوا يَتْلُونَ
فِي سُبُلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
يَتْلُونَ فِي سُبُلِ الطَّاغُوتِ
فَتَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ
إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا

(النساء ۴ - آیت ۷۸)

۸۶۔ فَتَاتِلُوا فِي سُبُلِ اللَّهِ
لَا تُكَلِّفُوا إِلَّا أَنْفُسَكُمْ وَتَرَضُّوا
الْمُؤْمِنِينَ عَنِ اللَّهِ أَنْ
يَكِلَافَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ
تَكْلِيلًا ۝

(النساء ۴ - آیت ۸۶)

۹۱۔ وَدُّوا أَنْ يُكَلِّفُوا كَمَا
كَفَرُوا فَكَلَّمُوا سَوَاءً فَلَا تَنْفَعُهُمْ
مِنْهُمْ أَوْلِيَاءُ حَتَّىٰ يَهْجُرُوا
فِي سُبُلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَنَزَّوْنَهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔
النساء ۴۔

آیت ۷۷)

۷۸۔ ”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں
لڑتے ہیں، اور جو منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں
لڑتے ہیں۔ پس تم (اے ایمان والو) شیطان
کے حامیوں سے لڑو، درحقیقت شیطان کی تدبیر
کم زور ہوتی ہے۔“

(النساء ۴ - آیت ۷۸)

۸۶۔ ”پس تم (اے پیغمبر!) اللہ کی راہ میں لڑو۔ تم
پر اپنے نفس کے سوا اور کسی کی تکلیف (ذمہ داری)
نہیں ہے، اور مسلمانوں کو بھی ترغیب دو، اُمید
ہے کہ اللہ کافروں کے زور کو روک دے، اور اللہ تم
کی سختی نہایت ہی قوی اور اُس کا عذاب نہایت
ہی شدید ہے۔“

(النساء ۴ - آیت ۸۶)

۹۱۔ ”یہ (منافق) اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جس
طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں، کاش تم بھی اسی طرح
کافر ہو جاؤ، اور تم سب برابر ہو جاؤ، تم اُن میں
سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔ جب تک وہ خدا کی
راہ میں ہجرت نہ کریں، پھر اگر (ہجرت سے ہمنہ

وَجِدْهُمْ مُمَوَّنِينَ وَلَا يَتَّخِذُوا مِنْهُمْ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

(النساء ۴- آیت ۹۱)

۹۲- اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلَى
قَوْمِهِمْ يُحَكِّمُ بَيْنَهُمْ يَتِيَانِ اَوْ
بِجَاوِزِهِمْ حَبْرَتٌ مِّنْهُمْ اَنْ
يُقَاتِلُوْهُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ
لَوْ سَاوَا لِهٰٓؤُلَآءِ سُلْطٰنُكُمْ عَلَيْهِمْ فَلَاقَوْهُمْ
فَاِنْ اَخْزَوْهُمْ قِتَالًا تَلَاَوْهُمْ وَانْقَلَبُوا
اِلَيْكُمْ اَسْلَمًا فَاَجْعَلِ اللّٰهُ لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

(النساء ۴- آیت ۹۲)

۱۹- اِنْ تَشْتَفِئُوْا فَاَقْبَلْ جَآءُكُمْ
اَنْفَاجٌ وَّ اِنْ تَنْتَهُوْا فَاَكْمَدُ خَيْرٌ لَّكُمْ
وَ اِنْ تَعُوْذُوْا فَاَعُوْذٌ لَّكُمْ وَلٰكِنْ لَّيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۝
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

(الانفال ۸- آیت ۱۹)

۳۹- قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ كُنْتُمْ
يُحِبُّوْنَكُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ
يَعُوْذُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُكَ

موٹریں تو ان کو پکڑو، اور جہاں پاؤ قتل کرو، اور
ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔
(النساء ۴- آیت ۹۱)۔

۹۲- ”بلکہ جو ایسی قوم سے مل گئے ہوں کہ تم میں اور
ان میں عہد و پیمان ہے، یا تمہارے ساتھ لڑنے یا اپنی
قوم جس کے ساتھ لڑنے سے دل تنگ ہو کر تمہارے
پاس آئیں (ان سے دوستی اور ربط و اتحاد رکھنے کا
مضائقہ نہیں)، اگر خدا چاہتا تو ان لوگوں کو تم پر مسلط
اعمال کر دیتا، تو وہ تم سے لڑتے، پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی
کریں، اور تم سے نہ لڑیں، اور تمہاری طرف صلح کا پیغام آ لیں
تو ان پر (نعمتی کرنیکی) اللہ نے تمہارے لئے کوئی راہ نہیں رکھی“
(النساء ۴- آیت ۹۲)

۱۹- ”اگر تم (جہاد سے) طالب فتح تھے کہ جو حق پر ہو اسکو
فتح ہو، تو وہ فتح تمہارے پاس آگئی، (یعنی مسلمان
غالب آئے) اور اگر (جنگ سے) باز رہو تو یہ تمہارے
لئے بہتر ہے، اگر تم پھر (ابندہ جنگ) کرو گے تو ہم بھی
پھر (دفاعی جنگ) کریں گے، اور تمہارا جھٹھا خواہ کیسا
ہی زیادہ ہو، کچھ تمہارے کام نہیں آئیگا اور (یاد رکھو) اللہ

۳۹- ”اے پیغمبر! ان کافروں سے کہو کہ اگر وہ (فساد سے)
باز آجائیں، تو جو (فصویر) پہلے ہو چکے ہیں وہ معاف کر دئے
جائیں گے، اور اگر پھر (فساد) کریں گے تو پہلے لوگوں کی روش

الاولین ۵

(الانفال ۸- آیت ۳۹)

۴۰۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِذَا انتَهَى فَإِنَّ اللَّهَ وَبِمَا يَفْعَلُونَ بَصِيرٌ ۝

(الانفال ۸- آیت ۴۰)

۴۱۔ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا أَنتَ اللَّهُ مُوَلِّكُمْ فَتُغْلِبَ الْمُؤْمِنُونَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ ۝

(الانفال ۸- آیت ۴۱)

۴۲۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَمْسُجُوا أَلْسِنَهُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجَرُوا وَ إِنْ أَسْتَفْضَرُّوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ الْكَلِمَةُ الْأُولَىٰ وَلَئِنْ تَقَرُّوْا إِلَيْكُمْ فَعَلَيْكُمْ الْكَلِمَةُ الْآخِرَةُ ۝

(الانفال ۸- آیت ۴۳)

۴۴۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَكْثَرُكُمْ أُولِيَاءُ فَتُغْلِبُوا ۝

پڑ چکی ہے، (وہی ان کا حال ہوگا)۔

(الانفال ۸- آیت ۳۹)

۴۰۔ ”اور اُن (مفسدوں سے) یہاں تک لڑو کہ فساد نہ رہے اور خدا کا دین (حکم) پورا پورا چلے، (مسلمانوں کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہو جائے) پس اگر وہ (شروعی فساد سے) باز آجائیں تو جو کچھ وہ کریں گے اللہ اس کو دیکھ رہا ہے“

(الانفال ۸- آیت ۴۰)

۴۱۔ ”اور اگر وہ تمہیں موٹیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے، وہ اچھا حامی اور اچھا مددگار ہے۔“

(الانفال ۸- آیت ۴۱)

۴۲۔ ”... اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، تم (مسلمانوں) کو اُن کی ولایت سے کچھ تعلق نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر دین (کے معاملہ) میں تم سے مدد مانگیں تو اُن کی مدد تم پر لازم ہے، مگر نہ اُس قوم کے مقابلہ میں کہ تم میں اور اُن میں عہد و پیمان ہو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔“

(الانفال ۸- آیت ۴۳)

۴۴۔ ”اور جو لوگ کافر ہیں ایک دوسرے کے ولی ہیں، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ (شورش) ہوگا،

يَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادًا كَبِيرًا

(الانفال ۸- آیت ۷۴)

اور بڑا فساد (پھیل جائیگا)۔

(الانفال ۸- آیت ۷۴)

جب اہل مکہ نے عہد نامہ حدیبیہ کو جس کا ذکر فقرہ سابقہ (۱۵) میں ہو چکا ہے توڑ ڈالا تو قریش اور بنی خزاعہ نے بنی خزاعہ پر حملہ کیا، جو آنحضرت ص کے ساتھ عہد و پیمان کر چکے تھے۔ پس بنی بکر کی امداد اور ظالموں کو سزا دینا آپ پر واجب لازم ہو گیا۔ آیات مندرجہ ذیل اسی موقع پر نازل ہوئی تھیں، مگر خوش قسمتی سے قبل اذ اختتام بیعہ و معینہ، قریش مطیع ہو گئے، اور مکہ بغیر خونریزی کے فتح ہو گیا، اور ان آیتوں کے احکام کی تعمیل نہیں ہوئی :-

۱- بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَ

رَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۱)

۱- مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے صلح کا عہد کیا

تھا (اور انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا ہے، جیسا کہ اسی

کی آیات ۸-۱۰ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ظاہر ہے) اللہ اور

اس کے رسول کی طرف سے اب ان کو صاف جواب ہے (التوبہ ۹)

۲- ”پس تم (اے مشرک) چار مہینے ملک میں چلو پھرو اور

یہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کافروں

کو (دنیا میں) ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔

۲- فَيَسْجُودُ فِي الْأَرْضِ

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ

غَيْرُ مُغْضِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ

لَهُ (یعقوبی جلد دوم صفحہ ۵۸ مطبوعہ یورپ)۔

۱۵ اس کے بعد مصنف نے سورہ نم (توبہ) کی پندرہ آیتوں کا ترجمہ لکھا ہے، چودہ آیتیں تو شروع سے مسلسل

ہیں، اور ایک چھتیسویں آیت ہے۔ میں نے حسب دستور قرآن مجید سے اصل آیات نکال کر مع ترجمہ

اردو درج کی ہیں، ان آیتوں سے بھی مشرکین کی زیادتی اور بد عہدی اور دغا بازی صاف ظاہر ہے،

خصوصاً جبکہ ان واقعات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے،

اور چونکہ کفار قریش اپنی سرکشی سے باز آگئے تھے، اس لئے کسی قسم کی خونریزی کی نوبت نہیں

آئی، غرض کہ یہ آیتیں بھی جنگ دفاعی کی موید ہیں۔ (منترجم)

مُحْرِي الْكَافِرِينَ ۝ (التوبہ ۹- آیت ۲)

یعنی شوال سے شروع کر کے چار منبرک مہینے۔ قریش نے ماہ رمضان میں عہد شکنی کی تھی، یعنی منبرک مہینوں سے ٹھیک ایک مہینہ پہلے۔ یہاں اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ تعدی کرنے والوں کو جنہوں نے عہد نامہ حدیبیہ کو توڑا تھا، شرطا صلح طے کرنے کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس مدت کے منقضی ہونے کے بعد جیسا کہ پانچویں آیت سے ظاہر ہے، مسلمان اپنے مددگاروں یعنی ہشی حمزہؓ کی حمایت میں جہاد شروع کریں گے۔

۳۔ اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی نظر سے لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری (دست بردار) ہیں، پس (اے مشرکوں!) اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر برگشتہ رہو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور (اے پیغمبر!) کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سناؤ،

(التوبہ ۹- آیت ۳)

۴۔ مگر مشرکین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کر رکھا تھا، پھر انہوں نے (ایکے عہد میں) تمہارے ساتھ کچھ کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے خلاف کسی کی حرکت کی، (وہ متشکک ہیں) پس ان کے ساتھ جو عہد ہے اُسے مدت معینہ تک پورا کرو، اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو بد عہد (نہیں) کرتے۔ (التوبہ ۹- آیت ۴)

۳۔ وَآذَانُ تَرْنِ اللّٰهِ وَرُسُوْلِهِ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحُجَّةِ الْاَكْبَرِ اِنَّ اللّٰهَ بَرِّهٖمُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَرُسُوْلُهُۥ اِنْ تَبَيَّنَ لَكُمْ فَوْقَ خَيْرٍ مَّا تَكْفُمُوْا ۚ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۳)

۴۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يَظْلِمُوْا عَلَيْكُمْ ۚ اُولَٰئِكَ مِمَّا اَتَتْ اِلَٰهٌ بِعَهْدٍ مُّحَمَّدٍ ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ ۹- آیت ۴)

۵۔ ”پھر جب ادب کے مہینے گزر جائیں، تو اُن مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور اُن کو گرفتار کرو، اور اُن کا محاصرہ کرو، اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک میں بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا رستہ چھوڑ دو۔ کیونکہ اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے۔“

(التوبہ ۹- آیت ۵)

۶۔ ”اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سنے، پھر اُس کو اُس کی امن کی جگہ پہنچا دو، یہ بات اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اسلام کی حقیقت کو) نہیں جانتے ہیں۔“

(التوبہ ۹- آیت ۶)

۷۔ ”اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک

۵۔ فَإِذَا فَسَلَخَ الْأَشْهُرَ الْحُرُمَ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا وَاصْطُرُّوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ إِن تَاوَلُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۵)

۶۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۶)

۷۔ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ

لے شوال، ذیقعدہ، ذیحجہ، اور محرم، یہ چاروں مہینے اشہر الحرم (ادب کے مہینے) کہلاتے ہیں، شوال عربی سال کا دسواں مہینہ ہے، ذیقعدہ گیارھواں، ذیحجہ بارھواں، اور محرم پہلا ہے۔

۵۔ یعنی یہ سلوک اُن مشرکین کے ساتھ کیا جائے جنہوں نے صلح حرمیہ کو توڑا ہے۔ آیت ۱۲ و ۱۳ کو بالمقابل پڑھو۔ ۶۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مشرکین کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر مجبور کیا جاوے، یا بالفاظ دیگر اُن کو زبردستی مسلمان بنالیا جائے، قرآن مجید کا سیاق اور اُس کا عام مفہوم ایسے معنی کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ اسی آیت سے، اگلی آیت صاف طور پر مذہبی آزادی کی تاکید کرتی ہے۔

عَنْدَ عِنْدَ اللَّهِ وَ عَنِ
رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقْبَلُوا
لَكُمْ فَاسْتَقْبِلُوهُمُ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۷)

۸- كَيْفَ وَإِنْ يَظُنُّوْا
عَلَيْكُمْ لَا يُقَاتِلُوْا فَبِكُمْ
إِلَّا وَآؤُمْتَهُمْ يُرْضُوْكُمْ
يَا قَوْمِ اهْبِطْهُم مِّنَ الْبَنِي
وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۸)

۹- اسْتَخْرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ
ثُمَّ نَزَلْنَا قَلِيلًا مِّنْ سَمُومٍ
فَصَدَّوْا عَنْ
بَيْنَاتِهِمْ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۹)

۱۰- لَا يُرْضَوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ
إِلَّا وَآؤُمْتَهُمْ وَأُولَئِكَ
هُمُ الْمُحْضَرُونَ (التوبہ ۹- آیت ۱۰)

مشرکین کا عہد کیونکر معتبر ہو سکتا ہے، مگر جن لوگوں
کے ساتھ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے نزدیک تم نے
(صلح حدیبیہ میں) عہد و پیمان کیا تھا تو جب تک وہ لوگ
تم سے سیدھے رہیں (عہد پر قائم رہیں) تم بھی ان سے سیدھے
رہو، اللہ ان لوگوں کو جو (بہ عہد سے) بچتے ہیں، دوست رکھتا ہے۔
(التوبہ ۹- آیت ۷)

۸۔ ”(ان کا عہد) کیونکر (معتبر ہو سکتا ہے) حالانکہ اگر وہ
تم پر غالب ہو جائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قربت کا لحاظ
رکھیں اور نہ عہد و پیمان کا، اپنی زبانی باتوں سے تم کو
خوش کرتے ہیں، اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور
ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔“

(التوبہ ۹- آیت ۸)

۹۔ ”انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے میں
فقوڑا سافنع حاصل کر لیا، پھر (لوگوں کو) خدا کی
راہ سے روکنے لگے، جو کام وہ کرتے تھے وہ
کیا ہی بُرے ہیں۔“

(التوبہ ۹- آیت ۹)

۱۰۔ ”کسی مومن کے بارہ میں ذلوقربت کا لحاظ رکھتے
ہیں اور نہ عہد و پیمان کا، اور وہ لوگ زیادتی کرنے
والے ہیں۔“ (التوبہ ۹- آیت ۱۰)

لے بنی کمانہ اور بنی ضمرہ نے صلح حدیبیہ کو نہیں توڑا تھا، مگر قریش اور بنی بکر نے توڑ دیا تھا۔

۱۱۔ تَبَانِ تَابُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَآتُوا الزَّكَاةَ فَانْهَوْا عَنْكُمْ
فِي الدِّينِ وَتَفْصِلُ الْآيَاتِ
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۱۱)

۱۲۔ وَإِنْ تَكُونُوا فِي أَيْمَانِهِمْ
بَعْدَ عَهْدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي
دِينِهِمْ فَتَلُوا آيَةَ الْكُفْرِ
إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّكُمْ
يَتَذَكَّرُونَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۱۲)

۱۳۔ أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا
تَكَفُّوْا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا
بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ
بَدَعُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَ
فَاللَّهِ أَخْشَىٰ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝

(التوبہ ۹- آیت ۱۳)

۱۱۔ پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ
دیں تو تمہارے دینی بھاٹی ہیں، اور جو لوگ سمجھتے ہیں اُن
کے لئے ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان
کرتے ہیں۔“

(التوبہ ۹- آیت ۱۱)

۱۲۔ ”اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں
کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں
تو اُن کفر کے پیشواؤں کے ساتھ لڑو تاکہ
وہ باز آئیں، کیونکہ اُن کی قسمیں بھی قابل اعتماد
نہیں ہیں۔“

(التوبہ ۹- آیت ۱۲)

۱۳۔ ”تم اُن لوگوں سے کیوں نہ لڑو، جنہوں نے اپنی
قسموں کو توڑا، اور رسول کے نکال دینے کا ارادہ
کیا، اور تم سے (جنگ کی) ابتدا اُنہوں نے ہی
کی، کیا تم اُن سے ڈرتے ہو، پس اگر تم ایمان
رکھتے ہو تو خدا زیادہ تر حق رکھتا ہے کہ تم
اس سے ڈرو۔“

(التوبہ ۹- آیت ۱۳)

لے اس آیت کا مفہوم پانچویں آیت کے مطابق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس اثنا
میں وہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو اُن کے ساتھ مثل برادران اسلامی کے سلوک کرنا چاہیے۔
مگر یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا خالص مقصد اُن کو مسلمان بنانا تھا، اس قسم
کی تعبیر قرآن مجید کے عام طرز بیان (سیاق) کے بالکل منافی ہے۔

۱۶۔ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ اللَّهُ
يَا بَدِّئُكُمْ وَيُخْرِجْهُمْ وَيَنْصُرْكُمْ
عَلَيْهِمْ وَيُكَفِّرْ عَنْهُمْ سُوْءَهُمْ
مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ

(التوبہ ۹- آیت ۱۶)

۲۴۔ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ
كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً
وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ

(التوبہ ۹- آیت ۳۶)

۱۶۔ اُن لوگوں سے لڑو، خدا تمہارے ہاتھوں اُنکو
سزا دیگا، اور اُن کو رسوا کرے گا، اور تم کو اُن پر فتح
دے گا، اور مومنوں کے گروہ کے سینوں کو ٹھنڈا
کرے گا،

(التوبہ ۹- آیت ۱۶)

۳۶۔ ”اور تم سب مسلمان، مشرکوں سے لڑو جس طرح
وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ (ظلم سے)
بچنے والوں کے ساتھ ہے۔“

(التوبہ ۹- آیت ۳۶)

۱۸۔ یہاں مجھے اس امر کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کہ ان آیات و واقعات

آیات مذکورہ بالا سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یعنی یہ کہ قریش کے ساتھ
کیا ثابت ہوتا ہے؟ آنحضرتؐ کی جنگیں محض دفاعی تھیں، قریش ہی حملہ آور اور
جنگ کی ابتدا کرنے والے تھے، اور آنحضرتؐ اُن کے برخلاف ہتھیار اٹھانے میں
بالکل حق بجانب تھے۔

مسٹر ایڈورڈ گیمین لکھتے ہیں:-

”وہ قدرتی یعنی تمدن کی ابتدائی حالت میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ بزور اسلحہ
ور اپنی جان اور مال کی حفاظت کرے، اپنے دشمنوں کے تشدد کو دفع کرے، یا بطور انتقام
”کے اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے، اور اپنی مخالفت کو اطمینان اور انتقام کی ایک
”معتول حد تک وسعت دے۔ عرب کے آزاد تمدن میں رعایا اور صائب اقلیت ارقبا
”کے فرائض میں کچھ یوں ہی سافرق تھا، اور اس حالت میں جبکہ آنحضرتؐ ایک صلح جو اور

”غیر اندیش تبلیغ کر رہے تھے، آپ اپنے ہم وطنوں کی نا انصافی کا شکار ہو کر جلا وطن
”کئے گئے“

فقرات سابقہ میں کامل طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں جان و مال کی حفاظت یا امن و امان حاصل نہ تھا، اور اگرچہ وہ قوم کے بے ضرر اور صلح پسند رکن تھے تاہم مذہبی آزادی سے محروم کئے گئے۔ علاوہ برائیں جلا وطن کئے گئے، وہ اپنے بال بچوں اور مال و متاع کو اپنی موذی قوم کے قبضہ میں چھوڑ کر نکل گئے۔ اُن کو مکہ واپس آنے سے روکا گیا، اُن کو مقدس مسجد (خانہ کعبہ) میں داخل ہونے کی ممانعت کی گئی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قریش مکہ نے مدینہ پر فوج کشی کر کے اُن پر حملہ کیا۔

۱۹۔ قریش کا ابتدائی مسلمانوں کو ایذا دینا مذہب کی بنا پر تھا۔ وہ لوگوں کو اپنا

آبائی مذہب ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اسلام کی تبلیغ اُن پر ایسی گراں اور شاق تھی کہ انہوں نے بعض لوگوں کو جو نئے دین کے ماننے والے

مسلمانوں کا اپنے حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانا حق بجانب تھا۔

تھے، اس کے ترک کرنے اور قدیم بت پرستی کی طرف رجوع کرنے کے لئے شکنجہ عقوبت میں دبایا۔ ”اپنے بھائیوں کی جان، اُن کا مال، اُن کی آزادی یا اُن کے کسی حق کو محض اس بنا پر تلف کرنا کہ وہ اپنے خالق کی اُس طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اُن کے عقیدہ کے موافق کرنی لازم ہے۔ اور جبکہ اُن کے اس عمل سے نوع انسان یا اس کے کسی فرد کو کوئی مادی نقصان نہ پہنچتا ہو، ایسا برتاؤ انصاف اور انسانیت کے بالکل منافی ہے، کیونکہ یہ تو اُن لوگوں کو سزا دینا ہوا جنہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، اور جن کی حالت، اگر وہ غلطی پر ہوں، صرف قابل رحم ہے۔“ ابتدائی مسلمانوں کو اہل مکہ کے ظلم اور ایذا رسانی کا انتقام لینے، بزور اسلحہ اپنی اصلی حالت کو قائم کرنے،

اپنی مذہبی آزادی کا حظ اٹھانے، اور اپنے مذہب کو آزادی سے عمل میں لانے کا ہر ایک قومی حق حاصل تھا۔

۲۰۔ بعض یورپین مؤرخ جنہوں نے آنحضرتؐ کا تذکرہ لکھا ہے، یہ کہتے

ہجرت کے بعد جنگ کی ابتداء، ہیں کہ :-

”آنحضرتؐ کی طرف سے نہیں ہوئی“

”ہجرت کے بعد جنگ کی پہلی چھیڑ چھاڑ صرف آنحضرتؐ اور

”آپ کے پیروؤں کی طرف سے ہوئی تھی۔ جب مسلمان اہل مکہ کے متعدد قافلوں کو تاخت

”تاراج کر چکے، اور اس طرح خوریزی ہو چکی، تب جا کر اہل مکہ کو مدافعت کے لئے مجبوراً

”ہتھیار اٹھانے پڑے۔“

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حملہ کرنے والے، اول اول قریش تھے، جو مسلمانوں کی

ایذارسانی کے لئے آگے بڑھے چلے آئے، اور جس شہر میں آنحضرتؐ اور آپ کے

پیروؤں نے پناہ لی تھی، انہوں نے اُس پر حملہ کیا، جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔

اگر بالفرض ہجرت کے بعد، مسلمان ہی جنگ میں پیش قدمی کرنے والے ہوں، تو دنگ

کی سابقہ تکالیف اور مظالم سے قطع نظر کر کے (مظلوم مسلمانوں کا ہجرت کر جانا۔ اور جلا

وطن ہو جانا، جو اپنی اخلاقی اور مذہبی آزادی کی، اور مزید ظلم و ستم سے اپنی اور

اپنے اقارب کی حفاظت چاہتے تھے، اُن کے لئے جنگ شروع کرنے کی کیا کافی

وجہ نہ تھی؟

سرولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ ”مسلمانوں کے مکہ سے نکالے جانے کی وجہ

سے اُن کی جنگیں بجا اور حق بجانب تھیں“

میجر وانر کینڈی کہتے ہیں :-

”یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان جنگوں میں محمد (صلعم) نے ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مکہ کے قافلوں کی مزاحمت کا اقدام کرنے میں پیش قدمی کی تھی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ جنگ کی سب سے پہلی ابتداء قریش کی وہ سازش تھی جو انہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کے لئے کی تھی۔ اور جبکہ آنحضرتؐ اپنی جان بچانے کے لئے مکہ سے نکلے، اور خود آپ اور آپ کے پیرو اپنے مال و متاع سے محروم کئے گئے، اور یہاں تک مجبور ہوئے کہ ان کی معاش کا دار و مدار اہل مدینہ کی مہماں نوازی پر رہ گیا، اُس وقت ”معتول طور پر اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کے قافلوں کو ”بغیر ستائے گزر جائے دیں“

۲۱۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے قریش کے

قافلوں کی ادّعاءئی مزاحمت کے واقعات کی تنقیح شروع کیں۔ یہ ادّعاءئی مثالیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ

مسلمانان مدینہ نے قافلوں کو لوٹا تھا، ان کی تصدیق معتبر اور مستند روایات سے نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسی اندرونی شہادتیں بھی موجود ہیں، جن سے ان امور کا خلاف قیاس ہوتا ثابت ہے۔ اہل مدینہ نے صرف اس بات کا عہد و پیمان کیا تھا کہ پیغمبر (صلعم) کو دشمنوں کے حملہ سے بچائیں گے، اور قریش کے برخلاف خود کسی جنگ کی ابتداء نہیں کریں گے۔ لہذا یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس امر کے روادار ہوئے ہیں کہ

”سید میجرانز کیڈی کے ”خیالات محمدؐ کی فہرست پر“ (جو الشیر کی کتاب ”ترہ بجدی“ (وف محمدؐ سے پیدا ہوئے)۔

دیکھو، بیٹی لٹریچر سوسائٹی کے معاملات بابت ۱۸۸۷ء جلد سوم صفحہ ۱۷۵، طبع ثانی مطبوعہ ممبئی ۱۸۸۷ء۔

”محمد (صلعم) نے مدینہ کے نئے مسلمانوں کو قریش کے مقابلے میں کسی جنگی مہم پر اس وقت تک نہیں بھیجا، جب تک کہ قریش نے ہتھیار ہتھام نہ کر دیے۔ جنگ شروع نہیں کی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مدینہ نے یہ قول و قرار کیا تھا کہ ہم آنحضرتؐ کی حمایت و حفاظت صرف اپنے گھروں (وطن) ہی میں کریں گے“ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۹۹ کا نوٹ)۔

آنحضرت ﷺ قریش کے برخلاف حملہ کی ابتدا کریں۔

۲۲۔ یہ دعویٰ کہ حضرت حمزہ اور حضرت ابو عبیدہ نے قریش کے قافلوں کے

تعاقب میں ان پر چڑھائی کی، مگر وہ بچ نکلے، فی نفسہ قرین کی ہیں

قیاس نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک ایسے قافلہ کے ٹوٹنے کے لئے، جس کی حفاظت کے لئے ذوقلو، تین سو مسلح آدمی ہوں پچاس ساٹھ اشخاص کو نہیں بھیج سکتے تھے۔

۲۳۔ ابواء، بواطہ اور عثیرہ کے غزوات، جن کی بابت یہ دعویٰ کیا

جاتا ہے کہ مکہ کے قافلوں کی مزاحمت کرنے کے لئے عود آنحضرت ﷺ کی سرکردگی میں پیش آئے، اور جن میں کامیابی نہیں ہوئی، سراسر

بے بنیاد ہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ نے ابواء اور عثیرہ کی طرف قصد کیا بھی ہو تو اس کا مقصد بنی ضمرہ اور بنی مدلج کے ساتھ دوستانہ عہد و پیمان کرنا تھا، اور آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ واقعی آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔

۲۴۔ یہ امر جو روایتوں میں مذکور ہے کہ ایک مهم تاخت و تاراج کی غرض سے

واقعہ نخلہ مقام نخلہ روانہ کی گئی تھی، اختلاف سے ملو اور بالکل متناقض اور ناقابل اعتبار ہے۔ جس آیت کی بابت تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ اس موقع پر نازل

۱۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۔ بیضاوی جلد ۱ ص ۳۵۹۔ فاقدی صفحہ ۴۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔

۲۔ ابن سعد نے (۳۰) اشخاص کی تعداد لکھی ہے۔ جلد ۲ صفحہ ۲۔

۳۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۰ + یہ شرائط صرف عام الفاظ میں بیان کی گئی ہیں، یعنی کوئی فریق دوسرے فریق سے جنگ نہیں کرے گا، اور نہ اس کے دشمنوں کی مدد کرے گا، ڈاکٹرویل نے جو ترجمہ نقل کیا ہے اور جس کی بنا پر بنی ضمرہ اس امر کے پابند تھے کہ دین کے لئے لڑیں وغیرہ، صراحتاً فرضی اور جعلی ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب کے عہد ناموں کے باب میں یہ بات بیان نہیں کی۔ ابن سعد جلد ۲

صفحہ ۳ ملاحظہ ہو۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۷۷ کا نوٹ)۔

ہوئی تھی (یعنی سورہ بقرہ ۲- آیت ۲۱۴) اور جس کو میں اُوپر نقل کر چکا ہوں (دیکھو فقرہ ۱۷) اُسی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اول اہل مکہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تھی اور یہ امر اُن یورپین تذکرہ نویسوں کے قیاس کا مخالف ہے، جو اُس لطرائی کو آنحضرتؐ کی طرف سے ابتدائی حملہ قرار دیتے ہیں۔ یہ اغلب ہے کہ آنحضرتؐ نے قریش کی حالت اور نقل و حرکت کی خبر لانے کے لئے، تقریباً چھ یا آٹھ جاسوس بھیجے ہوں، جن کی روش آنحضرتؐ کے ساتھ جب سے آپ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے، روز بروز زیادہ تر مخالفانہ ہوتی جاتی تھی۔ چونکہ قریش کے لئے مکہ شام تک تجارت کا باقاعدہ اور بے روک ٹوک رستہ موجود تھا، لہذا یہ بات بالکل معقول تھی کہ آپ حفظہ ما تقدم کی کارروائی اختیار کریں اور ہمیشہ غنیمت کی طرف سے ہوشیار و خبردار رہیں۔ ابن اسحاق - ابن ہشام (صفحہ ۷۲۴) طبری (جلد دوم صفحہ ۷۲۲) ابن اثیر (کتاب کامل جلد دوم صفحہ ۸۷ میں) حلبی (انسان العیون جلد سوم صفحہ ۳۱۸ میں) یہ پانچوں تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن جحش کو تحریری ہدایات دی تھیں جن کا مضمون یہ تھا کہ ”اُن کے معاملات کی خبر میرے پاس لاؤ“ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عبد اللہ کے اُس فعل سے جو بمقام نخلہ وقوع میں آیا، ناراض ہو کر فرمایا ”میں نے تجھے کو متبرک مہینے میں جنگ کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا۔ تذکرہ نویسوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے مقتول عمرو بن الحمزہؓ کا خون نہا (دیت) بھی ادا کیا تھا۔

۲۵- آنحضرتؐ کے بعض یورپین تذکرہ نویس یہ دعوے کرتے ہیں کہ جنگ

پدر کی ابتدا خود آنحضرتؐ کی طرف سے ہوئی تھی۔ جب قریش آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کے لئے پدر تک بڑھے چلے

پدر میں محمد (صلعم) صرف مدافعت کے لئے آئے تھے

۱۵ ابن ہشام صفحہ ۷۲۵-

آئے جو مدینہ سے تین منزل ہے، تو اُن کی کثیر التعداد فوج کے مقابلہ میں آنحضرتؐ اپنی حفاظت کی غرض سے روانہ ہوئے راصل واقعہ تو یہی ہے، مگر مؤرخین مذکور آنحضرتؐ کے اس فعل کو بجا و منصفانہ قرار دینے میں پس و پیش کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اَدعا کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اُن قافلوں پر حملہ کرنے کا قصد کیا تھا جو آپ کے جانی دشمن ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آئے تھے، اس لئے آپ اُسی مہاجرین اور دو سو پچیس باشندگان مدینہ (انصار) کو ہمراہ لے کر کُوج کے لئے روانہ ہوئے، اور قافلہ کے لوٹنے کے لئے بمقام صفر اِعتقام کیا۔ ابوسفیان نے آپ کے عزم سے خبردار ہو کر کشتی شخص (ضمضم بن عمرو غفاری) کو ٹمک طلب کرنے کے لئے مکہ روانہ کیا۔ قریش نے سارے نو سو قوی آدمیوں کی فوج کے ساتھ قافلہ کے چھڑانے کے لئے کُوج کیا۔ اس اثنائیں قافلہ بلا مزاحمت گزر گیا، مگر قریش نے اس بارہ میں پیچائیت کی کہ اب واپس لوٹ جائیں یا جنگ کریں برخلاف اس کے تذکرہ نویس یوں بیان کرتے ہیں کہ قریش میں باہم یہ بحث پیش ہوئی کہ جس مقصد سے ہم روانہ ہوئے تھے وہ تو حاصل ہو گیا اب فوج کو فوراً لوٹ جانا چاہیے۔ بعض اُسی شخص نے یہ استدعا کی کہ فوج کو آگے بڑھنا چاہیے۔ دو قبیلے یعنی (الانص و بنی زہرہ) مکہ کو واپس چلے گئے اور باقی ماندہ قبائل نے آگے کی طرف کُوج کیا، مگر یہ قول معقول نہیں ہے کہ آنحضرتؐ قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اگر ایسا قصد ہوتا تو اہل مدینہ جنہوں نے آنحضرتؐ کو صرف شخصی حملہ سے بچانے

لے ابن ہشام صفحہ ۲۲۸۔

۲ ابن ہشام صفحہ ۲۳۸ مطبوعہ یورپ۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔

۳ ابن ہشام صفحہ ۲۳۲۔ عیون الاثر صفحہ ۲۶۳ نسخہ قلمی نایاب مخروءہ مکتب خانہ آصفیہ۔ بیضاوی جلد اول

صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ یورپ ۱۸۲۸ء۔ زرقانی جلد اول صفحہ ۲۹۸۔ واقعی صفحہ ۲۲۴۔ مطبوعہ کلکتہ

۱۸۵۶ء۔

کا عہد و پیمان کیا تھا، آپ کے ساتھ نہ ہوتے۔ انصار یعنی باشندگان مدینہ کی کثیر تعداد کا موجود ہونا، جن کی تعداد بہ نسبت مہاجرین کے دوچند سے بھی زیادہ (سہ چند) کے قریب تھی، اس امر کا قوی ثبوت ہے کہ وہ صرف مدافعت کی غرض سے نکلے تھے آنحضرتؐ قریش مکہ کی فوج کے بڑھے چلے آنے کی خبر پا کر اُس کے روکنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے، اور بمقام بدر، جو مدینہ سے تین دن کی راہ ہے، اُس فوج کا مقابلہ کیا۔ ۱۷ ماہ رمضان (مطابق ۱۳ جنوری ۶۲۳ء) کو بدر کے مقام پر فریقین میں ٹٹ بھڑ ہوئی۔ قریش مکہ ۸ ماہ رمضان (مطابق ۲۷ جنوری کو مکہ سے روانہ ہوئے اور آنحضرتؐ (صلعم) صرف ۱۲ ماہ رمضان (مطابق ۸ جنوری کو) یعنی جبکہ مکئی فوج آپؐ پر حملہ کرنے کے لئے درحقیقت کوچ کر چکی تھی، اُس سے تقریباً چار روز بعد روانہ ہوئے۔ بالفرض ابوسفیانؓ کو مدینہ سے اپنے قافلہ پر حملہ کا اندیشہ تھا، اور اس کے پاس اس کی کوئی وجہ تھی، اور اس نے مکہ سے طلب کی تھی، تاہم جس غرض سے قریش کی فوج مکہ سے چل کر آئی تھی، جب وہ غرض پوری ہو گئی، یعنی قافلہ بلا مزاحمت گزر گیا، تو اس کو اُلٹے پاؤں لوٹ جانا چاہیے تھا۔ یہ امر کہ جب قریش ایک بڑی فوج کے ساتھ مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ کی طرف بڑھ چکے تھے، اُس سے چار روز کے بعد آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپؐ کی تائید میں ایک قوی ثبوت ہے ۲۷۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ ہجرت کے بعد شخص مسلمانوں ہی کی طرف سے جنگ میں سبقت کی گئی تھی، اور انہوں نے قریش کے متعدد قافلوں کو تاخیر و تاراج کر کے خونریزی کی تھی تاہم آنحضرتؐ پر اُس کا الزام عائد کرنا نا واجب ہوگا اگر ایسے حملے کئے جاتے تو وہ ازراہ انصاف اس ہر مسلم کی کا انتقام سمجھے جاسکتے تھے جو مکہ سے ہجرت کرنے کے قبل مسلمانوں کے

ہجرت کے بعد اگر آنحضرتؐ کی طرف سے جنگ میں سبقت ہوئی بھی ہو، تو اُس کو انتقام سمجھنا متفقہاً انصاف ہے

ساتھ کی گئی تھی۔

”عام جنگ، مسلح مخالفت کی اُس حالت کا نام ہے جو حکمران قوموں یا سلطنتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ متمدن زندگی کی ضروری شرط اور اُس کا ایک قانون یہ ہے کہ لوگ ایسی جماعتوں میں مل جل کر رہیں جو پولیٹیکل حیثیت سے باہم منسلک اور ایک ضابطہ میں منضبط ہو کر کنٹینس واحد ہو گئے ہوں، انہی جماعتوں کو سلطنتوں یا قوموں کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور اُن کے افراد جنگ اور امن کی حالت میں ایک دوسرے کے شریک رنج و راحت ہوتے، اور ایک ساتھ ہی ترقی اور تنزل کرتے ہیں پس متمدن“

”کے ملک کا رہنے والا آدمی، اس اعتبار سے کہ وہ دشمن کی سلطنت یا قوم کا ایک فرد ہے، دشمن ہی ہے، اور اس حیثیت سے اُس کو جنگ کی مصیبتیں جھیلنی لازم ہیں۔“

نہایت ہی قدیم زمانہ کا قانون جو قریب قریب عالمگیر تھا اور وحشی قوموں میں اب بھی جاری ہے، یہ تھا کہ دشمن کے ملک کا پرائیویٹ آدمی بھی (جو جنگ سے سروکار نہ رکھتا ہو) اس تکلیف کا سزاوار ہے کہ اُس کو آزادی، حفاظت، اور ہر قسم کی قربان کے حقوق سے محروم کیا جائے۔ مگر آنحضرتؐ نے دشمن کے ملک کے بے آزار باشندوں یا پرائیویٹ افراد کی (جو شخصی حیثیت رکھتے تھے) حفاظت کی۔ آپؐ نے اُن لوگوں کی بھی جان بچائی جو درحقیقت بدر میں آپؐ سے لڑنے آئے تھے، مگر اپنے اس فعل سے کارہ (ناخوش) تھے۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قریش کی فوج کے متعدد آدمیوں کو امان دی جائے۔ ابوالبخترؓ، زمرہ، حارث ابن عامر عباس، اور دیگر بنی ہاشم اُن لوگوں میں سے تھے جن کے نام لئے گئے تھے۔

پولٹیکل سائنس کے مضامین از فرانسس لیبراہل۔ ایل۔ ڈی، دیکھو صاحب موصوف کی متفرق تحریرات کی جلد دوم صفحہ ۲۵۱۔ مطبوعہ لندن ۱۹۸۱ء۔

ابوہاشم ابن ہشام صفحہ ۴۴۶۔

باب چہارم

یہود

۲۷- آنحضرتؐ نے مدینہ پہنچتے ہی اول یہودیوں سے صلح کا معاہدہ کیا، جس سے اُن کی مذہبی آزادی اور اُن کے مال و متاع اور حقوق کی نگہداشت کی ذمہ داری کی گئی۔ معاہدہ میں یہ بشرط قرار پائی تھی کہ اگر کسی فریق پر حملہ کیا جائے، تو دوسرے فریق کو اُس کی امداد کے لئے آنا چاہیئے۔ جو لوگ اس معاہدے میں شریک ہوں، اُن سب پر لازم ہوگا کہ مدینہ کو مقام متبرک سمجھیں اور معاہدے کے پابند رہیں۔ مگر یہودیوں نے عہد شکنی اور بغاوت کی۔ اُنہوں نے محاصرہ مدینہ (یوم خندق) کے زمانہ میں دشمن کو مدد دی، اور شہر کی مخالفت میں خیانت و دغا کے مرتکب ہوئے۔

یہودیوں نے معاہدے کو توڑ ڈالا

۲۸- یہودیوں میں سب سے پہلے اشخاص بنی قینقار تھے، جنہوں نے بنی قینقار، بنی نضیر، بنی قریظہ، خیبری، اور بنی غطفان سے جنگ کی۔

بنی نضیرؑ نے اپنا معاہدہ جو آنحضرتؐ کے ساتھ کیا تھا، اُحد کی شکست کے بعد توڑا۔ انہوں نے آپؐ کے قتل کی سازش بھی کی تھی۔ وہ جلا وطن کر دیے گئے، اور اُن میں سے بعض خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ بنی قریظہؑ نے آنحضرتؐ کی اطاعت

۱۔ ابن ہشام صفحہ ۳۲۱۔ ۲۔ ابن ہشام صفحہ ۵۲۵۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۹۰ و ۲۵۰ و ۲۷۰ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء
 ۳۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲۰۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۲۸ء۔
 ۴۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۲۱۔

سے منحرف ہو کر دشمن کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا، جبکہ قریش اور بدوی قبائل نے جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت م نے اُن کا محاصرہ کیا، اور وہ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، جس نے قتل کا فتوہ اُن پر جاری کیا۔ یہودیان خیبر (جن میں بنی نضیر شامل تھے) اور بنی غطفان نے، جو تھوڑے عرصے پہلے جنگ خندق میں قریش کے ساتھ مدینہ کے محاصرے میں شامل تھے، آنحضرت م کے خلاف سازش کی، اور آپ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ لوگ بنی قریظہ، اور دیگر بدوی قبائل کو اپنی ٹوٹ مار میں شریک ہونے کی ترغیب دیتے رہتے تھے، اور مدینہ پر حملہ کرنے میں بنی سعد بن بکر کے ساتھ شامل ہو گئے۔ وہ بمقام خیبر مطیع اور باجگزار ہو گئے۔ اور بھروسہ اُس حفاظت کے جس کی ذمہ داری اُن کے لئے کی گئی تھی، انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

۲۹۔ بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ اور یہودیان خیبر کی نصیحت

کا حال قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

قبائل یہودی کی بد عہدی اور دغا کا ذکر قرآن مجید میں

۵۸۔ ”وہ لوگ جن سے تم نے عہد و پیمان کیا، پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔“

(الانفال ۸- آیت ۵۸)

۵۹۔ ”پس اگر تم اُن کو لڑائی میں پاؤ تو اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جو لوگ (لگ کے لئے) اُن کے پیچھے ہیں وہ (ڈر کر) بھاگ جائیں“ (الانفال ۸- آیت ۵۹)۔

۵۸۔ الَّذِينَ عَاهَدَتْ مِنْكُمْ

ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي

كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ

(الانفال ۸- آیت ۵۸)

۵۹۔ فَإِن تَلَقَّوهُمْ فِي الْحَرْبِ

فَنَشَرُوا مِنْ خَلْفِهِمْ يُغْلِبُهُمْ

يَذْكُرُونَ (الانفال ۸- آیت ۵۹)

۴۰۔ وَإِنَّمَا أَخَذْنَا مِنَ النَّاسِ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُ أَن يَبْلُغُوا أُمَّةً

فِي دِينِهِمْ فَلَا يُعْتَبِرُونَ ۚ

(الانفال ۸- آیت ۴۰)

۴۱۔ وَلَا يَحْسِبُونَ أَنَّ اللَّهَ مُخْلِفٌ فِي عَهْدِهِمْ

لَا يَحْسِبُونَ أَنَّ اللَّهَ مُخْلِفٌ فِي عَهْدِهِمْ ۚ

(الانفال ۸- آیت ۴۱)

۴۲۔ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ جُنْدِكُمْ

وَمِنْ رِبَاطِ جُنْدِكُمْ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَلَفُوا وَتَرَىٰ جُمُوحَهُمْ لَا يَفْعَلُونَ ۚ

وَمَا تَنْفَعُكُمْ ثَمَنُ شَيْءٍ زُجِجَ فِيهِ

سَبِيلَ اللَّهِ يُوَفَّىٰ أَكْبَرُ مِنِّي ۚ

أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ

(الانفال ۸- آیت ۴۲)

۴۳۔ وَإِنِ جُنُودُ الْمُؤْمِنِينَ

فَانْجَحُوا لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

وَأَنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ

(الانفال ۸- آیت ۴۳)

۴۰۔ اور اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (فریب) کا

اندیشہ ہو تو مساوات کا خیال رکھ کر ان کے عہد کو ان پر

الٹ دو، درحقیقت اللہ فریب کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا،

(الانفال ۸- آیت ۴۰)۔

۴۱۔ جو لوگ کفر کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ وہ (بچ

کر) نکل گئے، وہ (ہم کو) عاجز نہیں

کر سکتے،

(الانفال ۸- آیت ۴۱)

۴۲۔ اور (فوجی) قوت سے اور گھوڑے باندھے رکھنے

سے جہاں تک ممکن ہو ان کے (مقابلہ کے لئے) سامان

مہیا کرو، تاکہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں

پر اپنا خوف بٹھاؤ، اور ان کے سوا دوسروں

پر بھی، جن کو تم نہیں جانتے، اور اللہ ان کو

جانتا ہے، اور راہ خدا میں تم جو کچھ خرچ

کرو گے، وہ تم کو پورا پورا دیا جائے گا،

اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی،

(الانفال ۸- آیت ۴۲)۔

۴۳۔ اور (اے پیغمبر!) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں

تو تم بھی اُس کی طرف جھکو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

کیونکہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے،

(الانفال ۸- آیت ۴۳)۔

۶۴۔ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ
يَخْرُجُوا مِنْ دَارِكَ حَتَّى يَكُونَ
بِهِمُ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ وَآلُفَ بَيْنَ
قُلُوبِهِمْ كَوْنُ أَفْقَتٍ مَا فِي
الْأَرْضِ جَنِيحًا مَا أَفْقَتِ
بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ
أَلْفَ بَيْنَهُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ
(الأنفال ۸ - آیت ۶۴)

۶۵۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَتَّى يَكُونَ
وَمِنْ أَتَى حَتَّى يَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
(الأنفال ۸ - آیت ۶۵)

۶۶۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَتَّى يَكُونَ
عَلَى الْقَتْلِ
(الأنفال ۸ - آیت ۶۶)

۲۶۔ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوا مِنْ
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ
صَيَافِهِمْ وَقَدْ رَفِيَ
قُلُوبُهُمْ الرُّعْبَ وَتَقَاتَلُوا
وَتَأْسَرُونَ فَرِيقًا
(الاحزاب ۳۳ - آیت ۲۶)

۶۴۔ اور اگر وہ تم کو فریب دینے کا ارادہ کریں تو کچھ
یہود (نہیں) کیونکہ (حقیقت اللہ تمہارے لئے کافی
ہے، (اے پیغمبر!) وہی (خدا سے قاطعاً) تو ہے جس
نے اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی، اور
اُن (مسلمانوں) کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی، اگر تم
زمین کے خزانے بھی صرف کرویتے تو بھی اُن کے دلوں میں
اُلفت نہیں پیدا کر سکتے تھے، مگر اللہ نے اُن میں اُلفت
پیدا کی، بے شک وہ غالب اور حکیم ہے۔
(الأنفال ۸ - آیت ۶۴)

۶۵۔ ”اے پیغمبر! اللہ اور مؤمنین میں سے وہ لوگ جو
تمہارے فرمانبردار ہیں، تم کو کافی ہیں۔“
(الأنفال ۸ - آیت ۶۵)

۶۶۔ ”(اے پیغمبر!) مسلمانوں کو (ایدا دینے والوں
کے ساتھ) لڑنے کے لئے آما وہ کرو۔“
(الأنفال ۸ - آیت ۶۶)

۲۶۔ اور اہل کتاب (یہود) میں سے جن لوگوں نے
اُن (مشرکین) کی مدد کی تھی، اللہ نے اُن کو اُن کے
قلعوں سے نیچے اُتارا اور اُن کے دلوں میں ایسا
رعب ڈالا کہ تم (لڑنے والوں کے) ایک فریق کو قتل
اور ایک کو قید کرنے لگے۔
(الاحزاب ۳۳ - آیت ۲۶)

۲۹- قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ
مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ
وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

(التوبہ ۹ - آیت ۲۹)

۱۲۴- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ
وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَلْيَعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ سَمِعَ النَّفْثِينَ ۝

التوبہ ۹
آیت ۱۲۴

۲۹- اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ خدا کو مانتے ہیں
اور نہ روزِ آخرت کو، اور نہ اُن چیزوں کو حرام
سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے
حرام بتایا ہے، اور نہ دینِ حق کو تسلیم کرتے
ہیں، اُن لوگوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ
ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ
دیں۔

(التوبہ ۹ - آیت ۲۹)

۱۲۴- اے ایمان والو! ان کفار میں سے جو لوگ تمہارے
اُس پاس ہیں اُن سے لڑو، اور چاہیے کہ وہ تم لوگوں میں
شدتِ ذکرِ راہِ حق کو محسوس کریں، اور یہ جان لو کہ اللہ اُن کے
ساتھ ہے جو (زیادتی سے) پیچھے والے ہیں۔ (التوبہ ۹ - آیت ۱۲۴)

لہٰذا اگر اس آیت کا تعلق جنگِ تبوک سے نہیں ہے تو یہاں اہل کتاب سے مراد یہودیانِ خیبر ہیں نہ رسولِ مہدی
اس کو یہود و نصاریٰ کے برخلاف مخالفانہ اعلان کہتے ہیں، اور یہ لکھتے ہیں کہ :-

» اسلام کی علمبردگی اور اس کی وہ حیثیت جو مذہبی آزادی کے خلاف روز بروز بڑھتی جاتی تھی اُس اعلان سے کافی
» طور پر ظاہر ہوتی ہے جو یہود و نصاریٰ کے برخلاف جاری کیا گیا تھا، کہ وہ خانہ کعبہ کی تبریکِ رسوم ادا کرنے اور
» اُس کے مقدس حدود میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہیں، اور یہ کہ احکامِ الہی کے بموجب آنحضرت کو اُن
» جنگ کرنی چاہیے، تاوقتیکہ وہ اسلام کی فزیت کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنا قبول کریں، «سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۸۹
جس حکم کا حوالہ سرولیم پور نے دیا ہے، اُس کا تعلق اُن لوگوں کے برتاؤ سے ہے جنہوں نے
مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اٹھائے تھے، نہ کہ اُن کی عام حالت سے۔ یہود و نصاریٰ کے برخلاف
اس بات کا کوئی اعلان جاری نہیں کیا گیا تھا کہ وہ خانہ کعبہ کی تبریکِ رسوم ادا کرنے اور اس کی مقدس حد
میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ برعکس اسکے نصار اُسے بخران کو، جبکہ وہ مینہ پہنچے، حضرت پیغمبرِ صلعم
اپنی مسجد میں ٹھہرایا۔ اور وہیں وہ لوگ اپنی نمازیں پڑھتے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ ۲۰۲) -

۳۰۔ بنی قریظہ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر رضامند ہو گئے تھے، جو اوس

سعد بن معاذ کا فیصلہ [یعنی اُن کے معین و مددگار بنی اوس کے قبیلہ سے تھا۔

آنحضرتؐ نے اس فیصلہ پر اتفاق کیا۔ سعد نے حکم دیا کہ قیدیوں میں سے مردوں کو قتل کرنا چاہیئے۔ آنحضرتؐ نے اس فیصلہ کو ناپسند کیا اور یہ فرمایا ”تو نے ایک ملک (پادشاہ) کے فیصلہ کی مانند فیصلہ کیا ہے۔“ لفظ ملک سے آپ کی مراد تھی ”ایک خود مختار حکمران“۔

بخاری (کتاب الجہاد) کی سب سے معتبر روایت میں لفظ ملک (بمعنی پادشاہ) موجود ہے۔ مگر بخاری کے تین اور مقاموں (کتاب المناقب، کتاب المغازی، اور کتاب الاستیذان

میں راوی کو شک ہے کہ آنحضرتؐ نے لفظ ”اللہ“ فرمایا تھا، یا لفظ ”ملک“ مسلم

نے بھی لفظ ملک لکھا ہے، اور ایک جگہ یہ جملہ بالکل نہیں دیا گیا۔ سعد بن معاذ کے

انتقال کے بعد صرف اُس کی یادگار کو عظیم الشان بنانے کے لئے، اس واقعہ کے

بعض راویوں نے یہ بیان کر دیا کہ آنحضرتؐ نے یہ فرمایا تھا کہ سعد نے ایک ملک

(فرشتہ) کی مانند فیصلہ کیا ہے، بعض راویوں نے لفظ ملک (پادشاہ) کی تعبیر اس

طرح کی ہے کہ اُس کے معنی ”اللہ“ ہیں۔ آنحضرتؐ نے لفظ ملک بمعنی فرشتہ، یا

لفظ ملک جو مجازاً بمعنی ”اللہ“ مستعمل ہوتا ہے، ہرگز ارشاد نہیں فرمایا، آپ نے

صرف ملک فرمایا، جس کے لفظی معنی ”بادشاہ“ یا ”حکمران مطلق“ کے ہیں۔

۳۱۔ یہودیان خیبر کے برخلاف جو ہم بھیجی گئی تھی اُس کی حیثیت محض دفاعی تھی۔

یہودیان خیبر کے مقابلہ [جب سے بنی نضیر اور بنی قریظہ اسلامی جمہوریت کے برخلاف سازش

میں دفاعی مہم [کرنیکی پاداش میں مدینہ سے جلا وطن ہو کر اہل خیبر سے جا ملے تھے اُسی وقت سے

اہل خیبر اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ اُنہوں نے قرب و جوار کے قبیلوں کو مدینہ پر

۱۔ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۸۷ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ تہذیب الاسماء امام نوادی صفحہ ۷۷، ۲۔ مطبوعہ یورپ ۱۸۲۹ء

۳۔ بیضاوی جلد دوم صفحہ ۱۲۶۔ ملاحظہ ہو۔

حملہ کرنے کے لئے براہِ نیکختہ کرنا شروع کر دیا، بنی عطفان کے ساتھ ربط و اتّحاد پیدا کیا، انہوں نے احزاب یعنی قبائل عرب کے اُس جھٹھے کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں نمایاں حصہ لیا تھا، جس نے مشترکہ قوت سے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے جنگ خندق میں مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے اور بالخصوص سلام بن ابوالحقیق نضری نے جو بنی نضیر کا سردار تھا، بنی فزارہ اور دیگر بدوی قبائل کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے بھڑکایا۔ انہوں نے مسلمانوں پر حملے کرنے کے لئے بنی سعد بن بکر کے ساتھ اتّحاد پیدا کیا۔ بنی سعد یعنی قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ منجملہ اُن احزاب (گروہ) کے تھے جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد اُس سیر بن زارم نے جو بنی نضیر مقیم خیبر کا سردار تھا، مدینہ پر مشترکہ قوت سے حملہ کرنے کے لئے بنی عطفان کے ساتھ اُسی قسم کے تعلقات قائم کئے، جیسے کہ اُن کے پہلے سردار نے قائم کئے تھے۔ بنی عطفان مع بنی فزارہ اور بنی مُرہ کے جو اُن کے قبیلہ کی شاخیں تھیں، فدک کے قُرب و جوار میں جو خیبر میں واقع ہے، ہمیشہ شرارت کے منصوبے باندھتے رہتے تھے۔ یہ لوگ بہت عرصہ سے اہل مدینہ کو دھمکیاں دے رہے تھے، اور اپنے حملوں کا خوف دلا رہے تھے۔ ہجرت کے ساتویں سال آنحضرتؐ کو بروقت خبر ملی کہ اہل خیبر اور بنی عطفان باہم ملکر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ جلدی سے مداخلت کے لئے روانہ ہوئے، اور فوراً خیبر کی طرف کوچ کیا۔ آپ نے اُن کی باہمی امداد کے کئے کے لئے بمقام رَجِیْع قیام فرمایا، جو خیبر اور عطفان کے درمیان واقع تھا۔ یہ حملہ یکایک اور بلا اِشتعال طبع نہ تھا، جیسا کہ سر ولیم میور کہتے ہیں۔ صاحبِ موضوع لکھتے ہیں :-

”محمد (صلعم) کو یہودیوں کی خیر کی طرف سے غالباً کسی ابتدائی حملہ کا انتظار تھا (اُس قبیلہ کی سرسبز زمینوں اور دیہات ہی کو اپنے پیروؤں کے لئے آنحضرتؐ نے مخصوص کیا تھا، یا آپؐ کا ایسا خیال تھا کہ اُن کے معین و مددگار بنی غطفان کی طرف سے کوئی ایسی وجہ نہ تھ آجائے جس سے آپؐ کو حملہ کرنے کا بہانہ مل جائے۔ مگر جب کوئی موقع ایسا نہ ملا تو آپؐ نے اسی سال کے موسم خزاں میں یکایک اور بلا اشتعال طبع اُن کے علاقہ پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔“

جو کچھ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں، اُس سے یہ بات ظاہر ہو جائیگی کہ خیر کا حملہ اپنی حیثیت میں محض دفاعی تھا +

باب پنجم

نصاری یا رومی

۳۲۔ آنحضرتؐ کی سب سے پھلی مہم تبوک کی مہم تھی اور یہ بھی محض دفاعی تھی۔ شام سے آنے والے مسافر اور تاجریہ خبر لائے تھے کہ شام کی سرحد پر رومیوں کی طرف سے بڑی فوج جمع ہوئی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ شاہنشاہ یونان ہرقل یعنی قیصر روم نے جو اُس وقت جمہوں میں مقیم تھا، فوج کو ایک سال کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے تاکہ سپاہی ایک طولانی مہم کے لئے ساز و سامان سے بخوبی درست اور تیار ہو سکیں، صحراے شام کے قبائل

تبوک کی مہم جو سب سے پھلی تھی۔

لسیت محمدی جلد چہارم صفحہ (۶۱) ابن ہشام صفحہ ۷۷۔ ۷۸ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ یورپ

۱۹۰۹ء۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ یورپ۔

بنی لحم، بنی جذام، بنی عاملہ، اور بنی غسان، رومی نشانوں (جھنڈوں) کے ارد گرد جمع ہو رہے تھے، اور مقدینہ الجیش (ہراول) پہلے سے بمقام ہلقا موجود تھا۔ آنحضرتؐ نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے فی الفور عزم کیا۔ جب آپؐ سرحد شام کے قرب وجوار میں بمقام تبوک پہنچے تو آپؐ نے کسی فوج کو مقابلہ کے لئے نہ پایا۔ وہاں اُس خطرہ کا جس کے پیش آنے کا اندیشہ تھا، کوئی نشان موجود نہ تھا، اور اسی لئے آنحضرتؐ نے مع اپنی فوج کے مدینہ کو مراجعت فرمائی۔ یہ واقعہ ہجرت کے نویں سال پیش آیا تھا۔

۳۳- پیغمبر اسلام (صلعم) کے تمام غزوات کا بیان اس پر ختم ہو جاتا ہے۔

خاتمہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میں نے عمدہ اور مقبول دلائل سے، اور نہایت ہی یقینی اور نہایت ہی معتبر تاریخی ذرائع سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ تمام غزوات ابتدائی جنگ یا حملہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ برعکس اس کے محض مدافعت اور حفاظت کی لڑائیاں تھیں، ابتدائی مسلمانوں پر اس لئے ظلم کئے گئے کہ انہوں نے دین محمدی کو قبول کیا تھا، اُن کے ملک اور مذہبی حقوق تلف کئے گئے، وہ وطن سے نکالے گئے، مال و متاع سے محروم کئے گئے، اور ان سب مصیبتوں کے بعد، قریش اور اُن کے احزاب (گروہ) یعنی یہود اور دیگر قبائل عرب نے اُن پر ابتداءً حملہ کیا۔ انہوں نے نہ تو انتقام لینے کے لئے جنگ کی تھی، اور نہ دین اسلام کو بزور اسلحہ قبول کرانے کے لئے، اور نہ اُن قافلوں کے ٹوٹنے کے لئے جو اُن کے شہر کے قریب سے گزرتے تھے۔ جنگ کی اجازت مسلمانوں کو صرف اس لئے دی گئی تھی کہ مُشرکین اُن سے جنگ کرنے یا اُن پر حملہ کرنے میں سبقت کرتے تھے، اور ظلم و تعدی کرتے تھے، انہوں نے بلاوجہ صحیح مسلمانوں کو اُن کے وطن سے بے وطن کیا تھا۔ پس مسلمانوں نے

اُن ہی لوگوں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے، جنہوں نے اولاً مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کیا اور بعد ازاں اُن پر حملہ کیا۔ لہذا یہ فعل قانون اقوام اور مقدس قانون قدرت کے بالکل مطابق تھا۔ اہل مدینہ نے آنحضرتؐ کو صرف دشمنوں سے بچانے کا معاہدہ کیا تھا۔ وہ قریش کے اُس قافلہ کو جو مدینہ کے پاس سے گزر رہا تھا، ٹوٹنے کے لئے نہ تو جاسکتے تھے اور نہ جانا چاہتے تھے، اور آنحضرتؐ اور آپ کے انصار بھی اس کام کے روادار نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے۔

باب ششم

مذہبی مزاحمت

۳۴۔ اُن لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ:-

آنحضرتؐ نے مذہبی مزاحمت کی ہرگز تعلیم نہیں دی۔

”مسلمانوں کا ایک عام فرض جس کی پابندی اُن کے لئے لازمی قرار دی گئی تھی یہ ہے کہ وہ کافروں پر خدائی انتقام (غضب الہی) نازل

د کرنے کا وسیلہ بنیں۔ اُن کو قتل کیا جائے تا وقتیکہ وہ جزیہ ادا نہ کریں، جزیہ ادا کرنے کی

”صورت میں اُن کو کچھ اور تکلیف نہ دی جائے، یہاں تک کہ وہ خود ہی جہنم میں داخل

”ہو جائیں۔“

آنحضرتؐ نے قریش اور یہود کے ساتھ اس وجہ سے کہ وہ آپ کی رسالت کے منکر تھے جنگ نہیں کی، اور نہ اس وجہ سے کہ آپ اُن پر غضب الہی نازل کرنے کا

۱۔ ابن ہشام صفحہ ۴۳۴ مطبوعہ یورپ۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ یورپ۔

۲۔ ”اسلام زیر حکومت عرب“ از میجر آر۔ ڈی۔ اوسبورن مطبوعہ لندن ۱۸۶۶ء صفحہ ۲۷۔

ذریعہ تھے، بلکہ برعکس اس کے آپ نے یہ کہا کہ ”میں تو صرف ایک مذہب پر ہوں، (یعنی عذاب الہی سے ڈرانے والا)۔“

دیکھو آیات مندرجہ ذیل:-

۲۸۔ ”اور (اسے پیغمبر) لوگوں سے کہو کہ حق (یعنی قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، پس جو شخص چاہے مانے، اور جو چاہے نہ مانے“
(الکہف ۱۸- آیت ۲۸)

۲۵۷۔ ”دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں ہے۔“
(البقرہ ۲- آیت ۲۵۷)

۷۳۔ ”بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (یعنی مسلمان) اور جو یہودی ہیں اور صابی اور نصاریٰ ان میں سے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے۔ اور نیک عمل کرے، تو (قیامت میں) اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ وہ رنج و نعم میں مبتلا ہوں گے۔“
(المائدہ ۵- آیت ۷۳)

۲۸۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ
مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ
فَلْيُكْفُرْ

(الکہف ۱۸- آیت ۲۸)

۲۵۷۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ
الْبَقَرَةُ ۲- آیت ۲۵۷

۷۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَالَّذِيْنَ لَا دُوْاۤ اَوَ الصّٰبِیْنَ
وَالنَّصٰرَیْ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَرَحَلَ صٰلِحٰتِہُمْ
فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَّ لَا حُمٌ
يَّحْزَنُوْنَ ۝

(المائدہ ۵- آیت ۷۳)

عین جنگ کی حالت میں بھی مشرکوں کو اجازت تھی کہ وہ اگر غلطیں، اور پھر اُن کو اُن کی امن کی جگہ واپس بھیج دیا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ کی جنگیں مشرکین سے جبریہ وصول کرنے کی غرض سے بھی نہیں تھیں، چہرہ اُن ہی لوگوں پر لگایا جاتا تھا جو آپ کی پناہ میں آئے تھے، پھر بھی اُن باقاعدہ محصولوں (زکوٰۃ و صدقات وغیرہ) سے لے دیکھو سورہٴ نوہ ۹- آیت ۶- اصل آیت اس کتاب کے فقہاء میں پہلے نقل ہو چکی ہے۔

جو مسلمانوں کو اسلامی جمہوریت کے مصارف کے لئے ادا کرنے پڑتے تھے یہ لوگ ہی تھے۔
برعکس اس کے آنحضرتؐ نے صرف حفاظت خود اختیاری کی صورتوں میں ہتھیار
اٹھائے تھے، جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اگر آنحضرتؐ قیام مدینہ کے
بعد، قریش اور ان کے مددگاروں کے متواتر حملوں سے اپنی
جان بچانے میں غفلت کرتے تو وطن غالب تھا کہ آپؐ مع اپنے
پیروؤں کے نیست و نابود ہو جاتے۔ پس وہ اپنی جان بچانے کے
لئے اور نیز اپنی اخلاقی و مذہبی آزادی کی حفاظت کی غرض سے لڑتے تھے۔

۳۵۔ اس معنی میں اس لڑائی کو مذہبی جنگ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ مخالفت مذہبی

یہ لڑائیاں کس معنی میں
مذہبی لڑائیاں تھیں؟
بنا پر شروع ہوئی تھی، اور قریش نے مسلمانوں کو اسی وجہ
سے تکلیفیں دے دے کر جلاوطن کیا تھا کہ انہوں نے دین
آبائی یعنی بُت پرستی کو ترک کر کے دین اسلام یعنی ایک سچے خدا کی پرستش اختیار
کی تھی، مگر وہ اس معنی میں ہرگز مذہبی لڑائی نہ تھی کہ کفار سے زبردستی اسلام قبول کرانے
کے لئے ان پر حملہ میں سبقت کی جائے۔

مسروہیم میور کی کیسی بڑی غلطی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جنگ مذہبی حیثیت سے
تجزیہ کی گئی تھی۔ صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں :-

”مکہ سے مسلمانوں کی جلاوطنی کے باعث یہ لڑائیاں فی الحقیقت درست اور بجا تھیں، مگر جنگ کا
”بڑا اور واقعی نتیجہ پوشیدہ نہ رہا، وہ یہ کہ اسلام کی فتح ہو۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم تھا، تاوقتیکہ
”خالص خدا کا دین نہ ہو جائے“۔ لہ

جن آیتوں سے مذہبی مزاحمت پر
استدلال کیا جاتا ہے انکی تفسیر
۳۶۔ قرآن مجید کی جن آیات کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا
ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں :-

لے سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۷۹۔

۱۸۶۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۶)

۱۸۷۔ وَاقْتُلُواهُمْ حَيْثُ
ثَقَفْتُمُوهُمْ وَآخِرُ جُؤْهُم مِّنْ حَيْثُ
آخَرُ جُؤْهُمُ وَأَفْتَنَةٌ أَشدَّ مِنْ
وَلَا تَقَاتِلُواهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
حَتَّى يُقَاتِلَوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ
قَاتَلُوكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ
جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)

۱۸۸۔ فَإِنْ أَنْتُمْوَا فَإِنَّ
اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۹۔ وَقَاتِلُواهُمْ حَتَّى لَا
يَكُونُوا فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ
لِلَّهِ فَإِنْ أَنْتُمْوَا فَلَا عُدْوَانَ
إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)

۱۸۶۔ اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ (یعنی
دین کی حمایت) میں اُن سے لڑو، اور زیادتی نہ کرو، کیونکہ
اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے“
(البقرہ ۲- آیت ۱۸۶)۔

۱۸۷۔ ”اور اُن کو (جو تم سے لڑتے ہیں) جہاں پاؤ
قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی
مکہ سے) تم بھی اُن کو وہاں سے نکال دو، اور فتنہ و فساد،
خونریزی سے بھی زیادہ سخت ہے، اور جب تک حرمت
والی مسجد (خانہ کعبہ) کے پاس وہ خود تم سے نہ لڑیں،
تم بھی اُس جگہ اُن سے نہ لڑو، پس اگر وہ تم سے لڑیں تو
تم بھی اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے“
(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)۔

۱۸۸۔ ”پھر اگر وہ باز آئیں تو اللہ بخشنے والا اور
مہربان ہے“

(البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۹۔ ”اور اُن سے یہاں تک لڑو کہ ملک میں فتنہ، فساد
باقی نہ رہے، اور اللہ کا حکم چلے (یعنی مسلمانوں کو مذہبی آزادی
مل جائے) پھر اگر وہ (فساد سے) باز آئیں (تو اُن پر کسی طرح کی
زیادتی نہیں کرنی چاہیئے) زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر
روا نہیں ہے۔“ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)

قرآن مجید کی ان آیتوں سے عموماً، اور پچھلی آیت سے خصوصاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ

جنگ، حفاظت خود اختیاری کی بنیاد پر، اور صلح، امن اور مذہبی آزادی کے قائم رکھنے اور فتنہ (ایذارسانی) کے دفع کرنے کے لئے، مجبوراً تجویز کی گئی تھی۔

کفار کی ایذارسانی (فتنہ) کے روکنے سے غرض یہ تھی کہ دین اسلام اُس مذہبی مزاحمت اور زیر دستی سے آزاد اور بری ہو جائے، جو مسلمانوں کو دوبارہ بُت پرستی کی طرف لوٹ آنے کے لئے مشرکوں کی طرف سے عمل میں لائی جاتی تھی، یا عبارت دیگر خالص اور کامل طور پر خدا کا دین ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم کو اپنے مذہب میں آزادی حاصل ہو جائے، کوئی تم کو ایذا نہ دے سکے، اور بُت پرستی اختیار کرنے اور اسلام ترک کرنے پر مجبور نہ کر سکے، اُس وقت تمہارا دین خالص اور آزاد ہوگا، اور تم کو شرک پر مجبور کئے جانے کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔

سورہ ہشتم (انفال) میں بھی اُسی آیت کا اعادہ کیا گیا ہے :-

۳۹۔ ”جو لوگ کافر ہیں اُن سے کہو کہ اگر (شرارت سے) باز آجائیں، تو اُن کے پچھلے قصور معاف کر دئے جائیں گے، اور اگر پھر ایسا کریں گے، تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے، (وہی اُن کا حال ہوگا)۔“

(الانفال ۸- آیت ۳۹)

۳۹۔ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ
يَتُوبُوا يُعْفَرُوا لَهُمْ مَآذٍ سَلَفٌ
وَ اِنْ يَتُوبُوا فَاِنْ لَمْ يَتُوبُوا
فَاِنْ لَمْ يَتُوبُوا فَاِنْ لَمْ يَتُوبُوا

(الانفال ۸- آیت ۳۹)

۴۰۔ ”اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ فساد نہ رہے اور اللہ کا دین پورا پورا چلے (یعنی مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی مل جائے) پھر اگر وہ باز آجائیں، تو جو کچھ وہ کریں گے اللہ

۴۰۔ وَ قَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا
يُكُوْنُوْا فِتْنَةً وَّ يَكُوْنُ الدِّيْنُ
كُلُّهُ لِرَبِّ طَائِفًا اِنْ اَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ

لے بیٹھے تم پر حملہ کرنے اور تم کو ایذا دینے سے باز آجائیں، اور تم کو تمہارے گھروں میں داخل ہونے اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی زیارت سے نہ روکیں۔

لے بیٹھے اگر تم پر دوبارہ حملہ کریں اور جنگ کی ابتدا کریں۔

لے مکران لوگوں سے ہے جنہوں نے بد مذہب شکست کھائی تھی۔ بیضاوی جلد ۳ صفحہ ۳۴ مطبوعہ یورپ ۱۹۳۸ء

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا

(الانفال ۸- آیت ۴۰)

اُس کو دیکھتا ہے (اُسی کے موافق اُن کو جزا دے گا)۔

(الانفال ۸- آیت ۴۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش کے مقابلہ میں صرف اُسی حالت میں جنگ تجویز کی گئی تھی جبکہ وہ باز نہ آئیں، اور صرف اُن کے قتل کے انسداد اور دفعیہ کے لئے تھی، اور جب مزاحمت اور ایذا رسانی دفع ہو جائے، یا باقی نہ رہے، اُس وقت کہا جاسکتا ہے کہ دین اسلام تمام تر خدا کا دین ہو گیا، اور مسلمان خدا کے حقیقی کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور نہیں رہے۔

۳۷۔ سروولیم میور اپنی کتاب کے آخری باب میں، جو آنحضرت م کی صورت

(خلق) اور سیرت (خلق) کے متعلق ہے آپ کے مدنی زمانہ

پریویو (نظر) کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:-

سروولیم میور کی رائے

اور اُن کی لغزش

”مذہبی مزاحمت نے آزادی کی جگہ، اور زبردستی نے ترغیب کی جگہ جلد لے لی۔

”اسلام کا امتیازی نشان اب یہ کلمہ ہو گیا کہ جہاں پاؤں کا فوٹ کو قتل کرو:-

”خدا کی راہ میں لڑو یہاں تک کہ مخالفت چلی جائے، اور دین صرف خدا ہی کا ہو جائے۔“

یہاں سروولیم میور اپنی پہلی رائے سے صریح طور پر اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب کی چوتھی جلد کے صفحہ ۳۷ پر پہلے تسلیم کر چکے ہیں کہ جو طریقہ آنحضرت م نے مدینہ میں اختیار کیا تھا، وہ یہ تھا کہ لوگوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور وہ آہستہ آہستہ بلارا کراہ و اجبار مسلمان ہو جائیں، اور جب آپ فتح مند ہو کر مکہ میں داخل ہوئے، اُس وقت بھی آپ نے اُسی تجویز کے اختیار کرنے کا قصد کیا تھا۔ صاحب موصوف کے الفاظ یہ ہیں:-

”اس تحریک نے آنحضرت م کو زمانہ قیام مکہ کے مختصر کرنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ اس شہر نے خوشی

”سے آپ کے اقتدار کو تسلیم کیا تھا، مگر جملہ باشندگان مکہ نے اس نئے مذہب کو قبول نہیں کیا۔
 ”وہ تھا، یعنی باضابطہ طور پر آپ کے دعویٰ پیغمبری کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ شاید آپ نے اس وقت
 ”بھی اُسی طریقہ پر کاربند رہنے کا قصد کیا، جو مدینہ میں اختیار کیا تھا، وہ یہ کہ لوگوں سے
 ”کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور وہ آہستہ آہستہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہو جائیں۔“

یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر کا ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات ہجرت کے
 گیارہویں سال کے شروع میں ہوئی ہے، پس یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے
 کہ یہ انقلاب جو بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مذہبی مزاحمت شروع کر دی تھی
 کس وقت ہوا؟ اور سر ولیم میور کیسے اور کس بناء پر کہتے ہیں کہ اس انقلاب کا نشان
 اُسی وقت سے ملتا ہے جبکہ آپ مدینہ میں وارد ہوئے تھے؟ یہود کا قبیلہ بنی قریظہ
 جس نے اہل مدینہ کے برخلاف بغاوت کی تھی، اس کے ساتھ ہجرت کے پانچویں
 سال جو سلوک کیا گیا، اُس کی بابت سر ولیم میور یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے
 اُس وقت تک لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کا یا اُس کے قبول کرنے کی وجہ سے
 اُن کو سزا دینے کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ میور صاحب کے الفاظ یہ ہیں:-

”جن مرتجع وجوہات کی بناء پر آنحضرتؐ نے اپنا کام شروع کیا تھا، وہ محض پولیٹیکل (سیاسی)
 ”تھیں، کیونکہ اب تک آپ نے لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنے یا اُس کے قبول نہ کرنے کی
 ”وجہ سے اُن کو سزا دینے کا کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔“

ایک فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں صاحب موصوف یہ رائے اس طرح ظاہر
 کرتے ہیں:-

”آنحضرتؐ اپنے الہامِ وحی میں اب تک اُسی اصولِ مسئلہ کا اعادہ کرتے رہے، جس پر آپ
 ”مکہ میں کاربند تھے، اور وہ یہ تھا کہ ”میں تو عام طور پر وعظ و نصیحت کرنے والا ہوں“

”جیسا کہ باب آمدہ میں دکھایا جائے گا۔“

آگے چل کر سرولیم میپور آنحضرتؐ کے درود مدینہ کے بعد پہلے دو سال کا حل بیان کرتے کرتے (جلد سوم کے صفحہ ۳۲ پر) ایک فٹ نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں اس امر کو ان لفظوں میں تسلیم کرتے ہیں :-

”ہم محمد (صلعم) کے ارادہ میں کوئی ایسی ترقی نہیں دیکھتے جس سے صاف طور پر مفہوم ہوتا ہو کہ آپ دوسروں پر اپنے دین کا بارزبردستی ڈالنا چاہتے تھے۔ فریقین کی موجودہ حالت ”جو اس وقت تھی، ایسی حالت میں اس اصول کا پیش کرنا خطرناک ہوتا۔“

۳۸۔ بیانات مذکورہ بالا سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے قیام مدینہ

رائے مذکور پر مزید بحث کے تین جداگانہ زمانوں میں یعنی پہلے دو سال میں پانچویں

سال میں، اور آٹھویں سال میں، ہر ایک زمانہ کی بابت سرولیم میپور نے خود تسلیم کیا ہے کہ آنحضرتؐ کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ لوگوں سے زبردستی اپنا مذہب قبول کرائیں، اور نہ آپ نے اس امر کا اظہار کیا کہ لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے یا اس کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کو سزا دی جائے اور یہ کہ اہل مدینہ آہستہ آہستہ بلا کر اہل اجبار مسلمان ہوئے تھے، اور یہی طریقہ آپ نے فتح مکہ کے وقت اختیار کیا تھا۔

سرولیم میپور کی یہ رائے کہ ”مذہبی مزاحمت نے آزادی کی جگہ اور زبردستی نے ترغیب کی جگہ بدلے لی“ دعوائے بے دلیل اور ان کی آراء سابقہ کے بالکل خلاف ہے، لہذا اب اس رائے کا کوئی موقع و محل باقی نہیں رہا۔ شہد کے اختتام تک، جبکہ مکہ فتح ہوا، یہ بات مسلم ہے، کہ مسلمانوں کی طرف سے مذہب کو زبردستی منوانے کے لئے کوئی اذیت یا مزاحمت عمل میں نہیں آئی۔ آنحضرتؐ کی وفات ۱۱ھ کے ابتدا میں واقع ہوئی۔ درمیان کے دو سال میں جنگ کا شور و غوغا معدوم ہو گیا تھا، عرب کے تمام اطراف و جوانب سے وفدا اور سفارتیں

آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی شروع ہو گئی تھیں، اور مذہبی مزاحمت یا کسی شخص کے بجز واکراہ دین اسلام قبول کرنے کی ایک مثال بھی موجود نہیں ہے۔

۱۔ سرولیم میور جو آنحضرتؐ پر، بزمانہ قیام مدینہ، مذہبی ایذا رسانی کا الزام لگانے میں نہایت سزگرم ہیں، اُن کو آنحضرتؐ کے وہ سالہ قیام مدینہ کے زمانہ میں، جو واقعات و حوادث سے معمور ہے، مذہبی تعصب یعنی بزرگوار شمشیر مسلمان بنانے کی صرف ایک مثال بہت تلاش اور جستجو کرنے پر دستیاب ہوئی ہے۔ میرا اشارہ سفارت خالد کی حکایت کی طرف ہے یہ سفارت سالہ میں نصارائے بخران کے ایک قبیلہ، بنی حارث کی طرف روانہ کی گئی تھی، یہ لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ صلح کا عہد نامہ کر چکے تھے، اور مسلمانوں نے اس بات کی ضمانت اور ذمہ داری کی تھی اور اُن کو پورا اطمینان دلادیا تھا کہ وہ اپنے دین کی پیروی میں آزاد ہیں۔ سرولیم میور کے بیان کے موافق خالد بن ولید کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اُن کو اسلام قبول کرنے کے لئے دعوت دی جائے، اور اگر انکار کریں تو تین دن کے بعد اُن پر حملہ کیا جائے، اور اطاعت پر مجبور کیا جائے (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۲۲) آنحضرتؐ کے تذکرہ نویسوں نے اس حکایت کا جو حال بیان کیا ہے وہ ایسا لغو ہے کہ اُس کا یقین نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کہ بنی حارث یسے نصارائے بخران نے صرف ایک سال پیشتر سرفہ میں اپنا ایک وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کیا تھا، اور امن و حفاظت کی شرائط آپ سے طے ہو گئی تھیں (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد دوم صفحہ ۲۹۹۔ اور ابن ہشام صفحہ ۲۰۱) سرولیم میور کا یہ عذر کہ بنی حارث دو فرقوں میں منقسم تھے، ایک عیسائی، اور دوسرا بُت پرست، اور یہ کہنا کہ خالد کی یہ کارروائی قبیلہ بنی حارث کے اُس حصہ کے ساتھ عمل میں آئی تھی جو اس وقت تک بُت پرستی کی تاریکی میں پھنسا ہوا تھا، سراسر بے بنیاد ہے، اگرچہ یہ عذر اُن کی عجیب قسم کی زیرکی و ذکاوت پر دلالت کرتا ہے جس کے ذریعہ سے انہوں نے سفارت خالد کی بابت موضوع روایت کی تطبیق اس واقعہ کے ساتھ کر دی ہے کہ بنی حارث نے آنحضرتؐ کے ساتھ، حفظ و امان اور رواداری اور آزادی کا معاہدہ کیا تھا۔

صاحب موصوف ایک نوٹ لکھتے ہیں :-

”میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ خالد کی یہ کارروائی بنی حارث کے اُس قبیلہ کے خلاف عمل میں آئی تھی جو اس وقت تک بُت پرست تھا۔ بہر صورت قبیلہ مذکور کے اس عیسائی حصہ کے خلاف دہشتی جس کے

ساتھ پہلے معاہدہ ہو چکا تھا،“ (سیرت محمدی جلد چہارم افٹ نوٹ صفحہ ۲۲۲)۔

اسلام سے بہت عرصہ پہلے بنی حارث کے عیسائی ہو جانے کا حال ہشامی صفحہ ۲۰۱ و ۲۰۲۔ اور تاریخ گبن باب چہل و دوم صفحہ ۲۰۴۔ فٹ نوٹ ۱۔ اور میور صاحب کی سیرت محمدی جلد اول مقدمہ ۲۲۸ یا ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۲۔ ابن ہشام صفحہ ۹۵۸ ملاحظہ ہو۔

آنحضرتؐ نے قیام مدینہ کے زمانہ میں صبر و تحمل اور ترغیب و تحریص کی اُس پالیسی (مصلحت) سے ہرگز انحراف نہیں کیا، جو اپنی رسالت کی کامیابی کے لئے آپؐ نے (حسب فرمان الہی) قرار دی تھی۔ اور اس اصول کو فی الفور یا کچھ مدت کے بعد کسی وقت میں بھی آپؐ نے تبدیل نہیں کیا۔ مدینہ میں آپؐ نے اُسی فیاضانہ عقیدہ کا وعظ فرمایا کہ دیگر مذاہب کے عقائد کا لحاظ رکھا جائے (یعنی کسی کو زبردستی مسلمان نہ بنایا جائے) اور لوگوں کو بار بار اس امر کا یقین دلایا کہ میں صرف داعظ اور ہادی ہوں اور کھلم کھلا ظاہر کر دیا کہ ہمارے مذہب کی رو سے دین کے معاملہ میں جبر اور زبردستی کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہ آیات قرآنی مدنی ہیں، جو امر زیر بحث کے متعلق مدینہ میں آنحضرتؐ پر نازل ہوئی ہیں :-

۵۹۔ ”بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں (یعنی مسلمان) اور جو یہودی ہیں، اور نصاریٰ اور صابی، ان میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، تو (قیامت میں) اُن کو اُن کا اجر اُن کے پروردگار کی طرف سے ملے گا، اور اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا، اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے۔“

(البقرہ ۲- آیت ۵۹)

۱۹۔ ”اور (اے پیغمبر!) اہل کتاب اور (عرب کے) اُمّی (ناخواندہ) لوگوں سے کہو کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پس اگر اسلام لے آئیں، تو بے شک راہِ راست پر آگئے،

۵۹۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَالَّذِیْنَ هَادُوا وَ النَّصَارٰی وَالصَّابِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ و عمل صالحاً فَاُولٰٓئِکُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہُمْ وَلَا یَخَافُ عَلَیْہُمْ وَاٰہُمْ یُخْرَجُوْنَ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۵۹)

۱۹۔ و قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰتَوْا الْکِتٰبَ وَاِلَّا یَسْمَعُوْا سَلٰتِمُہُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدْ اٰہْتَدَوْا وَاِنْ

تَوَلَّوْا فَاِذَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ

وَاللّٰهُ بِصَبْرٍ بِالْعِبَادِ ۝

(آل عمران ۳- آیت ۱۹)

۹۹- مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

الْبَلَاغُ ۝ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَبَدَّلُوْا

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

(المائدہ ۵- آیت ۹۹)

۵۳- قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ

اَطِيعُوا الرَّسُوْلَ جَعَلَنَ تَوَلَّوْا

فَاِذَا عَلَيْكَ مَاجِلٌ مِّنْكُمْ سَآءَ

مَسْجِدُكُمْ ۝ وَاِنْ اَطِيعُوْهُ فَبِغْضٍ

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

(النور ۲۴- آیت ۵۳)

۲۵۷- لَا اَكْرَاهُ فِي الدِّيْنِ

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ

يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ

فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ

لَا انْفِصَامَ لَهَا ۝ وَاللّٰهُ

اور اگر مومنہ پھیر لیں، تو (اے پیغمبر!) تم پر (احکام الہی کا)

پہنچا دینا ہے، اور میں، اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے

(آل عمران ۳- آیت ۱۹)

۹۹- پیغمبر کے ذمہ صرف (احکام الہی کا) پہنچا دینا ہے

اور جو کچھ تم لوگ کھلم کھلا کرتے ہو اور جو چھپا کر کرتے

ہو، اللہ اس کو جانتا ہے۔

(المائدہ ۵- آیت ۹۹)

۵۳- ”(اے پیغمبر!) لوگوں سے کہو کہ اللہ کی اطاعت

کرو، اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم روگردانی کرو (تو

تبلیغ رسالت کا) جو بار رسول پر ڈالا گیا ہے اس کے

جواب دہ وہ ہیں، اور (اطاعت کا) جو بار تم پر ڈالا گیا ہے اس

کے جواب دہ تم ہو، اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو بہت

پاؤ گے، اور رسول کی ذمہ داری تو صرف (احکام کا) صاف طو

پر پہنچا دینا ہے۔“ (النور ۲۴- آیت ۵۳)

۲۵۷- ”دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں ہے

ہدایت، مگر اہی سے الگ ظاہر ہو گئی ہے، پس

جو شخص جھوٹے معبودوں کو مانے اور اللہ پر

ایمان لائے، تو اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا،

جو ٹوٹنے والی نہیں ہے، اور اللہ سنتا اور

سلہ ایک نام ہے، جس کا اطلاق ایک یا زیادہ جوتوں پر ہوتا تھا، خاص کر ایک ”لات“ اور ”عزسہ“

پر، جو کہ کے قدیم بت تھے۔ (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ یورپ)۔

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

(البقرہ ۲- آیت ۲۵۷)

۸۲- مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ

أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى

كُنَّا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْنِهِمْ حَفِيفًا

(النساء ۴- آیت ۸۲)

جانتا ہے۔“

(البقرہ ۲- آیت ۲۵۷)

۸۲- ”جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت

کی اور جس نے رد گردانی کی تو (اے پیغمبر) اتم سے اس کی

باز پرس نہ ہوگی، ہم نے تم کو ان لوگوں کا پاسبان بنا کر نہیں

بھیجا۔“ (النساء ۴- آیت ۸۲)

۳۹- اسلام کا اعلیٰ نہشی کلمہ ہرگز یہ نہیں تھا کہ ”جہاں پاؤں کا فرد کو قتل کرو“

بلکہ یہ جملہ محض حفظ نفس اور جنگ دفاعی کے موقع پر کہا گیا تھا،

اور صرف اُن لوگوں سے متعلق تھا جنہوں نے مسلمانوں کے

آنحضرتؐ کی جنگوں

کا مقصد۔

برخلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔

آیات سورہ بقرہ ۲- آیت ۱۸۹ اور سورہ انفال ۸- آیت ۴۰، نفع ۷۱ اور نفع ۳۷

میں پہلے نقل ہو چکی ہیں، اور اُن کے سیاق اور مفہوم سے پورے طور پر ثابت ہوتا

ہے کہ یہ آیتیں صرف اُن باشندگان مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کی تاکید کرتی ہیں، جو

مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان آیتوں میں لڑائی کا مقصد ٹھیک

ٹھیک بیان کیا گیا ہے، اور اُن کا مفہوم صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایذا رسانی اور

خانہ جنگیاں موقوف ہوں، مگر سر ولیم میور نے لفظ ”فقتنہ“ کا ترجمہ ”جنگ یا

مخالفت“ کیا ہے۔ خود صاحب موصوف نے اپنی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۷۴ کے تحت

نوٹ (ذیلی حاشیہ) میں اسی لفظ کا ترجمہ ”ایذا رسانی“ کیا ہے، دیکھو آیت:-

۱۰- إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا الْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ الْخ (دبر ج ۸۵- آیت ۱۰)

۱۰- ”وواقعیت وہ لوگ جو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو

ایذا دیتے ہیں“ الخ (دبر ج ۸۵- آیت ۱۰)

لے بیضاوی جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۸ء-۵۷ بیضاوی جلد دوم صفحہ ۳۹۶-

اس آیت میں اصل لفظ فتنوا^{لے} ہے جو لفظ ”فتنہ“ سے مشتق ہے میں نہیں جانتا کہ میسر صاحب ایک ہی لفظ کے جو ایک ہی کتاب میں واقع ہے، خواہ خواہ دو ترجمے کیوں کرتے ہیں، (دیکھو سورۃ یقرۃ آیت ۱۸۷- اور سورۃ انفال آیت ۴۰)۔

باب ہفتم

قرآن مجید کی نویں سورۃ یا سورۃ برآۃ

۴۰۔ سرو لم میسر، قرآن مجید کی بعض آیات سورۃ نهم کا ذکر کرتے ہوئے جو

سورۃ میں حج اکبر کے موقع پر نازل ہوئیں، اور سورۃ مذکور کی ابتدائی سات آیتوں (یعنی پہلی آیت سے ساتویں آیت تک) کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں :-

قرآن مجید کی نویں سورت کا ابتدائی حصہ صرف قریش سے متعلق ہے جنہوں نے نقص کیا تھا

رو یہ آیتیں جو ابھی نقل کی گئی ہیں، دین محمدی کی تکمیل کرنے والی تھیں

جو احکام اس سورۃ میں درج ہیں اور مصالحت ہو جائیکے ان پر جلد آمد نہیں آئی

”جہاں تک کہ اس کا تعلق بت پرست قبائل و اقوام سے تھا۔ صلح کے چند واقعات کو مستثنیٰ کر کے اُن سب لوگوں کے برخلاف جنگ کا ایک عام اعلان کیا گیا، جس میں ”صلح کی کوئی گنجائش نہ تھی“

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ صاحب موصوف اور اُن کے پیروسی غلطی کرتے ہیں کہ سورۃ نهم (براقہ) کی ابتدائی آیتوں کی بابت فرض کر لیتے ہیں کہ وہ دراصل سورۃ کے

لے لفظ ”فتنوا“ ہاضی مطلق کا صیغہ جمع غائب ہے اور اس کا مصدر ”فتنہ“ ہے۔

لے سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۱۱۔

اختتام پر بعد فتح مکہ نازل ہوئی ہیں، اُن کی غرض یہ ہے کہ بُت پرستوں کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاہدہ اور اتحاد تھا، وہ منسوخ سمجھا جائے، حرم مکہ کے اندر اور باہر ہر جگہ اُن سے لڑنے کی اجازت سمجھی جائے، اور یہ کہ جہاں کہیں وہ ملیں اُن کو قتل کیا جائے، اُن کا محاصرہ کیا جائے، اور اُن پر گھات لگائی جائے۔ یہ سورۃ بالعموم نقص عہد کرنے اور ناقابل مصالحت جنگ کا اعلان کرنے سے دراصل کوئی تعلق نہیں رکھتی اور جس موقع کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، اُس موقع پر ابتداءً نازل نہیں ہوئی تھی، قرآن مجید کی سورۃ سہم کی ابتدائی آیتیں، جن کو میں نے ضروری تشریح کے ساتھ فقرہ (۱۷) کے آخر میں تمام وکمال نقل کر دیا ہے، اُن کی شان نزول ابتداءً فتح مکہ سے قبل ہے، جبکہ وہاں کے بُت پرستوں (قریش) نے صلح حدیبیہ کو توڑا تھا۔ اُن کے نقص عہد کا حال آیات ۲، ۸، ۱۰، ۱۳، ۱۴ میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے، اور جن بُت پرستوں نے عہد شکنی نہیں کی، اُن کے عہد ناموں کو پورا کرنے اور اُن کا لحاظ رکھنے کے لئے اُن ہی آیتوں میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے۔ پس جو حملہ آور نقص عہد کے مرتکب ہوئے تھے اور جنہوں نے بنی بکر کے اُس حملہ میں جو انہوں نے بنی خزاعہ پر کیا تھا، دوسرے لوگوں کو مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اٹھانے کے لئے اغوا کیا تھا، ایسے ہی حملہ آوروں کی بابت مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آیات زیر بحث کی اشاعت کی تاریخ سے چار ماہ کے بعد اُن سے لڑیں، اُن کا محاصرہ کریں اور اُن کو قید کر لیں۔ مگر خوش قسمتی سے ایوسفیان نے اشہر الحرم (متبرک مہینوں) کے شروع ہونے سے قبل، اور چار ماہ کی مدت تقضی ہونے سے پیشتر ہی مصالحت کر لی۔ اہل مکہ نے بغیر خونریزی کے اطاعت قبول کی، لہذا یہ امر صاف ظاہر ہے کہ

لے "اسلام اور اُس کا بانی" انبیاء۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ شاہرٹ۔ بی اے صفحہ ۷۹ مطبوعہ لندن ۱۹۷۸ء

بیضاوی جلد اول صفحہ ۷۷ مطبوعہ یورپ ۱۹۷۵ء

قرآن مجید کی سورۃ نہم کے شروع میں جو احکام درج ہیں، اُن کا عمل در آمد کبھی نہیں ہوا۔ وہ ایک ”غیر تعمیل شدہ خط“ کی مانند رہے، اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے۔ جہاں تک مجھے علم ہے تقریباً تمام یورپین مؤرخ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ سورۃ نہم جو عموماً سورۃ براۃ کے نام سے بھی موسوم ہے، اس کی ابتدائی آیتوں کا اعلان آنحضرتؐ نے ۹ھ کے آخر میں کیا تھا۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ اشہر الحرم (متبرک مہینوں) کے آغاز سے پہلے ۸ھ میں غالباً بامہ شعبان اُن کا اعلان ہو چکا تھا، یعنی اُس زمانہ میں جبکہ آنحضرتؐ نے ماہ رمضان میں جانب مکہ کوچ کیا تھا، اور یہ کوچ جنگ کے ارادہ سے نہ تھا، کیونکہ جنگ ماہ ذیقعدہ و ذیحجہ، و محرم کے گزرنے کے بعد واقع ہونے والی تھی۔ اس سے پہلے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی، بلکہ آپ کا عزم اس غرض سے تھا کہ اس مصالحت اور قرارداد کی بنیاد پر جو آنحضرتؐ اور ابوسفیان کے درمیان طے ہو چکی تھی، مکہ پر قبضہ کریں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ قرآن مجید کی سورۃ نہم کی ابتدائی آیتیں ابتداء ۸ھ کے آخری مہینے میں نازل اور شائع ہوئی تھیں، تو اس صورت میں یہ آیتیں بیکار اور بیفائدہ ہوئی جاتی ہیں، بغیر اس کے کہ اُن میں کوئی مقصد و مدعا مضمر ہو۔ ان آیتوں میں اُن ہی لوگوں سے لڑنے کی ہدایات مذکور ہیں، جنہوں نے بعض معاہدوں کو توڑا تھا، مسلمانوں کے مقابلہ میں دوسروں کو مدد دی تھی، اور خود بھی اُن پر حملہ کیا تھا۔ ان آیتوں نے اُن قبائل کے ساتھ اعلان جنگ کیا تھا، جو خون کے رشتوں اور حسن معاہدے کا کچھ لحاظ نہ رکھتے تھے، اور جنہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ابتداً جنگ کی تھی۔ جس زمانہ میں ان آیتوں کے اعلان کا دعوے کیا جاتا ہے۔ ۸ھ کے آخری مہینے میں اور تمام ۸ھ میں اُس زمانہ میں یا اُس کے بعد تمام عرب

میں ایسے اشخاص کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اس زمانہ میں تو تقریباً تمام عرب بطوع و رغبت آنحضرتؐ کا مطیع و فرمان بردار ہو چکا تھا۔

اس تمام مدت میں عرب کے ہر ایک قبیلہ سے مدینہ میں سفارتیں آتی تھیں اور پیغمبر اسلامؐ ان کو حفاظت و حمایت اور دوستانہ سلوک کا اطمینان دلاتے تھے۔ طبل جنگی کی صدا اور قرنا کا شور اس وقت مدینہ سے معدوم ہو چکا تھا۔ اس بنا پر ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیتیں سال نہم کے آخر میں نازل نہیں ہو سکتی تھیں، اور نہ اُس موقع پر نازل ہوئیں جیسا کہ متعدد مؤرخین کا دعویٰ ہے، جن میں مسلمان اور یورپین دونوں شامل ہیں۔ نظر بوجہ مندرجہ بالا آیات مذکورۃ القدر کے نزول کا سب سے زیادہ مناسب موقع و محل وہی ہے جب کہ قریش اور ان کے مددگاروں نے مشہد میں صلح نامہ حدیبیہ کو توڑا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ باہمی مصالحت سے مفتوح ہو گیا۔ بہت سے مسلمان نفس اس امر میں متفق التماسے ہیں۔ لہذا یہ آیتیں جن میں عہد شکنوں اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانے کا حکم ہے، اور نیز یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں وہ ملیں، یعنی خواہ حرم (خانہ کعبہ کی مقدس مسجد) کے اندر یا باہر ان کو تہ تیغ کیا جائے، مگر ان آیتوں کے احکام کی تعمیل اس لئے نہیں کی گئی کہ قریش نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی۔

باب ششم

قریش کے قافلوں کی ادّعیٰ مزاحمت

۲۱۔ مورخین یورپ جنہوں نے آنحضرتؐ کی سیرت لکھی ہے، اس بات قریش کے قافلوں کی ادّعیٰ مزاحمتیں جن کی تعداد (۹) کا دعوے کرتے ہیں کہ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے قریش کے متعدد قافلوں کو جو ملک شام کی طرف آمدورفت رکھتے تھے مزاحمت کر کے تاخت و تاراج کیا۔ بیان کی جاتی ہے۔

یہ ادّعیٰ یوریشین حسب ذیل ہیں:-

(۱) آنحضرتؐ کے وارد مدینہ ہونے سے سات ماہ بعد ایک مہم بسر کردگی حضرت حمزہؓ روانہ کی گئی، جس نے ایک قافلہ پر جس کا سردار ابو جہل تھا، یکا یک حملہ کیا۔

(۲) اس کے ایک ماہ بعد ایک جماعت ابو عبیدہؓ کے ماتحت ایک اور قافلہ کے تعاقب میں جس کا سردار ابوسفیانؓ تھا، روانہ کی گئی۔

(۳) ایک اور مہینہ گزرنے کے بعد ایک تیسری یورش بسر کر دئے سعیدؓ اُس رستہ پر گھات لگانے کے لئے روانہ ہوئی جہاں قریش کے قافلہ کے گزرنے کی توقع تھی۔

(۴) ہجرت کے بارہ ماہ بعد خود آنحضرتؐ نے بمقام ابو اقریش کے ایک

قافلہ کو ٹوٹنے کے لئے ایک چوتھی کوشش کی۔

(۵) اگلے مہینے آنحضرتؐ نے دوبارہ یواط کی طرف کوچ کیا جس سے آپؐ کا مقصد صرف ایک قافلہ کو تاخت و تاراج کرنا تھا، جو اُمیہ بن خلف کی ذاتی خطا میں قیمتی مال و اسباب سے ملوث تھا۔

(۶) دو تین ماہ بعد ایک اور مالدار قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے جو ابوسفیان کی ماتحتی میں شام کی طرف جاتا تھا، آنحضرتؐ عیشیہ کی جانب روانہ ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان تمام مہموں میں مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ ہر مہم میں قافلے اپنی ہوشیاری اور خبرداری کی وجہ سے مسلمانوں کے تعقب سے صحیح و سالم بچ نکلے۔

(۷) ماہ رجب ۳ھ میں کوئی چھ آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو قریش کے قافلہ کی گھات لگانے کے لئے، مقام نخلہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ بمقام نخلہ ان لوگوں کو ایک کشمکش پیش آئی، جس میں قافلہ کا ایک بدرتہ مارا گیا۔ اور دو قیدی مع مال مسروقہ مدینہ کی طرف لائے گئے۔ اس پر آنحضرتؐ بہت ناراض ہوئے اور آپؐ نے عبداللہ بن جحش سے فرمایا، ”میں نے تجھے متبرک مہینے میں روٹنے کا حکم ہرگز نہیں دیا تھا۔“

(۸) قریش کا وہ قافلہ جو مسلمانوں کے تعاقب سے صحیح و سالم راہ میں بچ کر نکل گیا تھا جیسا کہ پہلے نمبر ۶ میں بیان ہو چکا ہے، مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ آنحضرتؐ کو اس کے واپس لوٹ آنے کا اندیشہ تھا اور آپؐ نے حملہ کا ارادہ کیا،

۱۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۷۔ ۲۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۲۔ ۳۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۲۔
۴۔ میں نے ان حیات کے ذکر میں سروہم میور کے بیان کی پوری پوری پیروی کی ہے۔ دیکھو
سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۴۶۔ ۴۹۔
۵۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۵۰۔ ابن ہشام صفحہ ۴۲۵۔

جس کا انجام یہ ہوا کہ بدر کی مشہور لڑائی پیش آئی۔

(۹) کہا جاتا ہے کہ یہ تمام غارتگری کی ٹہنیں جو مکہ کے قافلوں کی مزاحمت کے لئے عمل میں آئیں، ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں یعنی جنگ بدر سے پہلے واقع ہوئی تھیں۔ اب مجھے مسلمانوں کی تاخت و تاراج کی صرف ایک باقی ماندہ مثال بیان کرنی ہے، جو قریش کے قافلہ پر کی گئی، اور مکہ میں بمقام العجص وقوع میں آئی۔ یہ حملہ بالکل کامیاب ہوا۔

۲۲۔ میں پہلے (فقرات ۲۱ لغایت ۲۲ میں) بصراحت بیان کر چکا ہوں کہ

ان حالات میں جو آنحضرت م کے گرد و پیش تھے قافلوں کی مزاحمت ناممکن تھی۔

یہ ابتدائی ٹہنیں جو نمبر ۸ سے نمبر ۸ تک درج کی گئی ہیں، ان کی تائید معتد اور مستند روایتوں سے نہیں ہوتی، اور میں یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ نمبر ۴ و نمبر ۵

نمبر ۶ کی نوعیت کی بابت ظن غالب کیا ہے؟

اُس وقت آنحضرت م اور آپ کے پیرو جس حالت میں تھے اُس کے لحاظ سے لڑائی کی چھیڑ چھاڑ یا لوٹ مار کا حملہ اُن کے لئے ایک امر محال تھا۔ مدینہ کے باشندوں نے جہاں پیغمبر (صلعم) مع اپنے اصحاب کے پناہ گزین ہوئے تھے اور جن کی دعوت پر آنحضرت م اُن کے شہر میں داخل ہوئے تھے، باقرار صالح بذریعہ حلف شرعی اس بات کا عہد کیا تھا، کہ ہم پیغمبر (صلعم) کو آپ کے دشمنوں سے اسی طرح بچائیں گے، جس طرح کہ ہم اپنے عیال و اطفال کو بچاتے ہیں، تاوقتیکہ آنحضرت م خود اُن پر حملہ آور نہ ہوں۔ آنحضرت م نے اُن کے ساتھ یہ مقدم عہد و

۱۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸۔ ۲۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۴۳۔

۳۔ اہل مدینہ نے پیغمبر (صلعم) کو صرف (دشمنوں کے حملہ سے بچانے کا عہد و پیمان کیا تھا، نہ کہ قریش پر حملہ کرنے میں آپ کے ساتھ شامل ہونے کا۔“ دسیرت محمدی از میور جلد سوم صفحہ ۴۲۔ بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۵۸۔

مطبوعہ یورپ ۱۸۴۷ء۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۔ آقائی جلد ۲ صفحہ ۲۰۔

پہچان کیا تھا کہ وہ لوٹ مار نہ کریں، اور تاخت و تاراج کے مرتکب نہ ہوں۔
 نظر ہو جو مسندرجہ بالا، یہ بات محال تھی کہ اہل مدینہ اُن متواتر حملوں اور لوٹ ماروں
 کی اجازت دیتے یا اُن سے چشم پوشی کرتے جو (معتز ضیہ کے خیال کے موافق) آنحضرتؐ
 نے قریش کے قافلوں پر کی تھیں، اور اگر بالفرض پیغمبر (صلعم) یا آپ کے رفقاء میں سے
 بعض اشخاص ایسا کرنے کی جرأت کرتے، تو اہل مدینہ تو آپ کا ساتھ کسی طرح
 دے ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر فرض کر لو کہ اہل مدینہ نے اس امر کی اجازت دیدی
 کہ آنحضرتؐ قریش کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھا کر اُن کے ساتھ اپنی عداوت کا اظہار
 کریں، اور جب آنحضرتؐ نے اُس پاس کے قبائل کے ملوکات و مقبوضات پر
 (معاذ اللہ) مداخلت اور دست درازی شروع کی، اُس وقت بھی اُنہوں نے کوئی
 روک ٹوک نہ کی، اور بلاوجہ خلاف انصاف قافلوں کو ستایا گیا، ان باتوں کو تسلیم
 کر کے میں یہ سوال کرتا ہوں کہ آیا یہ بات ممکن تھی کہ اہل مدینہ اُن مصائبِ آلام
 سے محفوظ رہیں، جن میں اُن کا مبتلا ہونا اس وجہ سے یقینی تھا کہ انہوں نے پیغمبر
 (صلعم) کو پناہ دی تھی؟ انہوں نے عرصہ دراز تک خانہ جنگیوں کے دکھ
 اٹھائے تھے، اور بُعاث کی وہ خونریز لڑائی، جو چند سال قبل وقوع میں آئی تھی
 اور جس نے ملک پر فالج کا سا اثر ڈال کر اہل ملک کو عاجز و ناتوان کر دیا تھا۔ ابھی
 تک اُن کی یاد میں بالکل تازہ تھی۔

۴۳۔ فرض کرو کہ مکہ کے عام قافلوں کی یہ
 قافلوں کی مزاحمت اگر وقوع میں آئی
 ہو تو وہ بطور انتقام تھی۔
 ادعائی مزاحمتیں، مسلمانوں کی طرف سے فی الحقیقت

لے بخاری نے رُوۃ کے معمولی سلسلہ کے ساتھ عبادہ بن صامتؓ سے یہ روایت کی ہے، ”میں اُن نقیبوں میں
 سے ہوں جنہوں نے پیغمبر (صلعم) کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ ہم خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہیں
 کریں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا کے مرتکب نہ ہوں گے، قتلِ عمد کے مرتکب نہ ہوں گے، اور لوٹ مار
 نہیں کریں گے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الغازی - باب وفود انصار)۔

دقوع میں آئیں، جیسا کہ آنحضرتؐ کے تذکرہ نویسوں نے بیان کیا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ تمام مزاحمتیں اہل عرب کے ”قانون بین الاقوام“ یا ”دستور قدیم“ اور اقوام کے ”جنگی قانون“ کی رُو سے حق بجانب نہ تھیں؟ اس امر کا ثبوت قطعی طور پر ہو چکا ہے اور اُس میں کسی بحث و جدال کی گنجائش نہیں ہے، کہ مسلمانوں کو اُن کے ایذا دینے میں، اور نئے دین کے قبول کرنے والوں کو، جبکہ وہ اپنے امن پسند مذہب کے فرائض ادا کرنے میں مصروف تھے، ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچا کر، وطن مالوف سے اُن کو جلا وطن کرنے میں پیش قدمی کرنے والے، اور پہلے حملہ کرنے والے مشرکین مکہ ہی تھے۔

اگر ابتداً جنگ کے ان تمام اسباب کو اور نیز ”قانون بین الاقوام“ اور ”قانون قدرت“ کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ قانون اور انصاف دونوں اس امر میں مسلمانوں کے طرفدار تھے کہ وہ اپنے خان و مان اور مال و متاع کو دوبارہ حاصل کرنے بلکہ اپنے مصائب کا انتقام لینے اور مظالم کی مکافات کرنے کے لئے بھی اپنے ظالموں اور ایذا دہندوں کے ساتھ جنگ کریں، تا وقتیکہ اُن کا وہ مقصد حاصل نہ ہو جس کے طالب وہ عرصہ دراز سے تھے۔ جب خود اہل مکہ نے اول اول مسلمانوں کے خلاف جنگ کا صورت پھونکا، تو حفاظت خود اختیاری کے حق اور نیز جنگی ضرورت نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ دشمن کے مال و متاع کو ضائع کر دیں اور آمد و رفت کے اُن رستوں اور ذریعوں کو روک دیں جن سے اُس کی تجارت کو ترقی ہو رہی ہے، اس لئے کہ ”جب ایک سلطنت دوسری سلطنت کے ساتھ برسر جنگ ہو تو اُسی وقت سے اُس کو بالعموم یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ دشمن کے تمام مال و متاع پر خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور کہیں سے دستیاب ہو، قبضہ کر لے، اور جو مال

متاع اس طرح حاصل ہو، اس کو اپنی ملکیت قرار دے کر خواہ اپنے استعمال میں لائے، یا جن لوگوں نے اس غنیمت کو حاصل کیا ہے اُن کو عطا کر دے۔

باب نہم

ادعائی خونریزیاں

۴۴۔ بعض مجرم، جن سے اسلامی جہوریت کے خلاف سخت بغاوت

ادعائی قتل و خونریزی کی شایں جو مخالف پیش کرتے ہیں۔ ان مجرموں کا قتل اور قتل عمد کی بعض دیگر مثالیں جو معتبر شہادتوں پر مبنی نہیں ہیں، اُن کی بابت آنحضرتؐ کے بعض یورپین تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ یہ خونریزیاں آپ کی منظوری و پسندیدگی یا آپ کی مسامحت اور شہم پوشی کی بدولت وقوع میں آئی ہیں۔ ان کی تعداد پانچ یا چھ ہے، اور اُن کو خونریزی (یا خفیہ قتل) کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ اُن قیدیوں کے مقدموں کی نہ تو کسی جج اور جوہری (پنچایت) کے ذریعہ سے تحقیقات کی گئی اور نہ کسی باضابطہ کورٹ مارشل (جنگی عدالت) کے ذریعہ سے ان ملوم اشخاص کے لئے یا تو پرائیویٹ (شخصی و ذاتی) عداوت کی وجہ سے سزائے موت تجویز کی گئی تھی، وہی گئی یا سلطنت کے خلاف سخت بغاوت کی وجہ سے، جو ایک ناقابلِ معافی مجرم ہے مگر، جیسا کہ میں اس کے بعد ثابت کروں گا، یہ نہیں

لہ ویکھو ویٹن صاحب کی کتاب ”اصول قانون بین الاقوام“ صفحہ ۴۱۹ مطبوعہ باسٹن ۱۸۵۵ء اور لیبر صاحب کی ”تجزیہ مشرق“ اور ”پولٹیکل سائنس جلد دوم صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ فلاڈلفیا ۱۸۸۱ء۔ ۶۔

کہا جاسکتا کہ قتل کی زیر بحث صورتوں کی بابت آنحضرتؐ نے اپنی پوری رضامندی ظاہر کی تھی، یا یہ کہ اُن کا ارتکاب آپؐ کی براہ راست ترغیب اور منظوری سے عمل میں آیا تھا۔

قتل کی یہ ادّعاتی مثالیں حسب ذیل اشخاص کے متعلق ہیں۔ اور جن کی تعداد سات ہے۔

۱۔ عصماء بنت مروان۔ ایک یہودی عورت۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

۲۔ ابو عصفک۔ ایک یہودی۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۹۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۹)

۳۔ کعب ابن اشرف۔ ایک یہودی شاعر۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۱۔ ابن ہشام

صفحہ ۵۲۸)۔

۴۔ سفیان بن خالد ہذلی۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۸۱)۔

۵۔ ابورافع۔ ایک یہودی جس کا پورا نام سلام بن ابی الحقیق نظری ہے جو کعب ابن اشرف کے قتل کے بعد یہودی خیر کا سردار بنا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۱۷۱۲، ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶)۔

۶۔ اُسیر بن زارم۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۸۰۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۶)۔

۷۔ ابوسفیان کے قتل کا اقدام۔ (ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۶۸۔ ابن ہشام

صفحہ ۹۹۲)۔

۸۔ قبل اس کے کہ ان صورتوں میں ہر ایک صورت کی شہادت کی

مسٹر پول کی رائے صد اقت اور عدم صداقت پر رائے دی جائے، اور یہ

دکھایا جائے کہ آنحضرتؐ کو کہاں تک ان باتوں کا علم تھا، میں مسٹر شینلے

لین پول کے ایک اقتباس سے فائدہ اٹھاؤں گا، صاحب موصوف نے مسٹر امی

وڈلیو۔ لین کی کتاب ”انتخاب قرآن“ کے مقدمہ میں جو خود انہوں نے

لکھا ہے، اپنی نظرِ عمیق اور فکرِ صحیح سے، جیسا کہ اُن کا دستور ہے اس خصوصیت میں حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے :-

”چچہ مشہور یہودیوں کا قتل عموماً خونریزی یا خفیہ قتل سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ ہر مجرم درکے قتل کے لئے خفیہ طور پر ایک مسلمان بھیجا گیا تھا۔ اس کی وجہ قریب قریب ایسی مدد یہی ہے کہ اُس کے لئے کسی شرح کی ضرورت نہیں۔ مدینہ میں کوئی پولس، یا قانونی ردعدالتیں، یا جنگی عدالتیں نہیں تھیں، لہذا ضروری تھا کہ محمد (صلعم) کے پیروؤں میں ”سے کوئی نہ کوئی شخص موت کے فتوے کی تعمیل کرنے والا ہو، اور بہتر تھا کہ یہ کام ”چپ چاپ کیا جائے، اس لئے کہ کسی شخص کا گھم گھلا اُس کے قبیلہ کے سامنے درکے قتل کیا جانا ایک نزاع اور زیادہ تر خونریزی و انتقام کا موجب ہوتا، یہاں تک ”کہ تمام شہر اُس فتنہ و فساد میں شامل ہو جاتا۔ اگر ایسے کاموں کے لئے لفظ ”خفیہ قتل“ کا اطلاق ہوتا ہے، تو یہ ”خفیہ قتل“ مدینہ کے اندرونی انتظام سلطنت کا جزو لا ینفک تھا۔ اُن لوگوں کا قتل کیا جانا ضروری تھا، اور اُس کا سب سے ”بہتر طریقہ وہی تھا۔ میں نے اپنے اس قول میں یہ بات فرض کر لی ہے کہ محمد (صلعم) ”کو قتل کے فعل کی اطلاع تھی، اور وہ محض پرائیویٹ (شخصی) انتقام کی صورت نہ ”تھی، مگر جس بنا کی شہادت پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قتل محمد (صلعم) کے حکم سے عمل میں ”آئے تھے، متعدد صورتوں میں وہ شہادت بالکل ناکافی یا اس قدر مشتبہ ہے کہ ہم ”اس کو قابل اعتبار قرار نہیں دے سکے۔“

لے دیکھو ”انتخاب قرآن“ از مسٹر ایڈورڈ ولیم لین، ”مع مقدمہ“ از سٹینٹ لین پول۔ مقدمہ کتاب مطبوعہ ٹروڈنڈ اینڈ کو۔ لندن ۱۸۷۹ء۔

۱۔ عصماء بنت مروان

۴۶۔ میجر اوسبورن لکھتے ہیں کہ:-

عصماء بنت مروان «سب سے پہلی مقتول ایک عورت سماء عصماء دختر مروان تھی»
 «اُس نے پیغمبر صلعم اور آپ کے اصحاب کی بچی میں کچھ اشعار نظم کئے تھے، اور آنحضرتؐ
 نے غضبناک ہو کر علی الاعلان یہ کہا تھا کہ کون شخص مجھے اس عورت سے نجات
 دے گا؟ عمیر نے جو ایک نابینا مگر جوشیلا مسلمان تھا، یہ گفتگو سنی اور اُدھی رات
 کو چپکے چپکے اُس کمرہ میں گھس گیا، جہاں عصماء مع اپنے بچوں کے پڑی سوئی تھی
 مددہ اندھیرے میں ادھر اُدھر ٹٹولنے لگا، یہاں تک کہ اُس کا ہاتھ سوئی ہوئی عورت
 پر پڑا، اور پھر فوراً ہی اُس نے اپنی تلوار اُس کے سینہ میں بھونک دلی»

عربی مؤرخوں نے عصماء کے قتل کی داستان کو مختلف طور پر بیان کیا ہے
 اور جن شہادتوں پر اس داستان کی بنیاد ہے وہ بجاء خود آپس میں ایک
 متناقض اور متضاد ہیں۔ واقعہ، ابن سعد اور ابن ہشام اس
 قتل کی بابت ایک نہایت عجیب بات بیان کرتے ہیں کہ عمیر بن عدی نابینا
 نے اُدھی رات کو اُسے قتل کیا۔ ایک نابینا شخص رات کی سُنسان خاموشی میں
 ایک اجنبی آدمی کے مکان میں گھس کر قتل عہد کا مرتکب ہوا، اور کوئی اُسکو گرفتار
 نہ کرے، (کیا خوب) اڈاکڑ ویل لکھتے ہیں کہ عمیر، عصماء کا پہلا شوہر تھا، اور
 ممکن ہے کہ کینہ دیرینہ اور ذاتی عداوت اس قتل کا باعث ہو۔ ابن عساکر
 اپنی تاریخ میں (دیکھو سیرت شامی) بیان کرتا ہے کہ عصماء، میوہ فروش تھی، اُس

لے اسلام زیر حکومت عرب از آر۔ وی اوسبورن صفحہ ۶۰ مطبوعہ لندن ۱۸۷۳ء

لے «سیرت شامی» جس کا پورا نام «سبل المدنی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد» ہے شیخ (دیکھو صفحہ ۷۶)

کے قیدی کے کسی شخص نے اُس سے پوچھا ”تمہارے پاس عہدہ ترپھل بھی ہیں؟“ اُس نے کہا ”ہاں“ اور یہ کہہ کر اپنے گھر میں داخل ہوئی، وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ عصماء کچھ لینے کے لئے نیچے جھکی، اُس شخص نے چپ و راست مڑ مڑ کر نظر کی اور یہ دیکھ کر کہ کوئی پاس موجود نہیں ہے، ایک سخت ضرب اُس کے سر پر لگائی اور اس طرح اس کا کام تمام کیا۔

۴۷۔ مؤرخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عصماء کے مصنفہ اشعار سے ناراض ہو کر عمیر بن عدی نے بذات خود اپنی مرضی اور خواہش سے اس کے قتل کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ حسد یا نفرت کی وجہ سے اپنے قاتل کی تلوار کی ہیٹ چڑھی ہو، مگر اس کے قتل سے درحقیقت آنحضرتؐ کا مطاع کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اہل مدینہ کو دھوکا دے کر مسلمانوں کے ایک عہد نامہ کو ڈرے جانے کا باعث ہوئی تھی، جس کے ذریعہ سے یہودیوں اور مسلمانوں کے حقوق اور حدود کا قطعی فیصلہ ہو گیا تھا، اسی لئے وہ اپنے ہاتھوں قانون کی حفاظت سے بری ہو گئی تھی۔

ابن اسحاق اس بارہ میں خاموشی سے گزر جاتا ہے، اور عصماء کے متعلق کسی معاملہ کا ذکر تک نہیں کرتا۔ و اقدی اور ابن سعد یہ نہیں بیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابو عبد اللہ محمد بن یوسف الرشقی متوفی ۹۷۷ھ کی تصنیف ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ مصنف نے تین سو سے زیادہ کتب تصانیح کا خلاصہ اس کتاب میں درج کیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ نایاب کتاب اب تک نہیں طبع ہوئی اور اب تک علمی دنیا اس کے فائدہ سے محروم ہے۔ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ حیدر آباد میں بھی مولوی حسن المذہبان صاحب کے پاس اس کی ایک نسخہ ہے۔ اور لکھنؤ میں مولانا حامد حسین صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک ناقص حصہ موجود ہے۔ غالباً مصنف مرحوم نے زمانہ قیام لکھنؤ اس نسخہ سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۲۷ مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۵ھ دفترست کتب خانہ ریاست رامپور صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ ۱۹۹۷ء۔ فی سیرت کتاب (حیدر آباد دکن ۱۹ فروری ۱۹۹۷ء) لکھ دیکھو اقدی کی کتاب مغازی صفحہ ۱۷۲ و ۱۷۳ مطبوعہ کلکتہ، بیسٹسٹ مشن پریس، باہتمام اسے۔ وان کیرم۔ (ابن ہشام صفحہ ۹۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۷ء۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

کرتے کہ آنحضرتؐ نے عصماء کے اشعار سے جن میں اسلام کی توہین کی گئی تھی، تنباک اگر آزدگی سے یہ جملہ کہا کہ ”اس عورت سے کون مجھے رہائی دے گا؟“ برعکس اس کے واقف می لکھتا ہے کہ عمیر نے خود اپنی مرضی سے اُس کی جان لینے کی قسم کھائی تھی۔ صرف ابن ہشام نے، بغیر کسی سند اور حوالہ کے، یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے عصماء کے اشعار سن کر یہ ظاہر کیا کہ ”کیا بہت مروا سے میرے لئے (یعنی مجھے اُس کے شر سے رہائی دینے کے لئے) کوئی نہیں ہے؟ حکایت مذکور کے اس مضمون کی تصدیق قدیم ترین مؤرخوں کی تائیدی شہادت سے نہیں ہوتی، اور ہم اُس پر کسی طرح کا اعتماد کرنے کے لئے مائل نہیں ہیں۔

۲۔ ابو عفاک

۴۸۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابو عفاک نے جو قبیلہ بنی عمرو سے تھا، مسلمانوں کی سلطنت کے خلاف عداوت اور بغاوت کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں کو عقد دلایا تھا، یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ ایک شخص مسٹے حارث بن سوید اس جرم پر قتل کیا گیا، کہ اُس نے اپنے ایک رفیق کو ایسی حالت میں کہ وہ دو نول کر پہلو بہ پہلو جنگ اُحد میں دشمنوں سے لڑ رہے

۱۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۸۔ ۲۔ واقعی صفحہ ۱۷۲۔ طبع کلکتہ ۱۸۵۶ء۔

۳۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ

”ہشامی میں لکھا ہے کہ محمد (صلعم) نے عصماء کے اشعار سے دق ہو کر علی الاعلان یہ کہا کہ اس عورت سے کون مجھے رہائی دے گا؟“

مگر ابن ہشام میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ ”علی الاعلان“ کیا جاسکے۔ ابن ہشام صفحہ ۹۹ مطبوعہ ۱۸۵۶ء۔ ۴۔ اصابع جلد ۳ صفحہ ۶۲۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۰۔

تھے، مار ڈالا تھا۔ بنی عمرو کے ایک مسلمان نے ابو عصفک کے قتل کا عہد کیا، اور
 ایک ایک اُس پر حملہ کر کے اپنی تلوار کی ایک بیرحمانہ ضرب سے اُس کا کام تمام کر
 دیا۔ ابن اسحاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ابو عصفک
 کی بابت کہا تھا کہ ”اس موزی سے کون مجھے نجات دے گا؟“

یہ مؤرخ اس بات کی سند یا مآخذ بیان نہیں کرتے، وہ یہ نہیں بتاتے کہ
 اُن کو کس ذریعہ سے اُن الفاظ کی اطلاع حاصل ہوئی، جو آنحضرتؐ کی طرف منسوب
 کئے جاتے ہیں کہ آپؐ نے ابو عصفک کی نسبت اپنے اصحاب کی روبرو فرمائی
 تھی، اس کے ساتھ ہی یہ امر مقتضائے انصاف نہیں ہے کہ ابن اسحاق
 اور دیگر مؤرخین جن سے اپنے دعوے کے اصلی مآخذ بتانے میں فروگزاشت
 ہوئی ہے، اُن کی شہادت کی تحقیق و تنقید اور موازنہ کئے بغیر ہی اس معاملہ میں
 جلدی سے بلا غور و خوض کوئی رائے قائم کر لی جائے۔ قطع نظر اس کے جو الفاظ
 اوپر نقل کئے گئے ہیں، وہ قطعی حکم کے مرادف نہیں ہیں، اور اس آخری شرط
 (قطعی حکم) کو مان لینے کے بعد بھی اُن کا مفہوم ”قتل و خونریزی“ قرار دینا
 صحیح نہیں ہے۔ سمر و لیم میور لکھتے ہیں کہ ”ابن سعد صاف کہتا ہے کہ یہ فعل
 پیغمبرؐ کے حکم سے عمل میں آیا تھا۔“ (جلد سوم صفحہ ۱۳۲۔ فٹ نوٹ)۔ مگر کاتب مذکور
 (یعنی ابن سعد) یا دیگر مؤرخین کے لئے اپنے وہم اور تخیل سے آزادانہ طور پر
 کام لینا، یا نہایت کمزور بنیاد پر خواہ قطعاً بغیر کسی معقول بنیاد کے ایسے احکام

۱۔ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲ و ۹۹۳ و ۱۸۲۔

۲۔ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲۔ واقعہ نے یہ جملہ نہیں لکھا۔ برعکس اس کے وہ یہ کہتا ہے کہ سالم بن
 عمیر نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ابو عصفک کو قتل کرے یا مر جائے۔ واضح ہو کہ ابن سعد کی بھی یہی رائے
 ہے اور یہی الفاظ ہیں جو واقعہ نے بیان کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۹۔
 مطبوعہ بریل ۱۹۰۹ء۔

اپنے دل سے گھڑ لینا، جو آنحضرتؐ نے ہرگز نہیں دئے، بہت آسان بات ہے۔
 مذکورہ نویسیوں کا میلان ہمیشہ اس امر کی طرف ہے کہ امر واقعی سے قطع نظر کر کے
 اصحاب رسولؐ کو اُن کی ذمہ داری سے سبکدوش کیا جائے، اور کل الزام
 آنحضرتؐ کے ذمہ ڈال کر اصحاب کے افعال کو حق بجانب قرار دیا جائے۔

۳۔ کعب بن اشرف

۲۹۔ کعب بن اشرف ایک با اثر یہودی تھا، اور قبیلہ بنی نضیر
 کعب بن اشرف سے تعلق رکھتا تھا۔ جنگ بدر میں اہل مکہ کی شکست سے
 سخت برا فروخت ہو کر وہ تھوڑے عرصہ بعد مکہ کو روانہ ہو گیا، اور اُس نے قریش
 کو مسلمانان مدینہ سے انتقام لینے کے لئے جوش دلایا۔ مدینہ واپس آ کر علانیہ
 اسلامی جمہوریت سے اظہارِ عداوت کیا۔ وہ ایک دغا باز اور زمانہ ساز
 آدمی تھا، کیونکہ اُس نے نہ صرف مسلمانوں کی وفاداری سے انحراف کیا، بلکہ اُن
 کے دشمنوں کے درمیان بغاوت کا وعظ بھی کیا۔ ایسی حالتوں میں وہ قانون
 جنگ اور قانون بین الاقوام کی رو سے قتل کا مستوجب تھا، اور اسی
 لئے مدینہ میں اُس کا سر قلم کیا گیا تھا۔ طریقہ قتل یہ تھا کہ ایک ناگہانی حملہ یا
 دھوکے سے اس کا کام تمام کیا گیا، مگر آنحضرتؐ نے نہ تو اُس کے خفیہ قتل
 کے لئے اور نہ قتلِ عمد کے لئے سخت احکام ہرگز جاری نہیں کئے۔ وہ اپنی
 دغا بازی کی وجہ سے سزاے موت کا سزاوار تھا، اور ایسے
 وقت جبکہ چوری (پنچاپت) کے ذریعہ سے مجرموں کی سزا دہی کے لئے کوئی
 قانونی عدالت موجود نہ تھی، یہ سزا باضابطہ طور پر اس کو دی گئی، کیونکہ اُس
 صورت میں قانونی سزا کے عمل میں لانے کے لئے ہر شخص مجاز تھا۔ اگر اس امر کو

تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے یہ دُعا کی تھی کہ ”اے پروردگار! ابن اشرف کی علانیہ بغاوت اور اس کے اشعار کی وجہ سے کسی طریقہ سے جو تیرے نزدیک عمدہ ہو، مجھے ابن اشرف سے نجات دے“ یا یہ فرمایا تھا کہ کون شخص ابن اشرف کے ہاتھ سے مجھے آرام دے سکتا ہے؟“ تو بھی یہ الفاظ قتل یا قتل عمد کے حکم کی حد تک نہیں پہنچتے، اور قتل مخفی کا مفہوم تو کسی طرح بھی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۰۔ جن راویوں اور مؤرخوں نے آنحضرتؐ کے عرواات کا حال قلمبند کیا

کعب کے قتل میں آنحضرتؐ ہے، وہ بالعموم ایسے واقعات کے متعلق غلط اور غیر معتبر

کی کوئی شرکت نہیں ہو سکتی تھی تفصیل بیان کرتے ہیں، جو ہرگز لائق اعتماد نہیں ہیں

سب سے قدیم مؤرخ محمد بن اسحاق جس کی تصنیف موجود ہے، یہ

نہیں بیان کرتا کہ پیغمبر (صلعم) نے کعب سے نجات پانے کے لئے کبھی دعا کی۔ یا

اپنے اصحاب سے اس امر کا ذکر کیا، حالانکہ سب سے پچھلے مؤرخ اور راوی

ہم کو یہ بتاتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اپنے خاص حکم سے کعب کے قتل کی منظوری دے

دی تھی۔

سرولیم میور کہتے ہیں :-

”میرا یہ دعوئے ہرگز نہیں سہے کہ بیان مذکورہ بالا کی ہر ایک تفصیل خواہ وہ محمد (صلعم)

در کی ترغیب کی بابت ہو یا قاتلوں کے قریب کی بابت شک و شبہ سے بری ہے۔ اس قسم کے

”تماشوں کے ایکڑ (نقال) ایسے نہیں تھے کہ اپنی کارگرداریوں کی غلطی بڑھانے اور اُن

در کی شان و شوکت دکھانے کے لئے اُن کو راستی سے دست بردار ہونے میں کچھ تامل ہوتا

”محکم ہے کہ اُن کی خواہش یہ بھی رہی ہو کہ دغا بازی کے ایسے نعل کو جس پر اُس زمانے کا

”ادنے درجہ کا خلاق بھی چونکا اٹھتا تھا، صحیح قرار دینے کے لئے اُس کی ذمہ داری کا بار معصوم پیغمبر پر ڈال دیا جائے۔ مگر ان دونوں باتوں کی اہمیت کا باقاعدہ طور پر لحاظ رکھنے کے بعد بھی، اس معاملہ میں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی وجہ باقی رہتی ہے۔ کہ یہ رقتل بدترین صورت سے وقوع میں آیا، اور خود محمد (صلعم) نے بذات خود اُس کی حمایت کی، یا یوں کہو کہ ترغیب دی۔“

اس بارہ میں کوئی قوی شہادت موجود نہیں ہے، جس کی بناء پر کعب کے قتل کے لئے آنحضرتؐ کی ترغیب کا ثبوت دیا جاسکے۔ قتل کعب کی داستان کا دار و مدار سب سے بڑھ کر اُن روایات پر ہے جو جابر بن عبد اللہؓ اور ابن عباسؓ سے بوساطت عکرمہؓ مروی ہیں۔

ان میں سے کوئی شہادت بھی معتبر نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ لوگ نہ تو عینی گواہ ہیں، نہ انہوں نے آنحضرتؐ کو قتل کی ترغیب دیتے یا حمایت کرتے سنا ہے، اور نہ یہ اپنی روایت کا حوالہ اور سند بیان کرتے ہیں۔ جابر بن عبد اللہؓ اس وقت لڑکے ہی تھے۔ اُن کو بوجہ اُن کی کمسنی کے جنگ احد میں بھی شریک ہونے کی اجازت نہیں دی گئی، جو کعب ابن اشرف کے قتل زیر بحث کے بعد وقوع میں آئی تھی۔ ابن عباسؓ جابر سے بھی زیادہ کم سن تھے، اور اس کے علاوہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے، اُس وقت وہ مکہ میں مقیم تھے۔ عکرمہؓ ابن عباسؓ

۱۔ سیرت محمدی از سر ولیم بیور، جلد سوم۔ صفحہ ۱۲۷-۱۲۸۔

۲۔ دیکھو بخاری کتاب مغازی اور مسلم کتاب الجہاد۔

۳۔ محمد بن سعد کا تب و ائدی اور محمد بن اسحاق۔ محمد بن اسحاق نے ابن ہشام میں صفحہ ۵۵ پر روایت کی ہے۔
۴۔ دیکھو اصحاب فی فنیذ اصحابہ (یعنی اصحاب رسول کی سوانح عمری کا لغت) از ابن حجر عسقلانی حصہ اول نمبر ۱۰۲ صفحہ ۴۳۴، طبع کلکتہ۔

۵۔ اس وقت ابن عباسؓ کی عمر صرف پانچ سال کی تھی، اور وہ مکہ میں تھے۔ اسی وجہ سے اس معاملہ میں اُن کی شہادت نہیں ہو سکتی۔

کا غلام تھا، اور جھوٹی روایتیں اور حدیثیں بنانے کا عادی اور اس وجہ سے
بدنام تھا۔

۴۔ سفیان بن خالد ہمدانی

۵۱۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ سے مدینہ میں جو انقلاب واقع
سفیان بن خالد ہمدانی ہوا اُس کے بعد عرب کے مختلف مقامات میں بڑے بڑے مجمع
ہوئے۔ بنی لحيان اور دیگر قبیلہ و جوار کے قبائل اپنے سردار سفیان بن
خالد ہمدانی کے بھنڈے کے گرد، بمقام حُرمہ جمع ہوئے اور اس امر کا مصمم ارادہ
کر لیا کہ اس موقع کو جبکہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ اُلٹ گیا
ہے، اور وہ شکست کھا چکے ہیں، ہرگز ہاتھ سے نہ دیا جائے۔
سروِ لہیم میوڑ کہتے ہیں کہ:-

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ سمجھ کر کہ اُن کی حرکات کا دار و مدار سفیان پر ہے عبد اللہ بن
”اُنہیں کو اُس کے قتل کی ہدایات دے کر روانہ کیا۔“

قاصد یہ حکم پا کر اس خدمت کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہوا۔ جس کی تکمیل
اُس نے اس طور پر کی کہ یکایک بلا اطلاع سفیان کو قتل کر ڈالا۔ قتل کی
”ہدایات“ کی بابت نہ تو ابن اسحاق نے کچھ لکھا ہے، اور نہ ابن ہشام
اور ابن سعد نے۔ ممکن ہے کہ عبد اللہ بن اُمییس کو سفیان اور اُسکی

سلف نجی بن سعید الانصاری، علی بن عبد اللہ بن عباس، ابن المسیب، عطاء، ابراہیم بن میسرہ، محمد بن سیرین
قاسم، اور عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عکرمہ دروغ گو تھا (دیکھو میزان الاعتدال ذہبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)،
کو کب واری شریح صحیح بخاری از شمس الدین کرمانی، اور حُرُوفُ النواع علم حدیث از ابو عمر الشافعی)۔
مسند ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۵۔ ابن ہشام صفحہ ۹۸۱ +
سلف سیرت صحیحی از سروِ لہیم میوڑ جلد سوم صفحہ ۲۰۰۔

فوج کی نقل و حرکت کے ملاحظہ کے لئے یا اس کی بابت خبر لانے کے لئے بھیجا گیا ہو، مگر یہ بات فرض کر لینے کے بعد بھی کہ آنحضرتؐ کا فرض منصبی سفیان کا قتل کرنا ہی تھا ایسا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ آپؐ نے اُس کو قتل کی تعلیم دی تھی۔

۵۲۔ اہل عرب کے درمیان تعلقات جنگ میں سلطنتوں کا قانون بین الاقوام

سفیان کا قتل متذکرہ بالا اور زمانہ قدیم کا جنگی قانون اور دستور، بلکہ یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ گزشتہ صدی عیسوی کا یورپ

قانون بین الاقوام بھی، اس وسیع اصول کو جائز قرار دیتا تھا کہ ”جنگ میں دشمن کے برخلاف جو کچھ بھی کیا جائے، جائز ہے، اُس کو قتل کیا جاسکتا ہے، اگرچہ وہ نہتہ اور بے پناہ ہو، اُس کے مقابلہ میں دھوکے کا برتاؤ کر سکتے ہیں، اُس کو زہر بھی دے سکتے ہیں، یہاں تک کہ اُس کی جان و مال پر نہایت ہی غیر محدود حق حاصل ہو جاتا ہے۔“ جنگ کی حالت میں خیانت یا بد عہدی کے سوا دشمن کے ساتھ ہر قسم کا دھوکا کرنے کی اجازت تھی۔ بنگر شوک جس نے قانون بین الاقوام کی بابت لکھا ہے اور جو ٹیٹل ارف کا جانشین اور ولف اور ویٹیل کا پیشرو ہے۔ اس بحث پر یہ لکھتا ہے کہ :-

”صرف خیانت یا بد عہدی کو چھوڑ کر میں ہر قسم کے دھوکے کو جائز رکھتا ہوں، نہ اس لئے کہ

”دشمن کے مقابلہ میں کوئی امر ناجائز ہے، بلکہ اس لئے کہ جب دشمن سے ہمارا عہد پیمان

”ہو جائے تو جہاں تک کہ اُس وعدہ کا تعلق ہے، اُس پر دشمن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔“

سفیان کے معاملہ میں کوئی خیانت یا دغا بازی یا بد عہدی

لے ”اصول قانون بین الاقوام“ از مہتری ویٹیل۔ یل۔ ڈی ملیج ششم منجانب ولیم بیچ لائرس مطبوعہ پاریس ۱۸۵۵ء۔ حصہ اول باب اول صفحہ ۴۷ جس پر بنگر شوک کا قول نقل کیا گیا ہے، اور صفحہ ۴۱۶ پر بنگر شوک اور ولف کا قول نقل کیا گیا ہے۔

لے ایضاً باب دوم صفحہ ۴۷۔

نہیں ہوئی تھی، اور نہ آنحضرتؐ نے اُس کے قتل کے لئے کوئی اجازت دی تھی۔ اگر عبداللہ ابن ابیس کا بھیجنا ثابت ہو جائے (مگر یہ امر ثابت نہیں) تو آنحضرتؐ نے اُس کو سفیان کے مقابلے میں جو جنگ کی تمام تیاریاں کر چکا تھا اور متعدد بدوی قبائل کو آنحضرتؐ پر حملہ کرنے کے لئے جمع کر چکا تھا اُس لئے بھیجا تھا کہ اُس سے رو کر اُس کو قتل کرے۔ یہ ایک سیدھا اور راست بازانہ طریق عمل تھا جو قاذن جنگ کے دستور کے مطابق جائز تھا۔ آنحضرتؐ نے صاف اور صریح طور پر خیانت۔ فریب اور خفیہ قتل کی ممانعت کی تھی ایک موقع پر اپنے سپہ سالاروں اور سپاہیوں کو ایک جنگی مہم پر روانہ کرتے وقت آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ:-

”و دغا بازی اور خیانت نہ کرنا، مقتولوں کی لاشوں کو پارہ پارہ نہ کرنا (ٹٹلہ) اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔“

آپؐ نے ایک زہریں اصول بھی معین فرما دیا تھا کہ:-

”ایمان خونریزی (یا خفیہ قتل) کا مانع ہے۔ کسی مومن کو خونریزی کا مرتکب نہ ہونا چاہیے۔“

۵۔ ابورافع

۵۳۔ ابورافع جو سلام بن ابوالحسین نضری کے نام سے بھی مشہور

ابورافع ہے۔ بنی نضیر کا سردار تھا اُس نے مدینہ میں مسلمانوں سے جنگ کی تھی، اور خیبر کی طرف جلا وطن کیا گیا تھا۔ جنگ احزاب میں اکثر بدوی

مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے جمع کرنے میں اُس نے نمایاں حصہ لیا، جبکہ اُنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ بعد ازاں اُس نے بنی قریظہ اور دیگر بدوی قبائل کو مسلمانوں پر چھاپا مارنے اور لوٹ مار کرنے کے لئے جوش دلایا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اُس کو مناسب سزا دینے کے لئے روانہ کی گئی، جس کے ہاتھوں وہ مارا گیا مگر اُس کے قتل کے بیانات تناقض اور اختلافات سے مملو ہیں۔ تاہم ان مختلف حکایتوں میں سے کسی میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ آنحضرتؐ نے ابو رافع کے خفیہ قتل کا حکم دیا ہو، ابن اسحاق نے تو ابو رافع کا ذکر مطلق نہیں کیا۔ ابن ہشام لکھتا ہے کہ:-

”ابو رافع فوج احزاب کو آنحضرتؐ کے مقابلہ میں لایا تھا، اور قبیلہ خزرج کے بعض اشخاص نے اُس کے قتل کی اجازت طلب کی تھی، اور آنحضرتؐ نے اُنکو اجازت دیجی“ سر ولیم میور بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اُن کو حکم دیا تھا کہ ”ابو الحقیق کا کام تمام کر دیا جائے“ مگر کاتب واقفی (ابن سعد) جس کی صاحبِ موصو پیروی کرتے ہیں، صرف اس قدر لکھتا ہے کہ ”آپ نے اُس کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا“ ابن سعد کے اصل الفاظ یہ ہیں ”وامرهم بقتله“ ”کسی شخص کا کام تمام کر دینا“ پوشیدہ قتلِ عمد کا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ جو خفیہ قتل یا خونریزی“ کا مرادف ہے، مگر اصل کتاب کے الفاظ کا مفہوم ایسا نہیں ہے۔ ایک جماعت کو دشمن کے قتل کرنے یا اُس سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کرنا، دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے، اور ایسا

۱۔ سیرت محمدی (بربنائے محمد ابن اسحاق) از عبد الملک ابن ہشام صفحہ ۷۱۲ - اور ابن اثیر جلد ۲

صفحہ ۱۱۲ -

۲۔ سیرت محمدی از سر ولیم میور جلد چہارم صفحہ ۱۲ - ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۷۲

نفل جنگی قانون یا قانون بین الاقوام کے بموجب جائز ہے، کیونکہ عرب کا طریقہ جنگ اکثر یہ تھا کہ ایک آدمی سے ایک ہی آدمی لڑتا تھا۔

۶۔ اُسیر بن زارم

۵۴۔ اُسیر بن زارم جو بنی نضیر کا سردار تھا، مسلمانانِ مدینہ سے سخت اُسیر بن زارم عداوت رکھتا تھا، اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ایک مخالف

قبیلہ یعنی بنی غطفان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ اس قبیلہ کی طرف سے مدینہ پر تاخت و تاراج کرنے کی غرض سے شُرعت کے ساتھ تیاریاں کی گئیں، اور اُسیر اس مہم کا ہیرو (سردار) قرار دیا گیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اُس قتلہ انگیز باغی کو مدینہ میں لے آنے کا کام عبد اللہ بن رواحہ اور بعض دیگر اشخاص کے سپرد کیا، اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر عبد اللہ بن نضیر (صلعم) کی خواہش کے مطابق اُسیر کو سمجھا کر لے آئے تو اُس کو یعنی (اُسیر بن زارم) کو چیمبر کا گورنر (حاکم) بنایا جائے گا، اور اُس کے ساتھ نمایاں اعزاز و اکرام کا برتاؤ کیا جائے گا۔ اُسیر نے حکم کی تعمیل کی اور مع اپنے ہمراہیوں کے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ عبد اللہ

بن نضیر اُسیر بن زارم کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ ۹۸۔

۵۵۔ چونکہ نضیر اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا اس لئے نہ تو آنحضرتؐ ایسا وعدہ کر سکتے تھے اور نہ یہودیوں کو اس بات کے یقین کرنے کی ترغیب ہو سکتی تھی اس لئے یہ داستان غلط ہے خلیفہ سید محمد حسن صاحب مرحوم نے اپنی کتاب اعیان النبیؐ صفحہ ۹۹ طبع ۱۳۳۵ھ اور سید احمد خاں مرحوم نے اپنی تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۸۹ طبع ۱۳۰۶ھ میں غلط لکھا ہے کہ اُسیر بن زارم حکومتِ خیبر کے لالچ کی وجہ سے عبد اللہ بن رواحہ کے ساتھ مدینہ آئے پر راضی ہو گیا، تاہم سب سے ثابت ہے کہ اُسیر بن زارم مشاغلِ شہر میں قتل ہوا، اور خیبر جلدی الاول ۱۱ھ میں فتح ہوا۔ یعنی قتل اُسیر بن زارم کے ایک سال کے بعد۔ ایسی حالت میں آنحضرتؐ اُسیر بن زارم کو ایسی حکومت کا لالچ کیونکر دے سکتے تھے کہ جو ہنوز ان کے قبضہ میں نہیں آئی تھی۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۶ و ۷۷ طبع یورپ ۱۹۰۹ء اور ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۶۵۔ طبع یورپ ۱۸۶۷ء)۔

بن اُنیس اور اُسیر ایک ہی اُونٹ پر سوار تھے۔ ابھی چھ میل بھی نہیں چلے تھے کہ اُسیر اپنی روانگی مدینہ کے ارادہ پر پشیمان ہوا، اُس نے عبداللہ کی تلوار کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا، عبداللہ نے اُونٹ سے کود کر اُسیر کی ٹانگ کاٹ ڈالی، اُس نے بھی اس اثناء میں اپنے ڈنڈے سے جس سے اُونٹ کو ہانک رہا تھا عبداللہ کے سر کو زخمی کیا۔

اب خواہ اُسیر خفیہ طور پر قتل کیا گیا ہو، یا دغا سے مارا گیا ہو، خواہ اس نے فریب کا ارادہ کیا ہو، اور عبداللہ نے حفاظت خود اختیاری کے طور پر اُس کو قتل کیا ہو، خواہ کچھ ہی صورت ہو اُسیر کی موت کے بیان میں یقیناً کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ آنحضرتؐ نے اُس کو ”خفیہ پیغام دے کر اُس یہودی سردار کا کام تمام کرنے کے لئے بھیجا تھا۔“ جیسا کہ سر ولیم میور تصریح کرتے ہیں۔ قدیم ترین مؤرخین مثلاً ابن اسحاق نے اس حکایت کو بیان کیا ہے، اور زمانہ مابعد کی روایات غیر مطابق یکطرفہ، اور ناقص ہیں۔ باوجود ان غلطیوں کے کسی بیان سے ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُسیر کو قتل کرنے یا اُس سے لڑنے کے لئے احکام جاری کئے گئے ہوں، اور خفیہ طور پر قتل کرنے کا تو احتمال بھی نہیں ہے۔

۷۔ اقدام قتل ابوسفیان بن حرب

۵۵۔ ابوسفیان نے آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کرنے کے لئے ایک بدوی

اقدام قتل ابوسفیان عرب کو مدینہ روانہ کیا تھا۔ اس قاتل کی بدبختی کا پتہ لگ گیا۔

۱۵ ابن ہشام صفحہ ۹۸۰-۹۸۱ + ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۶۔

۲۵ میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۷۳-۱۷۴۔ حیون الاثر صفحہ ۲۵۷ نسخہ قلمی کتب خانہ آصفیہ

نمبر ۶۷ فن سیر ملاحظہ ہو۔

اور جس غرض سے وہ آیا تھا، اُس نے اُس کا اقرار کر لیا۔ ابن سعد کا تب
واقدی نے بیان کیا ہے کہ:-

»آنحضرتؐ نے اسی وجہ سے عمرو بن اُمیہ ضمری کو ابوسفیان کے قتل کے لئے
بھیجا تھا۔«

ہشامی کے قول کے موافق آنحضرتؐ نے حبیب بن عدی اور اس
کے رفقاء کے قتل کا براہ راست انتقام لینے کے لئے جو بمقام رجیع قتل کئے گئے
تھے، عمرو بن اُمیہ ضمری کو ابوسفیان سے لڑنے اور اُس کو قتل کرنے
کی غرض سے مامور کیا تھا۔ اب ابن اسحاق اور واقدی اس بارہ میں بالکل
خاموش ہیں، ابن ہشام قتل کی بابت کچھ ذکر نہیں کرتا۔ صرف ابن سعد
کا تب واقدی نے یہ روایت درج کی ہے کہ آنحضرتؐ نے قتل ابوسفیان کا حکم
دیا تھا، جس سے زمانہ مابعد کے مؤرخوں نے نقل کیا ہے۔ اس روایت کی
تقویت کے لئے کوئی خالص اور بے لوث شہادت موجود نہیں ہے، اور نہ یہ تواتر
واقعی اور صحیح ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق بلکہ واقدی نے بھی، جو
وضعی روایتوں کے نقل کرنے پر زیادہ مائل ہے، اس کو قبول نہیں کیا۔

۵۶۔ مسٹر وائٹنگٹن اسٹرونگ اقدام قتل مذکور کا حوالہ دے کر حسب

ذیل لکھتے ہیں:-

آئرونگ اور میور صاحبان

»محمد (صلعم) اپنی زندگی کے اس زمانہ میں، کئی مرتبہ قاتلوں کے

کے اقوال اور اس امر میں

ہاتھوں سے قتل ہوتے ہوئے بالکل بے چارے خود آنحضرتؐ پر یہ الزام

مصنف کی آخری بحث

»لگایا جاتا ہے کہ اپنے دشمن سے رائی پانے کے لئے آپؐ نے (معاذ اللہ) عتیارانہ وسائل

۱۔ میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۰۔ یا ابن سعد اصل عربی جلد ۲ صفحہ ۶۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔

۲۔ ابن ہشام صفحہ ۹۹۲-۹۹۳ مطبوعہ یورپ۔ ۳۔ ابن سعد جلد دوم صفحہ ۶۸۔ ۴۔ ابن ہشام صفحہ ۳۹۲-۳۹۳۔ ۵۔ ابن سعد جلد ۲
۶۔ بیہادی جلد ۲ صفحہ ۲۵۰۔

مد کو استعمال کیا، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ابوسفیان کے قتل کے لئے عمرو بن ابیہضری
 کو خفیہ پیغام دے کر بھیجا تھا مگر سازش کھل گئی اور قاتل نے تیزی کے ساتھ بھاگ کر اپنی
 مد جان بچائی۔ مگر یہ الزام اچھی طرح ثابت نہیں ہوتا، اور یہ امر کسی کو خفیہ طور پر قتل کرنا
 ”آنحضرت مکہ عام خصلت اور سیرت کے برخلاف“

سرو و مہم مہم لکھتے ہیں :-

”اس امر میں امکان کا شائبہ ہے کہ یہ روایت بنی امیہ کے فریق مخالف نے ابوسفیان کو
 ”بدنام کرنے کی غرض سے وضع کی ہو، کہ وہ ایسا شخص تھا کہ محمد (صلعم) نے اس کو گشتی
 ”وگردن زدنی سمجھا تھا۔ مگر ان روایتوں کی شہادت کے مقابلہ میں جو بظاہر بے لاگ ہیں اور
 ”رجح پر مؤثر خین کا اتفاق ہے، ایسا خیال قابل وقعت نہیں ہے۔“

مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حکم قتل ابوسفیان کی بابت ایسی روایات
 کا وجود نہیں ہے جو بظاہر بے لاگ ہوں، اور جن پر مؤثر خین کا اتفاق ہو، ایک
 اور صرف ایک روایت ابن سعد کی ہے، جو بالکل غیر معتبر ہے، اور
 وہ بھی اُسی شخص کی زبانی جو قتل کا اقدام کرنے والا تھا، یہ شخص اسلام سے
 پیشتر ایک پیشہ ور قتال و سفاک اور ڈاکو تھا، لہذا اس کا بیان ہمارے لئے
 لائق اعتبار نہیں ہے۔

اگر بالفرض یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے ابوسفیان کے قتل کیلئے جو آپ کے قتل کے
 لئے پہلے ہی کسی شخص کو بھیج چکا تھا، ضرور کسی آدمی کو روانہ کیا تھا، جیسا کہ ابن
 سعد نے بیان کیا ہے، تاہم یہ فعل مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لحاظ سے
 حق بجانب تھا۔ یہ ایک طرح کا انتقام تھا، انتقام محض نہیں، بلکہ صرف ایسا ذریعہ تھا

لے محمد اور آپ کے جانشین“ از واشنگٹن آئرونگ صفحہ ۱۱۸ ملبورن لندن ۱۹۶۹ء۔

لے میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم، صفحہ ۲۰ فٹ نوٹ۔

جس سے اپنی جان کی حفاظت، اور دشمن کو اس کے فعل کی جزا دینی مقصود تھی۔
اور یہ بات جنگی قانون کے بموجب جائز ہے۔

باب دوم

قیدیوں جنگ وغیرہ کے قتل میں ادعائیہ جرمیاں

۵۷۔ بعض جنگ کے قیدیوں کو قوانین جنگ کے موافق اُن کے جرموں

قیدیوں جنگ کے ساتھ سلوک کی پاداش میں قتل کی سزا دی گئی تھی۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ بعض یورپین مؤرخ، جنہوں نے آنحضرتؐ کی سیرت لکھی ہے، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن قیدیوں کا قتل بیرحانہ تھا، اور گفراور پولٹیکل (سیاسی) مخالفت کے سوا اُن کا کوئی جرم نہ تھا۔

مقتول اشخاص حسب ذیل تھے :-

- ۱۔ نصر بن حارث۔
- ۲۔ عقبہ بن ابی معیط۔
- ۳۔ ابو عروہ شاعر۔
- ۴۔ معاویہ بن مغیرہ۔

۵۸۔ ہر ایک قیدی کی حالت پر نظر کرنے سے پہلے بطور تمہید مجھے یہ بیان

قیدیوں جنگ کی بات
قانون اقوام۔ کرنا ضروری ہے کہ قانون بین الاقوام اور قانون جنگ

لے ڈیکوٹھن پوٹیکل سائنس از فرانسس لیبر ایبل۔ ڈی جلد دوم صفحہ ۲۵۰۔

لے سور صائب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۰۷۔

کی رو سے جنگ کا قیدی ایک پہلک (ملکی) دشمن ہے، خواہ وہ مسلح ہو یا جنگ میں مدد دینے کے لئے مخالف کی فوج میں شامل ہو، اور جو میدان جنگ میں لڑتا ہو یا باہر جرح ہو کر ہسپتال میں زیر علاج ہو، شخصی حیثیت سے اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دے یا بذریعہ عہد و پیمان کے، غرضیکہ گرفتار کنندوں کے ہتھے چڑھ جائے، خواہ کسی طرح ہو، ایسا شخص دشمن ہی سمجھا جائیگا۔ تمام سپاہی خواہ کسی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہوں، تمام اشخاص جن کا تعلق مخالف ملک کے عام بلوے سے ہو، تمام لوگ جو فوج کی قوت بڑھانے، اور ہلا واسطہ مقصد جنگ کو ترقی دینے کے لئے فوج سے تعلق رکھتے ہوں، بحرا ایسے اشخاص کے جو مذہبی پیشوا (عباد و زما و علماء دین ہوں، یا طبیب، ڈاکٹر، ملازمان شفا خانہ اور دایہ کی حیثیت سے شریک جنگ ہوں، تمام معذور اور بیکیں آدمی، یا افسران فوج، خواہ میدان جنگ میں ہوں یا کہیں اور، اگر وہ گرفتار ہو جائیں، تمام دشمن جو ہتھیار ڈال کر پناہ مانگ لیں، یہ سب قیدیوں جنگ ہیں، اور اسی لئے جو جھینٹیں لڑائی کے قیدی کو جھیلنی پڑتی ہیں، اُن کو بھی جھیلنی پڑتی ہیں، اور جن حقوق کا وہ مستحق ہے وہی حقوق اُن کو دئے جاتے ہیں۔ ایک پہلک (ملکی) دشمن ہونے کی حیثیت سے وہ کسی سزا کا مستوجب نہیں ہے، اور نہ اس سے کوئی انتقام لیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ فاتح قوم کی طرف سے قیدی کو تکلیف یا ذلت دی جائے، اُس کو بیرحمی سے قید کیا جائے، بھوکا مارا جائے، قتل کیا جائے، اُس کی لاش کو پارہ پارہ کیا جائے، یا اُس کے ساتھ کوئی اور وحشیانہ بیرحمی کی جائے۔ مگر لڑائی کا قیدی اپنے اُن جرموں کا جواب دہ رہتا ہے جو اس نے گرفتاری سے پہلے، گرفتار کنندہ کے لشکر یا اُس کی قوم کے برخلاف کئے ہوں، اور جن کی سزا اُس کے اپنے حکام نے اُس کو نہیں

دی۔ جملہ قیدیان جنگ اس امر کے مستوجب ہیں کہ اُن کے جرائم کا اُن سے انتقام لیا جائے +

۱۔ نضر بن حارث

۵۹۔ قیدیان جنگ میں سے ایک شخص مسملی نضر بدر کی لڑائی کے بعد اس

نضر بن حارث کا قتل جرم کی وجہ سے قتل کیا گیا کہ اُس نے مسلمانان مکہ کو سخت

اذیتیں دی تھیں۔ نضر بن حارث نے اصحاب رسول کو جو سخت تکلیفیں پہنچائی

تھیں مصعب نے وہ سب اس کو یاد دلائی تھیں (واقعی صفحہ ۱۰۱) لہذا قتل

نضر کے معاملہ میں آنحضرتؐ کی طرف سے اپنے دشمنوں کے ساتھ کسی بیرحمی یا

کینہ دہی کا جوش ظاہر نہیں کیا گیا، جیسا کہ سرولیم میور نے بیان کیا ہے۔

برعکس اس کے بعض محققین مثلاً ابن مندہ اور ابو نعیم نے اُس کے قتل کا

انکار کیا ہے۔ (زر قانی جلد اول صفحہ ۵۴۱) وہ یہ کہتے ہیں کہ نضر بن حارث

سہ سالہ میں جنگ حنین میں موجود تھا جو جنگ بدر سے چھ سال بعد واقع

ہوئی تھی، اور آنحضرتؐ نے اُس کو تنواؤنٹ دئے تھے۔ سرولیم میور نے بھی

نہایت خاموشی سے ایک فٹ نوٹ میں (جلد ۴ صفحہ ۱۵۱) نضر بن

حارث کا نام درج کیا ہے کہ اُس کو بمقام حنین تنواؤنٹ دئے گئے تھے۔

اسی نضر بن حارث کا نام اُن قدیم ترین مہاجرین کی فہرست میں دکھایا گیا

صلی محمد (صلعم) نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بیرحمی اور کینہ دہی کا پیش سب سے پہلے بمقام اخیل ظاہر کرنا شروع

کیا تھا۔ (میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۱۵)۔ اس کے بعد مصنف قتل نضر کا حال بیان کرتا ہے۔ (ابن شام

صفحہ ۴۵۸)۔ واقعی صفحہ ۱۰۸۔ ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۱۰۱۔ ابن ہشام اور ابن سعد نے یہ داستان بیان نہیں کی +

ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۱۰ میں بھی نضر کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں درج ہے جن کو غنیمت حنین میں سے تنواؤنٹ دئے گئے تھے +

ہے جو ہجرت کر کے ابی سینا کی طرف چلے گئے تھے (زرقانی جلد اول صفحہ ۵۴۲)
 ان اختلافات سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قتل نصر کی داستان
 محض جھوٹی ہے۔ جن راویوں نے بمقام بدر نصر کے قتل ہونے کا ادعا کیا ہے
 وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اُس کی بیٹی یا بہن نے آنحضرت کے پاس آکر چند
 اشعار پڑھے، جن کو سُن کر آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ کی آنکھوں
 سے آنسو بہنے لگے، اور آپ نے یہ فرمایا کہ ”اگر میں پہلے یہ اشعار سُنتا، تو اُس
 کے قتل کا حکم نہ دیتا“ جو اشعار آنحضرت نے سُنے تھے اُن میں سے ایک یہ ہے۔
 مَا كَانَ ضَرْكٌ لَوْ مَنَنْتَ وَرَبَّهَا مِنْ الْفَتَى وَهُوَ الْمَغِيطُ الْحَقِيقُ
 (ترجمہ) ”اگر آپ احسان کر کے اُس کو آزاد کر دیتے، تو اس سے کوئی نقصان نہ
 ہوتا، اور ایسا اوقات ایک جو انفرادی حالت میں کہ وہ غیظ و غضب میں مبتلا ہو
 دوسروں پر احسان کرتا ہے۔“

مگر زیریں بگڑا کہتا ہے کہ:-

”میں نے بعض اہل علم کی گفتگو سنی ہے جنہوں نے ان اشعار پر اس لئے اعتراض کیا ہے
 کہ وہ بالکل موضوع اور کسی دوسرے شخص کے گھڑے ہوئے ہیں، اور میں خیال کرتا ہوں
 کہ قتل نصر کی تمام داستان دروغ محض ہے۔“

۲۔ عقبہ بن ابی معیط

۴۰۔ ایک اور قیدی مسیحی عقبہ بن ابی معیط ایسے ہی جرم کی پاداش

لے زیریں بگڑا یعنی ابو عبد اللہ نے سلسلہ میں بمقام مکہ معظمہ ایسے حال میں انتقال کیا جبکہ آپ دلاں کے
 قاضی تھے۔ ملاحظہ ہو القدرت ابن ندیم صفحہ ۱۱ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۷ء۔ آپ مشہور مذہبیرین العوام کی اولاد
 میں سے ہیں۔

لے زرقانی جلد اول صفحہ ۵۴۲ مطبوعہ مصر میں نصر بن حارث کی یہ تمام فرضی داستان نقل کی گئی ہے۔

قتل عقبہ میں جیسا کہ نصر کا جرم تھا، بدر کی لڑائی کے بعد قتل کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت وہ قتل ہونے کو تھا، اُس نے سوال کیا کہ ”میری چھوٹے لڑکے کی خبر گیری کون کرے گا؟“ محمد (صلعم) نے جواب دیا ”دوزخ کی آگ“! یہ حکایت بالکل وضعی اور جعلی ہے، اور اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ عقبہ کا تعلق قبیلہ ”بنی ناز“ سے تھا، جس کا ترجمہ ہے ”آگ کے بچے“۔ واقعہ یہی اس حکایت کی اسناد بیان نہیں کرتا، اور ابن اسحاق اپنے سے پیشتر صرف ایک سند بیان کرتا ہے، جس کی اسناد کا ایک اور درمیانی سلسلہ مقام واقعہ تک منقطع ہے۔ ابو داؤد نے مسروق سے اس کی روایت کی ہے، اور اس نے عبد اللہ بن مسعود کی سند پر اُس کو بیان کیا ہے، عبد اللہ بن مسعود نے نہ تو یہ ذکر کیا کہ وہ اس موقع پر موجود تھے۔ اور نہ یہ بھی بیان کیا کہ انہوں نے بواسطہ یا بلا واسطہ آنحضرتؐ سے سنا تھا۔ علاوہ بریں جن حالات میں مسروق نے اس داستان کو بیان کیا ہے، وہ نہایت مشتبہ ہیں، اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اختراع اور بہتان سے کام لیا گیا ہے۔ ضحاک ابن قیس نے ایک ضلع کا انتظام سپرد کئے جانے کے لئے مسروق کو تجویز کیا تھا۔ عمارہ بن عقبہ نے اس پر اعتراض کیا، کیونکہ مسروق حضرت عثمان خلیفہ ثالث کے قاتلوں میں سے تھا۔ مسروق نے اس کے جواب میں تبرؤا ابن مسعود، عمارہ سے یہ کہا کہ ”جب تیرا باپ قتل ہونے کو تھا تو اُس نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ ”میرے چھوٹے لڑکے کی خبر گیری کون کرے گا؟“ آنحضرتؐ نے فرمایا ”دوزخ کی آگ“۔ لہذا میں تیرے لئے اسی شے سے خوش ہوں جو آنحضرتؐ نے تیرے باپ کے لئے پسند کی تھی۔“

عقبہ کے طریق قتل میں اور نیز اُس کے قاتل کی بابت اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کا بیان یہ ہے کہ عاصم نے اس کو قتل کیا، اور ابن ہشام کا قول ہے کہ حضرت علی نے قتل کیا۔ ابراہیم التیمی کی رائے یہ ہے کہ عقبہ بن عامر عرق الطیبہ قتل کیا گیا، اور محمد بن حبیب ہاشمی کی رائے یہ ہے کہ وہ مصلوب ہوا، جس سے دیگر مورخین کو اختلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس کا سرفلم کیا گیا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر مجھے عقبہ کے قتل کئے جانے کا بالکل یقین نہیں ہے *۔

۶۱۔ ابو عروہ جو اسیران بدر میں سے تھا، اور منجملہ اُن اشخاص کے

ایک ہوائی کے قیدی مسے تھا جو مسلمانان مکہ کو اذیت پہنچاتے تھے، اُس نے ابو عروہ کو بلا معاوضہ آزاد کیا گیا۔ آنحضرت سے التجا کی کہ میری پانچ بیٹیوں پر رحم کھا کر مجھے چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرت نے اُس کی جان بخشی کی اور اُس کو آزاد کر دیا۔

یہ واقعہ صاف طور پر پیغمبر (صلعم) کی عام فیاضی اور جو انمردی پر دلالت کرتا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عقبہ کی داستان آنحضرت کے عام اخلاق و عادات کے برخلاف ہے۔ ان وجوہ سے عقبہ کے قتل کی حکایت کو ایک افسانہ سمجھ کر بخوبی رد کر سکتے ہیں۔

۳۔ ابو عروہ شاعر (عمر بن عبد اللہ)

۶۲۔ ابو عروہ جو اسیران بدر میں سے تھا، بغیر کسی فدیہ کے اس شرط

ابو عروہ باغی ثابت ہوا اور قتل کیا گیا

۵۔ زرقانی جلد اول صفحہ ۵۴۱۔ مطبوعہ مصر

۶۔ سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۳۷۱۔ مطبوعہ مصر۔

۷۔ واقدی صفحہ ۱۰۵۔ انسان العیون یا سیرت حلبی جلد دوم صفحہ ۴۴۴۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۶ و ۵۹۱۔

مطبوعہ یورپ۔

پیر آزاد کیا گیا تھا کہ وہ آنحضرت م کے برخلاف کسی جنگ میں پھر کبھی ہتھیار نہ اٹھائے مگر وہ دغا باز ثابت ہوا۔ اُس نے عربوں کو آنحضرت م سے لڑنے کی ترغیب دی، اور خود بھی مکہ کی حملہ آور فوج کے ساتھ شامل ہوا۔ اُس پر سزا کا فتوے جاری ہوا، اور وہ بمقام حمراء گرفتار کیا گیا، اور اس کو حسب ضابطہ سزائے موت دی گئی یہ قتل جنگ کے قوانین و دستورات کے بالکل مطابق تھا۔ (دیکھو فقہ ۵۸ کتاب ہذا)۔

۴۔ معاویہ بن مغیرہ

۶۳۔ معاویہ بن مغیرہ بھی لڑائی میں قید ہو کر آیا تھا، اُس کو تین دن قتل معاویہ بن مغیرہ کی مہلت اس شرط پر دی گئی کہ اگر مدت معینہ کے بعد وہ مدینہ میں موجود پایا گیا تو قتل کیا جائے گا۔ مدت منقضی ہو گئی اور وہ پھر بھی مدینہ میں چھپا بیٹھا رہا۔ آخر کار اس کا پتہ لگ گیا، اور زہر پیہ اور عمار نے حمراء الاسد سے واپس آنے پر پانچ چھ روز بعد اس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ معاویہ نے مقررہ معاہدہ کے خلاف کیا، اور اُس کا مدینہ میں پوشیدہ طور پر قیام رکھنا جاسوس یا مخبر کی حیثیت سے ہوگا، جو خفیہ طور پر اطلاع حاصل کرتا یا بھید لینا چاہتا ہو۔

۶۴۔ سرولیم میور جنہوں نے اس شخص کا نام عثمان بن مغیرہ لکھا ہے اُس معاملہ میں اس کے حامی و مددگار ہیں۔ صاحب موصو

قتل ابن مغیرہ کا
حق بجانب ہونا

۱۔ وادی صفحہ ۵۰۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔ ہشامی صفحہ ۵۹۱۔ انسان العیون یا سیرت جلی صفحہ ۴۶۲
مطبوعہ مصر۔ عیون الاخریٰ المغازی والتسیر صفحہ ۳۲۸۔ قلمی نایاب در کتب خانہ آصفیہ۔
۲۔ ابن ہشام صفحہ ۵۹۱۔ وادی صفحہ ۳۲۲۔ ۳۲۵۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۷۲۔

لکھتے ہیں کہ :-

”وہ اپنی رعایت کی مدت کے آخری دن تک بے احتیاطی اور بے پرواہی سے مدینہ میں
”بٹھیرا رہا، اور اس وقت وہ مکہ کو روانہ ہوا“

مگر ابن ہشام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ”وہ تین دن کے بعد تک
مدینہ میں بٹھیرا رہا اور وہیں چھپا ہوا پایا گیا“ ”واقعی کی روایت کے موافق
بھی وہ چوتھے دن گرفتار ہوا تھا۔ مگر یہ امر حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ خود
واقعی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ جنگ احد کے بعد حمراء الاسد میں پانچ روز
مقیم رہے، پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ابن مغیرہ نے چوتھے ہی دن حمراء الاسد سے
واپس آنے والی اسلامی فوج سے بچ نکلنے کی کوشش کی ہو اور وہ اُسی روز
رستہ بھول گیا ہو، جیسا کہ سر ولیم میور ظاہر کرتے ہیں -

ایک دشمن جس نے مدینہ پر چڑھائی کی اور آنحضرتؐ پر حملہ کیا تھا اُس کو
گرفتاری کے بعد صاف اور واضح شرطوں پر تین دن کی مہلت دی گئی کہ ”اگر
تم تین دن کے بعد یہاں موجود پائے گئے تو قتل کئے جاؤ گے“ اس کی سواری
کے لئے اونٹ اور راہ متیا کر دیا گیا تھا، وہ پانچویں یا چھٹے روز اُسی
جگہ کے قریب چھپا ہوا پایا گیا، جس کی وجہ سے اس کی جان گئی۔ یہ ہے امر
واقعی مگر سر ولیم میور مغیرہ کے قتل کی بابت یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ
دراپے دشمن (یعنی آنحضرتؐ) کی فیاضی پر حد سے زیادہ بھروسہ کرنے کی وجہ
سے ہلاک ہوا۔“

اقدام قتل اسیران بدر

۶۵۔ سرولیم میور لکھتے ہیں کہ :-

اسیران بدر کی بابت سرولیم میور کا غلط ترجمہ

”اس فعل کی ہدایت کی تھی“

ایک فٹ نوٹ میں صاحب موصوف لکھتے ہیں :-

”پس محمد (صلعم) نے کہا ’سعید سے اُس کے بھائی کی موت کا ذکر نہ کرنا‘ (یعنی سعید جو ”ایک قیدی تھا“ دیکھو حوالہ بالا صفحہ ۱۱۰ نوٹ) ”مگر تم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو ”قتل کرے“۔ (واقعی صفحہ ۱۱۰)۔

پھر صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں :-

”کوئی شخص اپنے بھائی کو قید نہ کرے بلکہ اُس کو قتل کرے“ (صفحہ ۱۱۰)۔ مگر میں ان روایتوں پر زیادہ زور دینا نہیں چاہتا، بلکہ میرا میلان یہ ہے کہ یہ روایتیں قرآن (مجید) کی مندرجہ ذیل آیتوں کی بنا پر وضع کی گئی ہیں“

ان روایتوں سے جن کو خود سرولیم میور موضوع سمجھتے ہیں۔ ”قتل اسیران کے خیال کی تائید نہیں ہوئی۔“ واقعی کی جن روایتوں کا حوالہ اوپر درج کیا گیا ہے، اُن کا صحیح ترجمہ حسب ذیل ہے :-

پہلی عبارت ”سعید سے اُس کے بھائی کے قتل (یعنی مقتول ہونے) کا حال بیان نہ کرنا“ پس وہ ہر ایک قیدی کو جو تمہارے قابو میں ہے، قتل کر دے گا“ (واقعی صفحہ ۱۱۰)۔ اس کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ سعید کو

لے میور صاحب کی میرٹ مچھری جلد سوم صفحہ ۱۱۔

اس بات کی اطلاع نہ ہونے دینا کہ اُس کا بھائی جو عمر یا ابو بردہ کے ہاتھوں مقید ہو کر مقتول ہوا تھا، قتل کیا گیا ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ غضبناک ہو کر ہر ایک قیدی کو جو اب تمہارے قبضہ میں ہے، قتل کر دے گا۔ یہ نہایت عجیب بات ہے کہ سرو لیم میور اس جملہ کا ایسا ترجمہ کرتے ہیں کہ اُس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ ”تم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے“!

دوسری عبارت ”کسی شخص کو اپنے بھائی کے قیدی کو نہیں لے جانا چاہیے تاکہ وہ قتل کیا جائے“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے کسی کو دوسرے شخص کا قیدی نہیں دینا چاہیے۔ اگر تم ایسا کرو تو شاید دوسرا شخص لڑائی میں اُس قیدی کو مار ڈالے۔ سرو لیم میور نے اس جملہ کا مطلب بالکل غلط سمجھا ہے *

۶۶۔ چند موضوع روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ قرآن مجید (سورہ انفال

۸- آیت ۶۸-۶۹) میں اسیران بدر کو رہا کر دینے کی وجہ سے آنحضرتؐ پر عتاب نازل ہوا تھا، جن کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو لازم تھا کہ اُن کو قتل کر دیتے۔ آیات مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے :-

”مکان لبني ان يَكُونُ لَهُ
اَسْرَى حَتَّى يَبْرُجْنَ فِي الْاَرْضِ
نَزِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ
يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
لَوْ لَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ
فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ“
(انفال ۸-۱۵)

”نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اُسکے پاس قیدی
ریں جب تک (حتیٰ) کہ وہ ملک میں خونریزی نہ کر لے
تم تو دنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت (کی
نعمتیں) دینی چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر نہ
کی طرف سے (معافی کی) تجریر نہ ہو چکی ہوتی، تو جو کچھ تم نے (فدا
لیا ہے، اسکی سز میں ضرور تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا“ (آیت ۶۸-۶۹)

آیت نمبر ۶۸ کا اگر صحیح ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قیدیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ لفظ ”حتّے“ کے معنی ہیں ”یہاں تک“ یا ”جب تک نہ“ اور یہی لفظ علت یا سبب کا کام بھی دیتا ہے۔ میں دوسرے معنی کو ترجیح دیتا ہوں اور اس طرح ترجمہ کرتا ہوں ۱۔

”کسی نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ قیدی اُس کے پاس اس غرض رہیں (یا لائے نہ جائیں) کہ وہ ملک میں خونریزی کرے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ اسیران جنگ کو اس غرض سے گرفتار کرے کہ اُن کو قتل کر دیا جائے۔ یہ مفہوم قرآن مجید کی دوسری آیت کے موافق ہے (دیکھو سورہ محمد ۷۷۔ آیت ۴) ”یہ آیت اسیران جنگ کے ساتھ سلوک کی دو صورتوں میں سے ایک صورت پیش کرتی ہے، یعنی یا تو ان کو احساناً (بلامعاوضہ) چھوڑ دیا جائے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر۔“

اس آیت میں اول تو اُن لوگوں پر عتاب ہے جو قیدیوں کو قتل کرنا چاہتے تھے (نہ کہ آنحضرتؐ پر) اور دوسرے اُن لوگوں پر جو اُن کو آزاد کرنے کے لئے فدیہ لینا چاہتے تھے۔ اُن کو چاہیئے تھا کہ بدون کسی مالی منفعت کے قیدیوں کو آزاد کر دیتے، اگر وہ اُن کی بلامعاوضہ آزادی میں کوئی خوبی سمجھتے۔“

اسیران جنگ کے ساتھ آنحضرتؐ کا فیاضانہ سلوک

۷۷۔ آنحضرتؐ اسیران جنگ سے ہمیشہ مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے، اور اُن کو

قتل کرنے یا قید کرنے کے قایم دستور کو قرآن مجید نے بہت کچھ متروک اور (آخر کار) منسوخ کر دیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:-

قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ اسیران جنگ کو یا تو مفت چھوڑا جائے یا معاوضہ لے کر، مگر اُن کو قتل کیا جائے اور نہ غلام بنایا جائے۔

فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فُضِّبْ
السَّيْۤافُ حَتّٰى اِذَا اَخْلَصْتُمْوْهُم
فَنُصِّدْۙ وَالْوَثَاقُ فَاَمَّا مَنْۢ بَعْدَ وَا
رَآمًا فِىۡ ذَاۤءَ حَتّٰى تَفْصَحَ الْوَعْدُ
اَوْ رَاۤىۡكَ ۝

(محمد ۲۷- آیت ۵)

”جب (لڑائی میں) اکافروں سے تمہارا مقابلہ ہو،
تو اُن کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کا زو
توڑ لو تو اُن کی مُشکیں کس لو (یعنی قید کر لو) پھر اُس
کے بعد یا تو احسان رکھ کر یا معاوضہ لے کر (چھوڑ
دو) یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے
(لڑائی موقوف ہو جائے)۔“ (محمد ۲۷- آیت ۵)

اسیران بدر کی بابت سرورِ ولیم میو ر لکھتے ہیں:-

”محمد (صلعم) کے احکام کے بموجب اہل مدینہ اور اُن مہاجرین نے جن کے پاس گھر تھے
”قیدیوں کو اپنے مکانات میں جگہ دی اور بڑی خاطر و مدارات سے اُن کے ساتھ پیش آئے
ان قیدیوں نے بعد میں یہ کہا تھا:-

”اہل مدینہ پر خدا کی رحمت ہو، انہوں نے ہم کو سواری دی جبکہ وہ خود پیدل چلتے تھے
”انہوں نے ہم کو کھانے کے لئے گھوڑوں کی روٹی دی، جبکہ اس کی قلت تھی، اور خود کھجور
”پر قناعت کی“ (ابن ہشام صفحہ ۲۵۹)۔

یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ جب ان قیدیوں کے دوست کچھ عرصہ بعد فدیہ
دے کر اُن کو چھڑانے آئے، تو اُن میں بہتیرے آدمی جن کے ساتھ ایسا عمدہ
سلوک کیا گیا تھا، علے الاعلان مسلمان ہو گئے، اور پیغمبر اسلام نے ان لوگوں
کو بغیر فدیہ کے آزادی عطا فرمائی۔
بنی مطلق کے قیدی بھی بلا ادائے معاوضہ رہا کئے گئے۔

لے میو ر صاحب کی سیرت محمدی، جلد دوم صفحہ ۱۲۲-۱۲۳

لے میو ر صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۲۳-۲۲۴ ابن ہشام صفحہ ۲۵-۲۶ ابن سعد جلد دوم

بنی ہوا زن جنگ جنین میں قید ہوئے تھے، جو ہجرت کے آٹھویں سال میں پیش آئی تھی، مگر کسی معاوضہ (فاریہ) کے وصول کئے بغیر وہ سب آزاد کر لئے گئے پہلے آنحضرتؐ نے اپنے قیدیوں کو رہائی دی، اور باشندگان مکہ و مدینہ نے خوشی سے آپ کے نمونہ کی پیروی کی۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔

جب آنحضرتؐ کا لشکر ۳۰۰ میں بمقام حدیبیہ خیمہ زن تھا۔ اُس وقت قریش کے اسی آدمیوں کی ایک جماعت، جیسا کہ مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں بیان کیا ہے، یا حسب بیان ابن ہشام (صفحہ ۷۵)، چالیس یا پچاس آدمیوں کی جماعت آپ کی لشکرگاہ کی چاروں طرف گشت کرتی تھی، اور ان کی غرض یہ تھی کہ بھولے ہوئے مسلمانوں کو آنحضرتؐ کے کیمپ (لشکرگاہ) میں شامل ہونے سے روک دیا جائے، اور چونکہ انہوں نے پتھروں اور تیروں سے خود لشکرگاہ پر بھی حملہ کیا تھا، اس لئے اُن کو گرفتار کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، آپ نے اپنی معمولی فیاضی سے اُن کو معاف اور آزاد کر دیا۔

خالد بن ولید نے اپنی فتح کے سال یعنی ۳ھ میں جبکہ وہ بنی جذیمہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، اُن لوگوں کو قید کر کے اُن کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ بعض مسلمانوں نے جو احکام قرآن سے زیادہ باخبر تھے، اور یہ جانتے تھے کہ قیدیوں کو یا تو بلا معاوضہ اور یا چھوڑ دینا چاہیئے، اس امر میں مداخلت کی اور اس پر یہ الزام لگایا کہ تم زمانہ جاہلیت کے فعل کے مرتکب ہوئے ہو۔ آنحضرتؐ نے نہایت ناراض ہو کر اس جبر پر رنج و افسوس کا اظہار کیا، اور دو دفعہ فرمایا ”اے خدا! جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے

بری ہول

قتل بنی قریظہ

۶۸۔ بنی قریظہ ایک یہودی قبیلہ تھا، اور مدینہ کے قرب وجوار میں آباد تھا، اہل مدینہ کے خلاف بنی قریظہ اُن لوگوں نے اسلامی جمہوریت کے ساتھ اس امر کا عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم حملہ آوروں کے حملہ سے شہر مدینہ کی حفاظت کریں گے۔ سترہ سال تک وہیں بیٹھا رہا اور دیگر یہودی قبائل نے مدینہ کا محاصرہ کیا، اور واقعہ غزوہ خندق پیش آیا، تو بنی قریظہ نے مسلمانوں کی مدد کرنے کی بجائے اُن کی وفاداری سے منحرف ہو کر محاصرہ کرنے والے غنیم سے سازش کر لی۔ محاصرہ مدینہ ختم ہونے کے بعد مسلمانوں نے اُن کا محاصرہ کیا، آنحضرت ص نے اُن کو خوفناک سزائیں دی، بلکہ اُسی ثالث (سعد بن معاذ) نے دی تھی جس کو انہوں نے خود منتخب اور مقرر کیا تھا۔ اُن میں سے بعض کا قتل ہونا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ اسیران جنگ تھے۔ بلکہ وہ باغی تھے۔ اُنہوں نے جنگ میں دغا بازی کی تھی اور حسب منشاء قانون بین الاقوام سزائے موت کے مستحق تھے۔ اُن کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے محاصرہ مدینہ کی وقت اہل مدینہ کے ساتھ سخت بد عہداری اور دغا بازی کی تھی۔ جب بنی قریظہ نے مسلمانوں کی وفاداری سے منحرف ہو کر سلطنت اسلام کے دشمنوں کو امداد دی تھی، اس کے بعد ان میں اور مسلمانوں میں کوئی جنگ حقیقت واقع نہیں ہوئی۔ مسلمانوں نے اُن کی سخت بد عہداری اور بغاوت کی سزا دی

۱۔ ابن ہشام صفحہ ۸۳۔ ۸۴۔ ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۔ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ بخاری کتاب المغازی صفحہ ۶۷۲ مطبوعہ کاپٹور ۱۳۳۵ھ۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ یورپ۔ مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۰۹۔ مطبوعہ لاہور۔

کے لئے اُن کا محاصرہ کیا تھا، اور اسی لئے یہ لوگ اسیران جنگ نہ تھے۔ اس قسم کے اسیران جنگ کو بھی جرم بغاوت و بد عہدی کی سزا دی جاتی ہے۔ (واضح ہو کہ قاضی ابویوسف نے بنو قریظہ کو باغیوں کی فہرست میں شریک کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الخراج صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ) عبد اللہ خاں۔

رباغی دشمن کے ساتھ میدان جنگ میں، جنگ کے قانون اور دستور کے موافق سلوک کرنا، باضابطہ گورنمنٹ کے لئے ہرگز اس امر کا مانع نہیں ہوتا کہ بغاوت کے سرغنوں یا خاص خاص باغیوں کے جرم بغاوت کی تحقیقات کی جائے، اور ان کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک کیا جائے، تاوقتیکہ وہ لوگ عام معافی نامہ کے فرمان میں داخل نہ ہو جائیں۔

۴۹۔ بنی قریظہ کا تمام قبیلہ ہرگز مقتول نہیں ہوا اور نہ سب کے سب

تمام بنی قریظہ ہرگز قیدی مرد ہی نہ تیغ کئے گئے۔ مقتولوں کی تعداد نسبت بہت کم تھی۔ یہ بات کہ وہ آنحضرتؐ کے حکم سے قتل نہیں ہوئے، اور نہ سب کے سب مارے گئے۔ اور نہ اس کی بابت خدا تعالیٰ کی منظوری صادر ہوئی،

۱۔ دیکھو فرانسیس لیبر کی متفرق تحریرات جلد دوم مضامین پولیٹیکل سائنس صفحہ ۲۷۳۔ مطبوعہ نابلیہ لیبیا ۱۸۵۶ء۔

۲۔ بعض بنی قریظہ آزاد کئے گئے، بنجدان کے زیرِ اہن باطا۔ عقیقہ اور رقا کا نام ہم کو معلوم ہے۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا تھا۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۶۷۔ ابن ہشام صفحہ ۴۹۱ و ۴۹۲ مطبوعہ یورپ۔ مشکوٰۃ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ لاہور۔ تہذیب الاسماء صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ یورپ۔ صحیح بخاری میں غزوہ بنی نضیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ ”بنی نضیر جلا وطن کر دیئے گئے اور بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے اور لڑنے والے مرد قتل کر دیئے گئے۔ مگر بعض بنی قریظہ آکر آنحضرتؐ سے مل گئے اور سلطان ہو گئے۔ آپ نے اُن کو آزاد کر دیا“ (بخاری پارہ سولہ صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ لاہور)۔

صحیح بخاری کی اس روایت سے ثابت ہے کہ سب بنی قریظہ قتل نہیں ہوئے بلکہ اکثر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ (عبد اللہ خاں)۔

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہے :-

وَأَنْزَلَ الْآيَاتِ الْكُتُبِ ظَاهِرًا وَهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَّاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا (الاحزاب ۳۳- آیت ۲۶)

”اور اہل کتاب (یعنی یہودیوں) میں سے جن لوگوں نے مشرکوں کو مدد دی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اُتارا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا کہ بعض کو تم قتل کرتے تھے اور بعض کو قید“ (الاحزاب ۳۳- آیت ۲۶)

قتل کرنے اور قید کرنے کا فعل ان ہی لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو اس آیت کے مخاطب ہیں کہ یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔

دبیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۵ء۔ تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۷۵)۔ مطبوعہ طہران۔

۷۔ باقی ماندہ بنی قریظہ یعنی بالغ مرد، عورتیں اور بچے یا تو آزاد کر دئے

گئے، یا فدیہ دے کر انہوں نے رہائی حاصل کی۔ فدیہ کا کچھ بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے فروخت نہیں کئے گئے

حال ابن سید الناس کی کتاب عیون الاثر فی المغازی والتسیر میں درج ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف نے (فدیہ) بہت سا روپیہ جمع کر لیا تھا۔ مگر سر ولیم میور بحوالہ ہمشامی یہ لکھتے ہیں :-

رد یا قیام نہ عورتیں اور بچے منجر کے بدوی قبائل میں گھوڑوں اور ہتھیاروں کے بدلے فروخت کئے جانے کے لئے بھیجے گئے۔“ لے

مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ ابوالمعتمر سلیمان

لے میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۷۹- یا ابن ہشام صفحہ ۶۹۳ مطبوعہ یورپ۔

لے سلیمان بن طرخان متوفی ۱۷۳ھ کے تفسیری حالات کے لئے ملاحظہ ہو ”القدرست ابن ندیم“ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء

تہذیب التہذیب جلد چہارم صفحہ ۲۰ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ نتائج یا فعی فلمی یا باب مخروکہ کنہی ذہن صغیر (دیکھو صفحہ ۱۰۶)

نے اپنی کتاب میں جس میں آنحضرتؐ کے غزوات کا ذکر ہے ایک اور حال بیان کیا ہے، جو زیادہ تر قرین قیاس ہے۔
مصنف موصوف لکھتا ہے :-

» بنی قریظہ کا مال وغیرہ جو ہاتھ لگا تھا اُس میں سے شتر گھوڑے آنحضرتؐ نے لیکر اپنے لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ باقی ماندہ کے دو برابر حصہ کئے، نصف حصہ تو سعد بن عبادہؓ کے ساتھ شام کی طرف اور باقی نصف حصہ انس بن قیظی کے ساتھ بنی عطفان کے علاقہ میں بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہاں ان جانوروں سے گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا کام لیا جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور عمدہ گھوڑے حاصل کئے۔«

۱۔ بالغ مرد جو قتل ہوئے تھے ان کی تعداد میں بہت مبالغہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ مقتولوں کی مبالغہ آمیز تعداد۔
جب کوئی قتل ملک کے قانون بین الاقوام کے بموجب یا ضابطہ طور پر وقوع میں آئے، تو اُس وقت تعداد مقتولین کی کسی یا بیشی کا خیال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس موقع پر سب سے بہتر یہی ہے کہ مولوی سیّد امیر علی صاحب ساکن کلکتہ کی کتاب کا ایک اقتباس پیش کر دیا جائے جو انہوں نے اس مضمون پر لکھی ہے، اور جس میں بڑی دانشمندی سے اس واقعہ کی تنقید کی ہے۔
صاحب موصوف لکھتے ہیں :-

» اب اگر مقتولوں کی طرف توجہ کی جائے تو ہر شخص فوراً یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اُن کی تعدادیں مبالغہ کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ چار سو آدمی تھے، اور بعض اُن کی تعداد کو نو سو تک بھی

فقیر صاحب صفحہ ۱۰۵) حیدر آباد کن صفر ۱۶۱۔ قرن تاریخ قمریہ ۱۲۸۸۔ نزدیک الاسرار امام نووی ص ۶۶۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۶ء
(عبداللہ خاں)۔ لے مغازی و اقدی صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ کراچی ۱۸۵۶ء
سے ابن ہشام نے جو اسے سعد بن عبادہ کے سپرد بنی زید الصاری کا کام لکھا ہے۔ (امیر القیاد)
سے مغازی و اقدی صفحہ ۲۷۷ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔ قرۃ العیون حصہ دوم جلد اول صفحہ ۱۴۴۔ تفسیر مجمع البیان طبری جلد

» پہنچا دیا ہے، مگر عیسائی مورخین باختلاف اقوال عموماً ساٹھ سو سے آٹھ سو تک بتاتے ہیں۔
 » میں اس کو نہایت مبالغہ سمجھتا ہوں۔ چار سو کی تعداد میں بھی مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ روایا
 » کا اس پر اتفاق ہے کہ بنی قریظہ کا سامان جنگ حسب تفصیل ذیل تھا:-

» تین سو زورہ بکتر، پانچ سو ڈھالیں، پندرہ سو تلواریں وغیرہ۔ مال غنیمت کی مقدار کو زیادہ
 » دکھانے کی غرض سے راویوں نے ان اعداد میں غالباً مبالغہ کیا ہے۔ مگر اعداد کو صحیح
 » مان کر اور اس امر کو ذہن نشین رکھ کر کہ اس قسم کے ہتھیار لڑنے والوں کی تعداد سے ہمیشہ
 » بہت زیادہ رکھے جاتے ہیں، میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ جنگ میں شریک ہونے والوں
 » کی تعداد دو سو یا تین سو سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ غلطی غالباً اس لئے پیدا ہوئی
 » کہ جس قدر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اُن کی تعداد کو مقتولین کے تعداد کے ساتھ گڑا
 » کر دیا ہے۔

» دو سو بھی بڑی تعداد ہے۔ کیونکہ تمام قیدی رات کے وقت رملہ بنت الحارثؓ کے مکان
 » میں رکھے گئے تھے، جو اتنی بڑی تعداد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا تھا۔

۱۔ ابن خلدون کی تحریر سے مقابلہ کرو، (مقدمہ ابن خلدون کا فرانسیسی ترجمہ از ایم ڈی سیلن، حصہ اول صفحہ ۱۱۱)
 مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۹۱ء یا اصل عربی مقدمہ جلد اول صفحہ ۹ مطبوعہ پیرس۔ ابن خلدون نے اس جگہ مبالغہ آمیز شمار
 اعداد پر بحث کی ہے۔ (عبد اللہ خاں)

۲۔ سیرت محمدی از مولوی سید امیر علی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ او ڈی انریٹیل پیرس ٹرایٹ لا صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ
 ولیم اینڈ نارگٹ۔ لندن ۱۸۶۳ء۔

۳۔ ابن ہشام صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ یورپ۔ دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ مرد، عثمان بن زید کے گھر میں اور عورتیں
 اور بچے رملہ بنت الحارث کے گھر میں قید رکھے گئے۔ دیکھو انسان العیون یعنی سیرت حلبی جلد سوم صفحہ ۱۳۹
 مطبوعہ مصر +

باب یازدہم

بعض متفرق اعتراضات کا ابطال

۱۔ اُمّ قرفہ

۷۲۔ ایک عورت مسماة اُمّ قرفہ (فاطمہ بنت ربیعہ) جو قزاقوں کی ایک بڑی

اُمّ قرفہ کا قتل قزاقی جماعت کی سرغنہ ہونے کی حیثیت سے مشہور تھی، اُس کے
بیرجمانہ قتل کی یہ حکایت کہ اس کی ہر ایک ٹانگ جدا جدا کی وجہ سے

ایک ایک اُونٹ سے باندھی گئی، اور اس طرح چیر کر اُس کے دو ٹکڑے کر دئے گئے
امرواقعی نہیں ہے۔ صرف ابن سعد کا تب واقعہ واقعہ نے ایسا لکھا ہے، اور واقعی

ابن اسحاق اور ابن ہشام کی قدیم ترین تواریخ میں یہ حکایت پائی نہیں جاتی۔

ابن سعد کا تب واقعہ بھی نہیں کہتا کہ آنحضرت صلعم نے اس کے قتل کا حکم دیا
نخا (جلد دوم صفحہ ۶۵) سرولیم میور کا یہ قیاس قرین انصاف نہیں ہے کہ اس

نوخوارا فعل میں آنحضرتؐ بھی شریک تھے، اور صاحب موصوف کے نزدیک

اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے کہیں یہ نہیں پڑھا کہ پیغمبر (صلعم) نے ایسے

بیرحمی کے سلوک پر اظہار ناراضی کیا ہو مگر اول تو یہ بیان محض افسانہ ہے

اور دوسرے یہ کہ روایتیں بالعموم ہمیشہ نامکمل ہوتی ہیں، اور وہ روایات دراصل

جس موقع کے متعلق بیان کی جاتی ہیں، اُس موقع کے حالات کے لحاظ سے ایک جگہ مجملاً بیان کی گئی ہیں، تو دوسری جگہ اُن کا بیان بالتفصیل موجود ہے۔ ابن ہشام نے یہ بیان کیا ہے کہ ”زید بن حارثہ نے قیس بن مسحر کو اُمّ قُرفہ کے قتل کا حکم دیا تھا، پس اُس نے اُس کو سختی سے قتل کیا (اصل الفاظ ”قَتَلَ عَنِيفًا“ ہیں۔ جن کا ترجمہ ہے ”سخت قتل“ دیکھو ابن ہشام صفحہ ۹۸۰)۔ مؤرخ موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ جب وہ اس خوفناک سفارت قتل اُمّ قُرفہ کو پورا کر کے واپس آیا تو آنحضرتؐ کو اس امر کی بابت اطلاع بھی دی گئی ہو۔ میں خیال کرتا ہوں کہ لفظ ”عنیف“ بمعنی شدید و درشت جو مؤرخ نے دراصل استعمال کیا تھا، ممکن ہے کہ اسی لفظ کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے دو اونٹوں سے باندھ کر قتل کرنے کی کہانی بن گئی ہو، یعنی لفظ ”عنیف“ پر دور از کار شریحیں اور حاشیہ چڑھانے سے مذکورہ بالا حکایت گھڑی گئی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کو دو گھوڑوں کی دُموں سے باندھا گیا تھا (دیکھو قسطلانی شرح بخاری جلد ششم صفحہ ۳۵۷، مطبوعہ لکھنؤ یا مطبوعہ مصر صفحہ ۳۶۵)۔

۲۔ قَزَّاقانِ عرنہ

۳۔ بعض قَزَّاقانِ عرنہ نے، جو حال ہی میں اسلام لائے تھے، مدینہ

قَزَّاقانِ عرنہ کے اُونٹ لئے تھے، اور راعی (نگہبان کو جس کا نام بیسار تھا) کے ساتھ سخت بیرحمی کا سلوک کیا تھا، کیونکہ انہوں نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے اور اس کی زبان اور آنکھوں میں نوکدار برچھی کی انیاں چبھوائی تھیں، یہاں تک کہ وہ جان بحق ہوا۔ کرز بن جابر فہری نے

قرۃ اقوں کا تعاقب کیا اور اُن کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ سر ویسٹم میور کہتے ہیں کہ۔
 ”وہ موت کے سزاوار تھے، مگر جس طریقہ سے اُن کو موت کی سزا دی گئی وہ وحشیانہ
 اور بیرحمانہ تھا۔ آٹھ آدمیوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے، اور اُن کی آنکھیں نکالی
 درگئی۔ ان بذلیب اعراب کے بیڈول جسموں کو جن کی آنکھیں نکالی گئی تھیں، الغابہ
 ”کے میدان میں سولی پر چڑھایا گیا، یہاں تک کہ ان کا دم نکل گیا۔“^۱
 چونکہ ان قرۃ اقوں نے نگہبان کے ہاتھ پاؤں کاٹے تھے۔ اس وجہ سے
 یہ بات مشہور ہو گئی کہ انتقام کے طور پر اُن کے ساتھ بھی ہاتھ پاؤں کاٹے
 جانے کا سلوک کیا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مُثلہ بنانے (یعنی
 ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ اعضاء کے قطع کئے جانے) کا حکم کسی حالت میں
 بھی نہیں دیا۔ اس دستور سے آنحضرتؐ کو اس قدر نفرت تھی کہ مختلف
 ذریعوں سے اس مضمون کی متعدد حدیثیں آپؐ سے مروی ہیں جن سے ثابت
 ہوتا ہے کہ آپؐ نے مُثلہ بنانے کی مانعت فرمائی ہے، اس بنا پر کہ مبادا خدا

۱۔ دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۹۔ بخاری پارہ ۲ صفحہ ۱۲۱ طبع لاہور میں یہ حکایت
 انس سے روایت کی گئی ہے، مگر انس اس امر کا گواہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ نے اُن
 کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا حکم دیا ہو۔ کیونکہ انس خیبر کی محکم تک آپؐ کی خدمت میں
 حاضر نہیں ہوا تھا۔ اور اُن قرۃ اقوں کا قتل اس سے پہلے واقع ہوا تھا (یعنی شوال
 ۳۳ کو۔ ابن سعد۔ جلد ۲ صفحہ ۶۷) ابن مردودہ کی کتاب میں اسی مضمون کی وہ حکایت
 بھی جو جابر سے مروی ہے، معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ جابر جس کا بیان یہ ہے کہ مجھے آنحضرتؐ
 نے قرۃ اقوں کے تعاقب کے لئے بھیجا تھا اور میں نے یہ کام کیا تھا، اس وقت تک مسلمان
 نہیں ہوا تھا۔ قسطلانی مصنف مواہب نے ابن جریر طبری کی روایت کو جو اس بارہ میں
 بیان کی گئی ہے نامعتبر یعنی ”ضعیف“ لکھا ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب جلد
 دوم صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ مصر)۔

کا حکم مجھے مثلاً بنائے جانے کے لئے جاری ہے۔

۷۲۔ سرولیم میور اس کے آگے یہ لکھتے ہیں :-

باضابطہ انتظام مجلس کے نہ ہونے کی وجہ سے قطع عضو یا جلا وطنی کی سزا عارضی طور پر بجائے قید کے تجویز کی گئی تھی۔

”غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلعم) کو یہ سزا حدود و انتظام سے متجاوز معلوم ہوئی، چنانچہ آپ نے ایک الہام شائع کیا جس میں سزائے قتل کو محض موت یا پھانسی تک محدود کیا۔ مگر قطع عضو اور قطع رجل کی منظوری ایک سزا کی حیثیت سے دی گئی ہے اور سرقہ کے جرم میں بھی قطعید کو ایک مناسب سزا قرار دیکر

”اس کی تاکید کی گئی ہے، خواہ مجرم مرد ہو یا عورت۔ چنانچہ یہ وحشیانہ دستور تمام اسلامی دنیا میں جاری ہے، مگر آنکھیں نکال لینا شرعی سزائوں میں داخل نہیں سمجھا گیا۔“

رہزنی، ڈکیتی اور سرقہ بذریعہ نقب زنی، ان سنگین جرائم کے لئے متبادل سزائیں تجویز کی گئی تھیں اور وہ یہ تھیں :-

(۱) سزائے موت (۲) قطع عضو (۳) جلا وطنی (دیکھو سورہ مائدہ ۵- آیات ۳۷-۴۲)۔ یہ سزائیں واقعات جرم کے موافق مقرر کی گئی تھیں پچھلی دو سزائیں عارضی قسم کی تھیں، اور جیل خانوں اور قید خانوں کا باضابطہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بجائے قید کے رکھی گئی تھیں۔ جب اسلامی جمہوریت بالکل ابتدائی حالت میں تھی، اس زمانہ میں حملہ آور قزلباش اور ان کے مددگاروں

لے ابن ہشام نے دیکھو صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ یورپ ۱۳۷۶ھ) ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سبیل بن عمرو کو مثلاً بنانے کے لئے اجازت طلب کی۔ مگر آنحضرتؐ نے جواب دیا میں اس کو مثلاً نہیں بناؤں گا، اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے مثلاً بنا دے گا۔ اگرچہ میں پیغمبر ہوں۔ شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ مصنفہ امام النجاشی مطبوعہ کا پورہ ۱۳۷۶ھ۔

لے میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۱۹۔

کی چڑھائیوں اور لڑائیوں نے وہ مصیبت برپا کر رکھی تھی کہ مدینہ میں حفظ جان اور امن و اطمینان کی حالت باقی نہیں رہی تھی، اور ایسی انتظامی تجاوزات عمل میں نہیں لائی جاسکتی تھیں، جن کے ذریعے سے جیل خانوں کی عمارت، حفاظت اور استقامت اور جیل خانوں کے عملہ اور قیدیوں کا انتظام کیا جاسکے جب اسلامی جمہوریت میں جیل خانے قائم ہو گئے اُسی وقت قطع عضو اور جلا وطنی کی بجائے قید کی سزا مقرر ہو گئی۔ چونکہ اسیران جنگ عام مجرموں میں داخل نہیں ہیں، اس لئے آنحضرت م اُن کو بعض اہل مدینہ کے سپرد کر دیتے تھے، جیسا کہ جنگ بدر کے اسیروں کو آپ نے سپرد کیا تھا، تاکہ وہ اُن لوگوں کو بطور مہمان کے اپنے گھروں میں رکھیں، کیونکہ اُن کو (نظر بند رکھنے کے لئے قید خانے نہ تھے) رہے دیگر مجرم، یعنی رہزن، قزاق، ڈاکو اور نقب زن اُن کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاسکتا تھا، اور ایسی مہمان نوازی سے اُن کی خاطر مدارات نہیں کی جاسکتی تھی۔ پس اُن کے لئے کوئی چارہ نہ تھا، بجز اس کے کہ یا تو ایسے مجرموں کو جلا وطن کیا جائے، یا قطع عضو کی صورت میں اُن کو جسمانی سزا دی جائے۔

۳۔ کنانہ بن الربیع کی عقوبت

۵۔ مؤرخین کا بیان یہ ہے، (اور سرولیم پیور کے الفاظ حسب ذیل

کنانہ کی عقوبت ہیں) کہ:-

”کنانہ، جو یہودیان خیبر کا سردار تھا، اُس نے اور اُس کے چچا زاد بھائی نے برخلاف

لہ آنریبل سید احمد خاں بہادر سی۔ آئی۔ اسی نے اپنی تفسیر القرآن جلد دوم میں اس مضمون پر قابلیت کے ساتھ پوری بحث کی ہے۔ دیکھو نوٹ ماٹن ۵۔ آیت ۳۶ کی تفسیر صفحات ۱۹۸-۲۰۲ مطبوعہ علی گڑھ ۱۸۷۷ء۔

» اپنے معاہدہ کے اپنی دولت کا ایک حصہ روک لیا تھا (یعنی مسلمانوں کے حوالہ نہیں کیا
 » تھا)۔ جب اس اقدام فریب دہی کا حال معلوم ہوا تو کنانہ بن الربیع کو بیرجانہ سزا
 » دی گئی، یعنی اُس کے سینہ پر آگ رکھی گئی، اس اُمید پر کہ وہ اس بات کا اقرار کر لے
 » کہ باقیماندہ خزانہ فلاں مقام پر چھپایا گیا ہے۔ پھر محمد (صلعم) نے حکم دیا اور اُس سردار
 » اور اس کے چچا زاد بھائی کے سران کے جسموں سے قلم کئے گئے۔^۱

کنانہ سے استخصال بالجبر کرنے اور اس کو کچھ خزانہ چھپانے کی پاداش میں
 قتل کرنے کی داستان سراسر جھوٹی اور مصنوعی ہے۔ کنانہ نے محمد بن مسلمہ
 کے بھائی محمود کو دغا بازی سے قتل کیا تھا، اور اسی لئے وہ بطور قصاص قتل کیا
 گیا۔ اور قتل کے لئے محمد بن مسلمہ کے سپرد کیا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)
 ایک بے سند روایت اس مضمون کی بیان کی گئی ہے کہ زبیر بن العوّام،
 کنانہ بن الربیع کے سینہ پر چقماق اور فولاد کے ذریعہ سے آگ نکال رہا تھا۔
 اگر یہ قصہ صحیح ہے تو بھی اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت م کے
 حکم اور آپ کی منظوری سے ایسا کیا گیا ہو۔ برعکس اس کے متعّد حدیثیں
 خود آنحضرت م سے مروی ہیں، جن میں آپ نے کسی شخص کو آگ سے سزا دینے
 کی ممانعت فرمائی ہے۔ بخاری نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی
 ہے کہ آنحضرت م نے فرمایا کہ »صرف خدا آگ کا عذاب دے سکتا ہے۔« ابوداؤد
 نے عبد اللہ بن عباسؓ سے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت م نے فرمایا کہ »عذاب النار
 کسی شخص کو نہیں دینا چاہیئے۔ ایسا عذاب دینا مالک نار (خدا تعالیٰ) ہی کا کام ہے۔«

۱۔ میور صاحب کی سیرت محمدی جلد ۴ صفحہ ۶۸۔ لکھنؤ مشکوٰۃ کتاب انتقام صفحات ۲۲۳-۲۲۴۔ یا بخاری صفحہ
 (۱۰۲۳) مطبوعہ کانپور ۱۳۱۱ ہجری۔ کنانہ بن الربیع کو محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ حضرت زبیر نے قتل نہیں کیا۔
 زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۷۳۔ سیرت حلبی جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ مطبوعہ مصر۔ عیون الاثر قلمی نایاب مخزن وند
 کتب خانہ آصفیہ صفحہ ۲۶۲۔ مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۹ مطبوعہ لاہور۔ مغازی و اتدبی صفحہ ۴۱۶۔
 مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔ ۶۔

(تاریخ النجیس جلد ۲ صفحہ ۹۳)۔

۲۔ ایک مغنیہ کا قتل

۷۷۔ سرو لیم میور لکھتے ہیں:-

ایک مغنیہ کا اڈعائی قتل۔
 ”اُس عام معافی نامہ اور اعلان امن سے جواہل مکہ کو دیا گیا تھا۔
 ”آنحضرتؐ نے دس بارہ آدمیوں کو مستثنیٰ کیا۔ مگر ان میں سے صرف

”چار آدمیوں کو درحقیقت قتل کیا گیا تھا۔ اگلے دو شخص وہ تھے جو اسلام
 ”سے مرتد ہو گئے تھے، جو مدینہ میں خونریزی کر کے مکہ کی طرف بھاگ کر چلے گئے تھے، اور
 ”دخلفاً اسلام کو ترک کر چکے تھے۔ یہ دو قتل کئے گئے، اور ایک جاریہ مغنیہ بھی جو ان
 ”میں سے ایک شخص کی ملکیت تھی قتل کی گئی، یہ عورت ہجو آمیز اشعار کے ذریعہ سے
 ”پیغمبر (صلعم) کو ایذا دینے کی عادی تھی۔

”ان کے نام عبد اللہ بن حنظل اور مقیس بن صبابہ تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلا شخص یعنی
 ”عبد اللہ بن حنظل قتل عمد کا مرتکب ہوا تھا، اور دوسرے شخص (یعنی مقیس بن صبابہ)
 ”سے قتل بلا ارادہ سرزد ہوا تھا۔ عبد اللہ بن حنظل کے پاس دو مغنیہ عورتیں تھیں۔ ان

”عبد اللہ بن حنظل مسلمان ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے ایک انصاری اور ایک مسلمان غلام کے ساتھ صدقہ وصول
 ”کرنے کے لئے بھیجا۔ راستہ میں اس نے اپنے غلام کو کھانا پکانے کا حکم دیا۔ غلام اتفاقاً سو گیا اور کھانا پکانا
 ”بھول گیا اس خطا پر اس نے غلام کو قتل کر ڈالا اور مرتد ہو کر فرار ہو گیا تھا۔ (ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۹-۱۹۱۔
 ”مطبوعہ یورپ۔ تاریخ النجیس صفحہ ۹۰ جلد دوم مطبوعہ مصر)۔

”مقیس بن صبابہ کے بھائی ہشام بن صبابہ کو مکہ میں غزوہ بدری صلیح (میں بیچ) کے دوران میں ایک انصاری
 ”نے شرمک سجھ کر غلطی سے قتل کر ڈالا۔ چند روز کے بعد ہشام کا بھائی مقیس بن صبابہ مسلمان ہو گیا اور آنحضرتؐ کی خدمت
 ”میں حاضر ہوا اور اپنے مقتول بھائی کی دین کا طالب ہوا۔ آنحضرتؐ نے دین کا حکم دیا۔ دین لینے کے مقیس نے اس
 ”انصاری کو (جس نے اسکے بھائی کو قتل کیا تھا) مار ڈالا اور مکہ کو فرار ہو گیا۔ فرار کے بعد آنحضرتؐ نے جن باغیوں کو
 ”قتل کا حکم جاری فرمایا تھا منجملہ ان کے مقیس بن صبابہ بھی تھا۔ مقیس اس خبر کو سن کر چھپ گیا مگر نبیہ بن عبد اللہ کنانی کو پتہ
 ”چل گیا اور اس نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ (ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۱۲۶-۱۲۸-۱۹۰ مطبوعہ یورپ۔ تاریخ النجیس جلد دوم صفحہ ۹۰ مطبوعہ مصر)

”دونوں کے لئے سزائے موت کا حکم صادر ہوا، مگر ایک بچ نکلی، اور بعد ازاں رحم کر کے اس کی جان بخشی کی گئی، دوسری عورت کا قتل کیا جانا، اس موقع پر محمد (صلعم) کا بدترین فعل تھا (معاذ اللہ) جس کے آپ مرتکب ہوئے۔“

عبداللہ بن خطل ایک نہایت بیرحمانہ قتل عمد کا مرتکب ہوا تھا، اور اغلب یہ ہے کہ وہ جاریہ مغنیہ بھی، جس کا وہ مالک تھا اس کے جرم میں شریک تھی۔ اس عورت کا قتل اس بنا پر تھا کہ وہ اس فعل قبیح (قتل عمد) کے ارتکاب میں شریک جرم یا معین و مددگار تھی۔ لہذا اس کا قتل از روئے قانون جائز اور حق بجانب تھا۔ پس اس قتل کو بدترین فعل کیوں سمجھا جاتا ہے؟ آنحضرت م کو صنف ضعیف (عورات) کا بہت ہی زیادہ خیال رہتا تھا، اور لڑائیوں میں آپ نے تاکید کی تھی کہ ”عورتوں کو قتل نہ کیا جائے“ (بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ کانپور ۱۳۰۵ ہجری۔ اور مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۱۰۱۔ مطبوعہ لاہور)، مگر قانون نے زن مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، یعنی مرد اور عورت دونوں کا استحقاق اپنے اپنے جرم کی سزا کے مستوجب ہیں۔

✓ ۷۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت م کی عالی ہمتی، رحم اور عفو و آنحضرت م کا اپنے دشمنوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک لکھتے ہیں:-

”مگر آخری سنگ مہراب ہجرت کے آٹھویں سال (۶۳۰ء) میں نصب کیا گیا، (یعنی قسطن

لہ میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۱۱ فٹ نوٹ۔ اس مضمون کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء جلد دوم صفحہ ۹۲ تا ۹۴ مطبوعہ مصر۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸۶ مطبوعہ یورپ۔ ابن ہشام صفحہ ۹۱۸ مطبوعہ بوزلہ ابن ہشام صفحہ ۸۱۹۔

”سب کام مکمل ہو گیا، جبکہ قریش کی ایک جماعت بنو بکر نے مسلمانوں کے ایک مددگار قبیلہ
 ”بنی خزاعہ پر حملہ کر کے صلح حدیبیہ کو توڑا اور محمد (صلعم) نے دس ہزار آدمیوں کو ہمراہ لیکر
 ”رجاء منبہ کو کوچ کیا، اور چونکہ قریش کو اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تھی لہذا مشر
 ”مکہ فتح ہو گیا۔ اب وقت تھا کہ پیغمبر (صلعم) جو نخواستہ فطرت کا اظہار کرتے۔ آپ کے
 ”دو قدیم ایذا دہندے (قریش) آپ کے قدموں میں آپڑے ہیں۔ کیا آپ اس وقت
 ”اپنے ہر جانہ طریقہ سے ان کو پامال کریں گے، سخت عقوبت میں گرفتار کریں گے، یا
 ”ان سے انتقام لیں گے؟

”یہ وقت اُس شخص کے اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہونے کا ہے۔ اس وقت ہم
 ”ایسے مظالم کے پیش آنے کے متوقع ہیں، جن کے سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے
 ”دہوں، اور جن کا خیال کر کے اگر ہم پہلے ہی سے نفوس و ملامت کا شور و غل مچائیں
 ”تو بالکل بجا ہو۔

”مگر یہ معاملہ کیا ہے؟ کیا بازاروں میں کوئی غورنری نہیں ہوئی؟ ہزار مقتولوں کی
 ”دلاشیں کہاں ہیں؟ واقعات سخت اور سیدر دہوتے ہیں (کسی کی رورعایت نہیں کرتے)
 ”زاوریہ ایک واقعی بات ہے کہ جس دن آنحضرتؐ کو اپنے دشمنوں پر عظیم ترین فتح حاصل
 ”ہوئی، وہی دن آپ کو اپنے نفس پر سب سے زیادہ عالی شان فتح حاصل کرنے کا دن
 ”بھی تھا۔ قریش نے سالہا سال تک جو کچھ رنج اور صدمے دئے تھے، اور ہر جانہ تحقیر و
 ”تذلیل کی مصیبت آپ پر ڈالی تھی، آپ نے کشادہ دلی کے ساتھ ان تمام باتوں سے
 ”درگزر کیا، اور مکہ کے تمام باشندوں کو ایک عام معافی نامہ دے دیا۔ جب محمد (صلعم)
 ”اپنے شدید ترین دشمنوں کے شہر میں بحیثیت ایک فتح مند کے داخل ہوئے، تو صرف
 ”چار مجرم، چار روٹے انصاف قصور وار قرار دے گئے تھے، واجب القتل انصاف کی

”فہرست میں داخل کئے گئے۔ فوج نے آپ کی مثال کی تقلید کی اور خاموشی اور امن
 ”امان کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی۔ نہ کوئی مکان لوٹا گیا اور نہ کسی عورت کی بے حرمتی
 ”کی گئی۔“

۵۔ ابوبصیر عتبہ بن اسید ابن جاریہ

۷۸۔ سرو لیم پیور لکھتے ہیں کہ :-

آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ حبیبیہ کے خلاف مرد پیغمبر (صلعم) نے ایک قطاع الطریق (ربہزن) مسٹے
 ابوبصیر کی کوئی حمایت نہیں کی۔ ”ابوبصیر کی رعایت و پاسداری ایسے طریقہ سے کی جو
 ”صلح نامہ حبیبیہ کے الفاظ سے بمشکل مطابقت رکھتی تھی، اور اس کے مضمون کے خلاف
 ”توقیناً تھی۔“

عہد نامہ حبیبیہ جو قریش اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ہوا تھا اُس کی
 ایک شرط تھی کہ اگر کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر آنحضرت ﷺ کے پاس
 چلا جائے گا تو وہ اُس کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک
 مسلمان مسٹی ابوبصیر (جس کا پورا نام عتبہ بن اسید ابن جاریہ ہے) جو مکہ میں مقیم
 تھا۔ بھاگ کر مدینہ چلا آیا۔ ازہر بن عبد عوف اور احنس بن شریق
 جو اس کے سرپرست تھے، انہوں نے دونوں کو ایک خط دے کر آنحضرت ﷺ
 کی خدمت میں بھیجا اور اُن کو یہ ہدایت کی کہ فراری کو اس کے گھر واپس لے
 آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً تسلیم کیا کہ ابوبصیر کو حوالے کر دینا ہمارا فرض ہے
 اگرچہ اس نے عذر کیا اور واپس جانے سے انکار کرنے کا سبب یہ بتایا کہ مجھے

۱۔ دیکھو انتخاب قرآن، مصنف شیخین لین پول کا مقدمہ صفحہ ۶، مطبوعہ لندن ٹرنبرائنڈ کو ۱۸۷۹ء۔

۲۔ سیرت محمدری جلد چہارم صفحہ ۳۰، باب ۱۱، شام صفحہ ۶۷، مطبوعہ یورپ۔ ۳۔ سیرت محمدری جلد ۲ صفحہ ۳۵۰۔ ابن ہشام صفحہ ۷۵۱۔

مکہ میں قریش کے ظلم و ستم کی تکلیفیں اٹھانی پڑتی تھیں مگر آنحضرتؐ نے یہ حجت پیش کی کہ شرائط صلح کا توڑنا میرے لئے زیبا نہیں ہے اور ہمارے مذہب میں وعدہ خلافی اور غد ر جائز نہیں ہے۔ اور ابو بصیر کو مکہ روانہ ہونے پر مجبور کیا گیا، مگر وہ صرف چند ہی میل گیا تھا کہ اس نے بمقام ذوالحلیفہ اُن ملازموں میں سے جن کی حراست میں تھا، ایک کی تلوار دھوکے سے چھین کر اُس کو قتل کر ڈالا، دوسرا ملازم مدینہ کو واپس بھاگ گیا، اور ابو بصیر بھی اُس کے پیچھے وہیں پہنچا۔ جب دوسرا شخص واپس آیا تو اس نے (ابو بصیر نے) یہ بحث اٹھائی کہ پیغمبر (صلعم) مجھے قریش کے حوالہ کر کے پہلے ہی عہد نامہ کی شرط کو حرف بہ حرف پورا کر چکے ہیں، مگر آنحضرتؐ نے جواب دیا، ”اس شخص کی ماں کے حال پر افسوس (جس کا بیٹا ایسا نالائق نکلا!) اگر اس کے ساتھ کوئی شخص ہوتا تو یہ لڑائی کی آگ کو کیا کچھ بھڑکا دیتا!“ جب ابو بصیر نے یہ سنا تو وہ سمجھ گیا کہ آنحضرتؐ اُس کو اُس کے سر پرستوں یعنی قریش کے پاس دوبارہ واپس بھیجنے والے ہیں، لہذا وہ سال سمندر کی طرف بمقام العیص چلا گیا، اور وہاں اور لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر جو مکہ کی قید سے نکل کر اس کے ساتھ آئے تھے، مکہ کے قافلوں کو لوٹا کرتا تھا“ (ابن ہشام صفحہ ۵۲، مطبوعہ یورپ - ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)۔

اس داستان سے جس کو مجمل طور پر ابن اسحاق نے بھی بیان کیا ہے اور ہشامی، زرقانی اور ابن القیثم نے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ نے صلح نامہ حدیبیہ کے الفاظ اور مضمون کی خلاف ورزی

۱۔ دیکھو زرقانی شرح لغو احباب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ مصر۔ زاد المعاد ابن قیم جلد اول صفحہ ۳۷۶ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۷ھ۔ سیرت محمدیہ از محمد کرامت علی صاحب دہلوی کتاب سیرت محمدیہ، سیرت جلی اور سیرت شامی سے حج کی گئی ہے اور بیٹی میں نہایت بد نظری سے چھپی ہے +

کی تھی۔

آنحضرتؐ نے ابو بصیر کی رعایت و پاسداری ہرگز نہیں کی بلکہ اس کے خلاف عہد نامہ حدیبیہ کی شرائط کے موافق اُس کو قریش کے حوالے کر دیا تھا۔ اور جب وہ واپس آیا تو اُس کے پاس اس امر کے باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود تھی کہ آنحضرتؐ اُس کو دوبارہ اُسی جگہ بھیج دیں گے، جہاں سے وہ آیا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ابو بصیر ساحل سمندر کی طرف بمقام العیص چلا گیا تھا، جو آنحضرتؐ کے علاقہ سے باہر تھا اور بالکل لب ساحل واقع ہوا تھا، اور وہاں سے گرفتار کر کے اس کو مکہ واپس بھیجنا آنحضرتؐ کا فرض نہ تھا، درانحالیکہ وہ آپ کے پاس موجود نہ تھا بلکہ آپ کے علاقہ سے باہر تھا۔ جبکہ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ اس کو اُن لوگوں کے حوالے کر دیا جو اس کو واپس لے جانے کے لئے مدینہ بھیجے گئے تھے، اور پھر اس کو دوبارہ حوالے کئے جانے کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا، تو ایسی حالت میں اگر آنحضرتؐ اس کو مدینہ میں اپنے پاس ہی رہنے دیتے، تو میں خیال کرتا ہوں کہ اہل عرب کے قانون بن الاقوام یا خود عہد نامہ حدیبیہ کی شرائط کے بموجب بھی آنحضرتؐ پر انصافاً کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا تھا۔

۶۔ مددگار ان قریشی جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا، اُن کے جتھے کو توڑنے کے لئے
نعیم بن مسعود کا تقرر

۹۔ جب قریش اور اُن کے جتھے نے چند روز تک مدینہ

آنحضرتؐ نے دشمن کے کیمپ میں جھوٹی خبریں شائع کرنے کے لئے نعیم بن مسعود کو مقرر نہیں کیا تھا۔

کا محاصرہ کیا (یوم خندق کی طرف اشارہ ہے) تو مدینہ کی فوج کو شہر کی حفاظت اور جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا تھا، اور چونکہ اس فرض کا بار روز بروز بڑھتا جاتا تھا، اس لئے اسلامی فوج سخت پریشان اور در ماندہ ہو گئی تھی۔ ایک شخص مسیحی نعیم بن مسعود نے، جو ایک ایسے قبیلہ عرب سے تھا، جس کا تعلق نہ تو مسلمانوں سے تھا اور نہ قریش سے، یہ بیان کیا کہ میں خفیہ طور پر دل میں مسلمان ہوں اور پیغمبر اسلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں اس موقع پر کچھ خدمت انجام دینی چاہتا ہوں، آنحضرت نے اس بات کو منظور کیا، اور اُس کو اس غرض سے مقرر کیا کہ اگر ممکن ہو تو مدگار ان قریش (احزاب یعنی گردہ) کو محاصرہ سے باز رکھے اور یہ کہا کہ ”لڑائی واقعی دھوکے کا کھیل ہے“ نعیم نے یہود اور قریش کے درمیان باہمی بے اعتباری کی تحریک پیدا کی۔ اُس نے یہودیوں سے کہا کہ تم آنحضرت کے برخلاف جنگ نہ کرتاؤ قتیکہ اس امر کی ضمانت نہ ہو جائے کہ قریش تمہارا کٹا نہ چھوڑیں گے اور اُول (درہن) کے طور پر اپنے کچھ آدمی تمہارے حوالے نہ کر دیں اور قریش سے یہ کہا کہ یہودی اُول کے طور پر تمہارے آدمی لینا چاہتے ہیں ”تم اپنے آدمی انہیں نہ دینا، انہوں نے آنحضرت سے وعدہ کر لیا ہے کہ اُن لوگوں کو قتل کرنے کے لئے آپ کے حوالے کر دیں گے“

یہ ایک روایت ہے، اور دوسری روایت اس مضمون کی ہے کہ خود یہودیوں نے اُول (درہن) کی درخواست کی تھی، مگر قریش نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کہ نعیم نے یہودیوں کے پاس آکر کہا کہ جب تمہارا قاصد اُول کے مطالبہ کے لئے آیا تھا، میں وہاں ایوسفیان کے پاس موجود تھا اور ایوسفیان تمہارا مطالبہ پورا کرنے والا نہیں ہے۔

ایک تیسری روایت واقدی کی کتاب مغازی الرسول کے ضخیمہ میں بیان کی گئی ہے، جو معتمر بن سلیمان بن طرخان کا لکھا ہوا ہے، اس میں یہ حکایت مطلق بیان نہیں کی گئی، بلکہ ایک بالکل مختلف بیان اس مضمون کا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں قریش کا ایک جاسوس تھا، جس نے عبداللہ بن رواحہ کو یہ کہتے سنا تھا کہ یہودیوں نے قریش سے یہ خواہش کی ہے، کہ شتر آدمی اُن کے پاس بھیج دئے جائیں، اور جب یہ لوگ پہنچ جائیں گے تو یہودی اُن کو قتل کریں گے۔ نعیم بن مسعود قریش کے پاس گیا جو اُس کے پیغام کا انتظار کر رہے تھے۔ اور جو کچھ سنا تھا اُن سے کہہ دیا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

یہ بیان اس کہانی سے جو ابن ہشام اور میمور صاحب نے درج کی ہے، بالکل متناقض ہے، مگر ہر کیف اس حکایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ نے نعیم بن مسعود کو جھوٹ بولنے یا فریب دہی کی خبریں شائع کرنے کی اجازت دی تھی۔

۸۰۔ سرو لیم میور کی رائے حق بجانب نہیں ہے، جبکہ صاحب موصوف

یہ لکھتے ہیں :-

قانون بین الاقوام کی بموجب

جنگ میں دھوکے کی اجازت

”جھوٹ اور دھوکے سے غنیم کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے نعیم

”ابن مسعود کا تقریر ہم بے شک پسند نہیں کر سکتے۔ مگر یہ امر عرب کی نگاہ میں آنحضرتؐ

”کی خصلت پر شاید کوئی خلاف اثر پیدا نہ کر سکے۔“

آگے چل کر میور صاحب لکھتے ہیں :-

”جب فوج احزاب (گروہ) نے مدینہ کا محاصرہ کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دغا باز آدمی سنی نعیم بن

لے مغازی واقدی صفحہ ۳۶۸-۳۶۹۔ جزیرہ اتہام وان کریمر ۱۸۵۶ء میں بمقام کلکتہ طبع ہوئی ہے۔

لے سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۸۲-۲۸۳۔ ابن ہشام صفحہ ۷۵۲۔

”وہ مدد لینے کے خواستگار ہوئے، تاکہ وہ بھوٹی اور فریب دہی کی خبریں پہنچا کر دشمنوں میں
 ”(باہمی) بے اعتباری کا بیج بودے، کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ لڑائی دھوکے کے کھیل کے
 ”سوا اور کیا ہے“

پہلی روایت سے جس کو میور صاحب نے نقل کیا ہے اور جس کے بالکل
 برعکس ایک دوسری روایت ایسی ہی قوی موجود ہے، زیادہ سے زیادہ صرف اتنا
 معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے عربی کی ایک مشہور مثل ”الحرب خلد عہ“
 کا ذکر کر کے جنگ میں ”خدع“ کو جائز قرار دیا ہے۔ قانون جنگ یا قانون
 بین الاقوام نے بھی اس امر کی اجازت اور منظوری دی ہے، کیونکہ لڑائی میں
 دھوکا دینا ”جنگی مجبوری“ ہے، (جس کے بغیر چارہ نہیں)، اور جنگ کے قانون
 اور رسم و رواج کے بموجب جائز ہے۔

ایک زمانہ حال کا مصنف قانون بین الاقوام کی بابت حسب ذیل
 لکھتا ہے:-

”جنگی مجبوری اس امر کو جائز رکھتی ہے کہ مسلح دشمن یا دیگر اشخاص جن کی تباہی القاء
 ”طور پر ناگزیر ہو، اُن کی جان یا اُن کے اعضائے جسمانی کو علانیہ ضائع و برباد کیا جائے،
 ”جبکہ فریقین بوقت جنگ مسلح ہو کر لڑ رہے ہوں، وہ اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ دشمن
 ”کے مال و اسباب کو بالکل ضائع کر دیا جائے، تجارت سفر یا آمد و رفت کی خشکی اور تری کی
 ”راہوں کو مسدود کر دیا جائے، اور خور و نوش یا اسباب زندگی کو اُس سے باز رکھا جائے
 ”اور دشمن کے ملک کا جو کچھ سامان فوج کی رسید یا حفاظت کے لئے ضروری ہو، اس پر اپنا
 ”د قبضہ کر لیا جائے، اور اس کو دھوکا دیا جائے جس سے کسی ایسے قول و قرار کی خلاف ورزی
 ”لازم نہ آئے جو دوران جنگ میں محابدوں کے متعلق یا تو واقعی طور پر فریقین کے درمیان

”ہو چکا ہو یا جنگ کے قانون جدید کے بموجب اس کا وجود مسلم ہو۔“

۸۱۔ مگر فرض کرو (بفرض محال) کہ زمانہ حال کا اخلاق آنحضرتؐ کی اس کارروائی

مسٹر لیکلی کا اخلاقی معیار کو پسند نہیں کرتا، جو (بقول سرولیم میور) عرب کی نگاہ میں آنحضرتؐ

کی خصلت پر کوئی خلاف اثر مشکل سے پیدا کر سکتی تھی، تو کیا اخلاقی رائے اور قیاس

میں اختلافات نہیں ہوتے؟ اخلاقی اتحاد و جس کی مختلف زمانوں میں توقع

رکھی جاتی ہے، وہ معیار یا واقعات کا اتحاد نہیں ہوتا، بلکہ میلان کا اتحاد ہوتا ہے۔

مسٹر لیکلی اخلاقی معیار کی بابت لکھتے ہیں :-

”بعض وحشی اپنے ضعیف والدین کو قتل کر دیتے ہیں، شاید قومیں بھی بغیر کسی

پیشانی کے قتل اولاد کی مرتکب ہوتی رہتی ہیں، اہل روم میں جو لوگ سب سے بہتر

رہتے اُن کو بھی شمشیر آزمائی کے کرتبوں میں کوئی بات بیجا نہیں معلوم ہوتی تھی، پورٹیکل

”(سیاسی) یا انتقامی خونریزیاں صدیوں سے جائز اور قابل تسلیم سمجھی گئی ہیں۔ غلام

”بنانا بعض اوقات قابل عزت سمجھا گیا ہے، اور بعض اوقات قابل الزام۔ یہ سب واقعات

”اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ ایک ہی فعل ایک زمانہ میں بے ضرر اور دوسرے زمانہ میں

”مجرمانہ سمجھا جاسکتا ہے، لہذا یہ امر یقیناً صحیح ہے کہ اگر مؤرخانہ تنقید کی جائے تو افسوس

”ہوتا ہے کہ تشریح یا تخفیف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ یہ اختلافات خاص خاص حالات کا

”مقتضا ہیں۔ یہ بات اکثر ظاہر کی گئی ہے کہ تیغ آزمائی کے کرتب اولاً انسانی قربانی کی

”ایک شکل تھی، جو مذہبی وجوہ سے اختیار کی گئی تھی۔ چونکہ وحشی لوگ اگھر اور خانہ بدوش

”دزدگی بسر کرتے تھے، اور اُن کے لئے اپنے قبیلہ کے عمر رسیدہ اور بیکیس اشخاص کی

”حفاظت ناممکن تھی، اس لئے قتل والدین کو قاتل اور مقتول دونوں ایک رحمہل کا کام

”سمجھتے تھے۔ قبل اس کے کہ داد رسی کا ایک کارگر طریقہ باضابطہ طور پر قائم نہ ہو شخصی انتقام ہی

» جرائم سے محفوظ رہنے کا ذریعہ تھا، اور پولیشیل خونریزی ہی تعدی و دست درازی سے
 » بچنے کا وسیلہ تھی۔ بعض وحشیوں کا چوری کے جرم کو محسوس نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ
 » اپنی تمام چیزیں مشترک رکھنے کے عادی تھے۔ اہل سپارٹا کا قانون جو چوری کو جائز
 » رکھتا تھا، اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ وہ لوگوں میں فنون جنگ کی مہارت پیدا کرنی چاہتے
 » تھے، مگر خاص وجہ یہ تھی کہ لوگوں کے دلوں سے دولت جمع کرنے کا خیال دور کرنا چاہتے
 » تھے، غلامی کے رواج کا محرک رحمہل کا خیال تھا تا کہ فاتحین اپنے قیدیوں کو قتل کرنے
 » سے باز رہیں۔ یہ تمام باتیں صحیح اور درست ہیں۔ مگر اُن کا ایک اور جواب بھی ہے جو
 » زیادہ تر عام ہے۔ اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی، اور نہ یہ کسی کا دعویٰ ہے کہ ظلاقی
 » اصول کے اطلاق کی بابت ہر زمانہ میں لوگ متفق رہے تھے، البتہ اس بات پر زور
 » دیا جاتا ہے کہ یہ اصول ہمیشہ یکساں رہے ہیں۔ جو باتیں ہم کو انتہا درجہ کی سفاکی
 » اور ظلم معلوم ہوتی ہیں اُن میں سے بعض باتیں اُسی ہمدردی کے خیال سے دل
 » در میں پیدا ہوئی تھیں، جس کی خوبی کا تمام زمانوں میں تسلیم کیا جاتا اُن ہی برہمنوں کو
 » پیش کر کے باطل کیا جاتا ہے۔ اور جہاں یہ صورت نہیں ہے وہاں بھی صرف اسی
 » قدر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انسانیت کا معیار اُس زمانہ میں بہت ادنیٰ درجہ کا تھا،
 » مگر یہ بات بہر حال تسلیم کی جاتی تھی کہ انسانیت اور رحمہل ایک نیکی ہے اور ظلم ایک
 » بدی ہے۔»

قتل یہود کی بابت ادّعیٰ اجازت

۸۲۔ آنحضرت م کے بعض تذکرہ نویسوں نے بیان کیا ہے اور یورپ کے بعض

ابن سنیہ کا قتل [تذکرہ نویسوں نے سرگرمی سے نقل کیا ہے کہ "کعب ابن اشرف

لے دیکھو یورپین اخلاق کی تاریخ گمشدہ شاعرین کے مرتبہ "اولیم ایڈورڈ ہارٹ پول نیکی ایم۔ لے جلد اصفحات ۱۰۱-۱۰۲۔

کے قتل کے بعد اگلی صبح کو محمد (صلعم) نے اپنے اصحاب کو عام اجازت دیدی تھی کہ جو کوئی یہودی تم کو اتفاق سے کہیں مل جائے، تم اُس کو قتل کر دو، اور یہ کہ ایک مسلمان مجتہد نامی کا ایک یہودی سوداگر ابن سنہینہ کو قتل کرنا اسی حکم کا بلا واسطہ نتیجہ تھا۔ مسرولیم میور اس کے آگے یہ لکھتے ہیں :-

”جب حوٹیسہ نے مجتہد کو اپنے جھٹے کے آدمی لینے ایک یہودی کو قتل کر کے اُس روکی دولت پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے ملامت کی تو مجتہد نے جواب دیا بخدا! جس نے مجھے ”اُس یہودی کے قتل کا حکم دیا تھا، اگر وہ مجھے تیرے قتل کا بھی حکم دیتا تو میں ایسا ہی کرتا۔“ حوٹیسہ نے کہا، ہیں! کیا تو محمد (صلعم) کے حکم پر اپنے ہی بھائی کو قتل کر دیتا۔ اس خطبی ”(معتقد) نے جواب دیا، ایسا ہی کرتا۔ حوٹیسہ نے جواب دیا، درحقیقت یہ عجیب بات ”(ہے) کیا یہ نیا مذہب اس حد تک پہنچ گیا ہے، واقعی یہ عجیب و غریب دین ہے، اور ”حوٹیسہ اسی وقت سے مسلمان ہو گیا۔“

ابن اسحاق لکھتا ہے کہ داستان قبیلہ بنی حارثہ کے ایک آزاد کردہ غلام نے مجھ سے بیان کی تھی، اور اس نے مجتہد کی بیٹی سے روابیت کی ہے، جس نے اپنے باپ سے اس کو سنا تھا۔

(۱) اب سُنئے کہ اس پُر اہل شخص (بنی حارثہ کے آزاد کردہ غلام) کا حال بالکل معلوم نہیں ہے، لہذا اس داستان پر کوئی اختیار نہیں کیا جاسکتا۔
(۲) قاتل جس کا نام ابن ہشام نے مجتہد بیان کیا ہے۔ اُس کی بیٹی کی بابت ہم کو کوئی علم نہیں ہے۔

۱۔ میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۲۸۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۳۔

۲۔ میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۱۲۹ یا مغازی و اقدی صفحہ ۱۹۱۔

۳۔ ابن ہشام صفحہ ۵۵۲۔

(۳) خود مجیصہ کی خصلت ایسی قابل عزت نہیں ہے کہ اُس کے بیان کو ذرا بھی سچا اور قابل اعتماد قرار دیا جاسکے۔

(۴) آخر میں ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جو داستان بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو عام اجازت دیدی تھی کہ جو یہودی کہیں ملے اُس کو قتل کر دیا جائے، اور اسی لئے مجیصہ نے ابن سنینہ کو قتل کر دیا تھا، اور حوئیصہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس حکایت کے خلاف ایک اور روایت ابن ہشام نے (صفحہ ۵۵۴ لغایت ۵۵۵ پر) بیان کی ہے، جس نے ابو عبیدہ سے روایت کی ہے، اور ابو عبیدہ نے ابی عمرو المدنی سے روایت کی ہے کہ قتل بنی قریظہ کے دوران میں (دیکھو فقہ ۶۸ کتاب ہذا) ایک شخص مسی کعب بن یہوذاکو قصاص کے لئے محیصہ کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب اس نے مجرم کو قتل کیا تو حوئیصہ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا اپنے بھائی کو ملامت کی مجیصہ نے جواب دیا کہ ”جس نے مجھے اس یہودی کے قتل کا حکم دیا تھا، اگر ڈتیرے قتل کا بھی حکم دیتا تو میں تجھے بھی قتل کر ڈالتا“ حوئیصہ اپنے بھائی کے جواب پر بالکل حیران رہ گیا، اور متعجب ہو کر چلا گیا۔ رات کے وقت وہ بار بار بیدار ہوتا تھا، اور اس بات پر تعجب کرتا تھا کہ اس کا بھائی دین اسلام کا کیسا پکا جان نثار اور وفادار ہے۔ صبح کو اس نے کہا کہ ”وَاللّٰہ! یہ عجیب غریب دین ہے۔“ اور اسلام قبول کرنے کی غرض سے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (ابن ہشام صفحہ ۵۵۴ تا ۵۵۵)۔

ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ قتل یہودی کی ادعائی اجازت اور ابن سنینہ کا قتل، اور اس کی وجہ سے حوئیصہ کا اسلام لانا محض لغو اور بناوٹ ہے۔

۸۳۔ اگرچہ سرو لیم میور کو ایسی تمام غیر معتبر اور موضوع روایتیں جمع کرنے

بڑا شوق ہے جن کا اثر پیغمبر اسلام کی خصلت پر پڑتا ہو، مگر اس روایت کی صحت سرولیم میور کا قول میں اُن کو بھی شک ہے، اور وہ اس کا خلاف قیاس اور خلاف مصلحت ہونا بیان کرتے ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں:-

”مگر یہ حکم بذات خود ایک عجیب حکم ہے، اور ہر شخص یہ خیال کرے گا کہ اُس میں کچھ تینود و مشراٹھ ضرور ہونگی جو یہاں صاف طور پر ظاہر نہیں کی گئیں۔ اس وقت پیغمبر (صلعم) کے مقصد کے لئے یہ بات یقیناً قرین مصلحت نہیں تھی کہ اس حکم کی سختی کے ساتھ تعمیل ہونے سے مدینہ کے بازاروں میں خون کا دریا بہ جائے، تاہم بہترین روایات کا صریح مضمون در یہی ہے۔“

”اس امر کا احتمال ہے کہ یہ حکم ایسے وقت میں جاری کر دیا گیا ہو جبکہ محمد (صلعم) کو یہودیوں کی دغا بازی کی وجہ سے اُن کے خلاف اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔ اور ہشامی میں اس مضمون کی ایک روایت ہے کہ یہ حکم اس وقت شائع کیا گیا تھا جبکہ محمد (صلعم) نے بنی قریظہ کے تمام مردوں کے قتل کی ہدایت کی تھی، اور اگر دوسری روایت ایسی ہی قوی اور قطعی موجود نہ ہوتی تو ہشامی کی روایت کا مضمون غالباً صحیح تسلیم کر لیا جاتا۔“

مگر جو روایت میور صاحب نے نقل کی ہے وہ سب سے عمدہ یا سب سے قوی روایت نہیں ہے، جیسا کہ میں اس سے پہلے ظاہر کر چکا ہوں۔ ہشامی یہ نہیں کہتا کہ وہ حکم بنی قریظہ کے قتل کے وقت جاری کیا گیا تھا، وہ تو صرف مجیبہ اور حوٹیبہ کا قصہ بیان کرتا ہے، جو اُس وقت پیش آیا تھا۔

یہود بنی نضیر کی جلا وطنی

۸۲۔ سرولیم میور، یہود بنی نضیر کی جلا وطنی کو قابل الزام قرار

یہودی نضیر دیتے ہیں، اور یہ لکھتے ہیں :-

”وہ جس جیلہ سے بنی نضیر کا محاصرہ کیا گیا اور اُن کو جلا وطن کیا گیا (یعنی یہ کہ جبریل نے ان کے منصوبہ کی اطلاع دی تھی کہ وہ پیغمبرؐ کی جان کے درپے ہیں) وہ ایک کمزور وجہ تھی، اور اس قابل نہ تھی کہ اُس کو ایمان داری کی وجہ کہہ سکیں۔“

قرآن مجید کی پوری سورت میں خاص طور پر یہود بنی نضیر کا حال بیان کیا گیا ہے، مگر اُن کے اس جرم کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا جو سرولیم میور نے بیان کیا ہے کہ ”انہوں نے پیغمبر (صلعم) کی جان لینے کا قصد کیا تھا۔“ اور نہ اس امر کا کہیں اشارہ ہے کہ اس وجہ سے اُن کو جلا وطن کیا گیا تھا۔ اس مضمون کی روایتوں کی کوئی سند یا تائید موجود نہیں ہے، وہ یک طرفہ ہیں اور ایک افسانہ کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہیں۔ اگر کوئی ایسی روایت آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو صدرِ اول کے نام سے موسوم ہے، زبان زد ہوتی تو بلا شک اس مضمون کے بیسیوں راوی ہوتے۔^۱ اُن کا جرم دغا بازی اور بد عہدی تھی۔^۲ اور

سیرت محمدی از سرولیم میور جلد چہارم صفحہ ۳۰۸۔

۱۔ یہ روایات کہ آنحضرت (صلعم) کوئی خونبھا ادا کرنے کے لئے قبیلہ بنی نضیر سے مدد لینے گئے تھے اور انہوں نے آپؐ کی جان لینے کا اقدام کیا تھا (دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۰۸-۲۰۹) جیسا کہ ابن اسحاق نے (ابن ہشام صفحہ ۶۵۲ پر) روایت کی ہے، وہ روایت مرسل ہے، (دیکھو زرقانی جلد دوم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) لہذا یہ روایت آنحضرتؐ کے زمانہ میں شائع نہیں ہوئی تھی۔

۲۔ موسیٰ ابن عقبہ جو آنحضرتؐ کا ایک نہایت ہی قدیم تذکرہ نویس ہے اور جس کا انتقال ۱۷۵ھ میں ہوا ہے (موسیٰ ابن عقبہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۰ مطبوعہ

حیدر آباد دکن ۱۳۲۴ھ عبد اللہ خاں) یہ لکھتا ہے کہ :- (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۹ کتاب ہذا)

وہ مدینہ کے لئے ایک خوفناک عنصر تھے، کیونکہ بدعہ یہود اور حملہ آور قریش کے درمیان یا اسلام کے دوسرے دشمنوں کے باہم کسی وقت میں ایسا ربط و اتحاد مدینہ کی امن و حفاظت کے نہایت مہلک اور خطرناک ثابت ہوتا مگر اُن کی جلا وطنی نہایت نرم سزا تھی۔

۸۵۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ۴ نے بنی نضیر کے محاصرہ کے وقت گرد و نواح

کے کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالا تھا اور جو درخت سب سے پھل دار درخت نہیں کاٹے گئے۔ عمدہ تھے اُن کو جلا دیا تھا، اور قرآن مجید کی سورہ حشر ۵ کی

آیتوں کا اعلان کر کے اپنی کارروائی کو حق بجانب قرار دیا۔

مگر جو کھجور کے درخت کاٹے گئے تھے وہ پھل دار نہیں تھے اور بنی نضیر کے

لئے یا عام اشخاص کے لئے اُن سے پکری کی غرض سے کوئی خوراک حاصل

نہیں ہوتی تھی، قرآن مجید کی آیت جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس میں جو لفظ

لینے (حشر ۵ آیت ۵ میں) آیا ہے وہ درخت بے ثمر کا نام ہے۔ لہذا

کوئی پھل دار درخت ضائع نہیں کیا گیا (دیکھو زرقانی جلد دوم صفحہ ۹۸) صرف

بے ثمر درخت کاٹے گئے تھے (جن کی تعداد صرف ساٹھ ہے) اور ایسے درختوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸)۔ بنی نضیر کے خلاف ہم لے جانے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے قریش کو آنحضرت

در سے لڑنے کے لئے اغوا کیا تھا، اور مدینہ سے کزور اور غیر محفوظ مقامات پر پیرا قائم کر دیا

اور تھا ابن مردیہ، عبد بن حمید اور عبد الرزاق نے اس مضمون کی روایات بیان کی ہیں کہ

در بارہ کے واقعہ کے بعد قریش نے یہودیوں کو آنحضرت ۴ سے جنگ کرنے کے لئے لکھا تھا

”اور بنی نضیر نے عبد نامہ کو توڑنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔“ (دیکھو زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹۶ و ۹۷ مطبوعہ)

لے دیکھو میور صاحب کی سیرت محمدی جلد سوم صفحہ ۲۱۳-۱۰۲ و صفحہ ۲۰۲ فٹ نوٹ۔

۵۹۔ آیت ۵ مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۲۲ جلد ۲۔

کا کاٹا جانا حضرت موسیٰ کی شریعت میں بھی جائز ہے (دیکھو کتاب استئنا باب ۲۰ دریں ۲۰-۱۰)

صلح نامہ حدیبیہ سے عورتوں کا کیا تعلق تھا

۸۶۔ عورتیں صلح نامہ حدیبیہ میں شامل نہیں تھیں۔ یہ جو صلح نامہ میں بشرط تھی۔

صلح نامہ حدیبیہ سے عورتوں کا تعلق
کہ قریش کا جو شخص مسلمانوں کے پاس چلا آئے گا اس کو قریش کے حوالہ کر دیا جائے گا، اس شرط کا تعلق صرف مردوں سے تھا اس صلح کے زمانہ میں جو عورتیں مکہ سے مدینہ آتی تھیں حسب ہدایت سورہ ممتحنہ ۱۰-۱۱

۱۰۔ اُن کا امتحان کیا جاتا تھا، اور اگر اُن کا صدق دل سے اسلام لانا معلوم ہو جاتا تھا، تو اُن کو مدینہ میں رہنے دیا جاتا تھا۔

اُن کو مشرکوں سے نکاح کرنے کی ممانعت تھی۔ ان مسلمان عورتوں کے سر پرستوں کو اسلامی جمہوریت کی طرف سے وہ رقم ادا کی جاتی تھی جو انہوں نے اُن عورتوں پر صرف کی ہو۔ سر ولیم میور سورہ ممتحنہ ۱۰-۱۱ سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عورتیں اہل مکہ کی بیویاں تھیں، صاحب موصوف لکھتے ہیں:-

”عورتوں کے شوہروں کا کفر اُن کے پہلے نکاح کو باطل کر دیتا تھا، اور اب وہ باقاعدہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ از سر نو عقد نکاح کر سکتی تھیں اور صرف یہ شرط تھی کہ اُن کے

لہ تورات مقدس کی اصل عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

”چوں شہر یا مدت مدید محاصره کنی و بقصد تسخیرش جنگ نمائی نئے باید کہ درختانش را بضرب برابر پا در آری از آنرو کہ ثمر آنہا را خواہی خورد نئے باید برید چہ آیا درخت چمن چوں انسان سے مانند تا مدور محاصره ترا مقادمت کند فقط آن درختاں را کہ بدانی کہ لائق خوردن نیست قطع و قلع آں جائے در است تا مقابل شہر سے کہ با تو جنگ نماید آلات محاصره بسازی تا آنکہ بتصرف در آید۔ (کتاب استئنا باب ۲۰ دریں ۲۰ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۲۸ء)۔

”پہلے خاوندوں نے ہر کے طور پر جو روپیہ اُن پر صرف کیا ہے وہ اُن کو عطا کر دیا جائے گا“
 مگر اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُن عورتوں کے خاوند
 مکہ میں موجود تھے، اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ اُن کے پہلے خاوندوں کے
 کفر کی وجہ سے اُن کے نکاح منسوخ ہو گئے تھے۔ چونکہ سورہ نساء ۴۰-آیت ۴۸
 میں شوہر دار عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت ہے اور سورہ ممتحنہ ۶۰-آیت ۱۰ جو
 بیحدت ہے اُس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ شوہر دار عورتیں تھیں، لہذا میں اذریعے
 انصاف یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ آیت صرف ایسی عورتوں سے بحث کرتی ہے جن کا
 نکاح نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید کا یہ قانون نہیں ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک
 کا کفر اُن کے پہلے نکاح کو قطع کر دیتا ہے۔ قرآن میں صرف اس امر کی تاکید ہے کہ نہ
 تو مسلمان مرد مشرک عورتوں سے نکاح کریں اور نہ مسلمان عورتیں مشرک مردوں
 سے، جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں (دیکھو البقرہ ۲-آیت ۲۲۰)۔

۸- سروریم سورہ (ممتحنہ ۶۰ کے) آیات ۱۰ الغایت ۱۲ کے نقل کرنے کے

بعد یہ لکھتے ہیں :-

مسٹر سٹینٹ کی رائے کی

تائید -

”سٹینٹ نے جو کرہ تحقیق کی تفسیر لکھی ہے (دیکھو پولوس حواری کا

”پہلا خط کرہ تحقیق کے نام باب ۷ ورس ۱ تا ۴۰) اُس میں آیہ مندرجہ بالا کو نقل کر کے

”یہ لکھا ہے کہ اس میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ ”رسول (یعنی پولوس حواری) کے

”قاعدہ سے مشابہت رکھتا ہے“ دیکھو جلد اول صفحہ ۱۲۵۔ مگر درحقیقت ان دونوں میں کوئی

”مشابہت نہیں ہے، انجیل کا قاعدہ آنحضرت ۳ کے قاعدہ سے بالکل مختلف ہے۔

”انجیل کا حکم یہ ہے ”اگر کسی بھائی کی بیوی با ایمان نہ ہو اور اُس کے ساتھ رہنے کو

”راضی ہو تو اس کو نہ چھوڑے“۔ اور ایمان دار زوجہ کا غیر ایمان دار شوہر کے ساتھ

لے میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۲۲۲۔

وہی ایسا ہی حکم ہے۔ (پولس حواری کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام باب ۷ ورس ۱۲ تا ۱۶)۔
 ”مگر محمد (صلعم) زن و شوہر میں سے کسی فریق کے کافر ہو جانے پر عقد نکاح کا درحقیقت
 درمنسوخ ہو جانا بیان کرتے ہیں اور نکاح کے معاہدہ کی بابت آپ کے دھیلے ڈھالے
 درخیالات سے درحقیقت صرف ایسی ہی توقع کی جاسکتی تھی“

میں خیال کرتا ہوں کہ سٹینے کی رائے بالکل ٹھیک ہے اور انجیل اور قرآن
 کے احکام اس بارۂ خاص میں ایک دوسرے سے مشابہت تام رکھتے ہیں، کیونکہ
 یہ حکم کہ ”مومن عورتیں مشرکوں کے واسطے جائز نہیں ہیں، اور نہ مشرک مرد مومن
 عورتوں کے لئے جائز ہیں“ اُن عورتوں سے تعلق نہیں رکھتا ہے جن کا پہلے سے
 نکاح ہو چکا ہے۔ اور یہ الفاظ کہ ”کافر عورت پر کوئی حق قائم نہ رکھو۔۔۔۔۔ اگر کوئی
 تمہاری عورت تم کو چھوڑ کر کافروں کے پاس چلی جائے۔۔۔۔۔“ ان الفاظ کا
 وہی مطلب ہے جو کرنتھیوں باب ۷ ورس ۵ کا مطلب ہے اور اُس کے الفاظ
 یہ ہیں ”لیکن مرد جو با ایمان نہ ہو اگر وہ علیحدہ ہو تو علیحدہ ہونے دو، ایسی حالت
 میں کوئی بھائی یا بہن پابند نہیں“

لے میور صاحب کی سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۴۴۴ فٹ نوٹ۔

لے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ حسب ذیل ہیں:-

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت
 کر کے آئیں تو تم اُن کے ایمان کا امتحان کرو اللہ تعالیٰ اُن کے
 ایمان کا حال بہتر جانتا ہے اگر تم اُن کو جان لو کہ مسلمان ہیں
 تو اُن کو کافروں کی طرف واپس نہ کرو نہ یہ عورتیں کافروں کے لئے حلال
 ہیں اور نہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں اور جو کچھ کافروں نے
 اُن پر خرچ کیا ہے وہ اُن کو ادا کرو اور اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں
 ہے کہ اُن عورتوں کو اُن کے مہر دے کر اُن سے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ
 الْمُؤْمِنَاتُ مِمَّا جَرَّاتِ فَاتَحْتُمُوهُنَّ
 اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ
 مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ
 لَا يَحِلُّ لَكُنَّ وَلَا لَهُمْ بِجَنَّتِكُنَّ شَيْءٌ
 وَأَنْتُمْ كَمَا اتَّقَوْا وَلَا جُنَاحَ
 عَلَيْكُمْ أَنْ تَرْجِعُوهُنَّ إِذَا اتَّيَمُّوا بِهِنَّ

(ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳۳ کتاب ہند)

۸۸۔ عقد نکاح کے متعلق آنحضرت م کے خیالات مبہم نہ تھے۔ معاہدہ ازدواج

نکاح ایک مضبوط کی جو حالت قوم عرب میں تھی، آپ نے اُس معاہدہ کو اس سے باہمی معاہدہ ہے زیادہ مضبوط اور نہایت تشبہ صورتوں کے سوا ناقابل فسخ قرار

دیا اور اُس کو ایک ”مضبوط باہمی معاہدہ“ فرمایا۔ خود آنحضرت م کی دختر زینب کا شوہر (ابو العاص بن الربیع) کافر تھا، اور جب بعد ہجرت مکہ میں کافروں کی فط سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچنے لگیں تو وہ اپنے پدر بزرگوار (آنحضرت م) کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲)

نکاح کر لو، اور کافر عورتوں کی ناموس پر قبضہ نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرو، اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے بارہ میں صادر فرماتا ہے، اور اللہ علیم حکیم ہے اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی تم سے علیحدہ ہو کر کافروں میں جا لے، اور پھر تم کو ان سے کوئی عنایت ہاتھ لگے تو جن مسلمانوں کی بیویاں چلی گئی ہیں۔ جتنا انہوں نے خرچ کیا ہو ان کو ادا کر دو اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

(ممتحنہ ۶۰۔ آیات ۱۰-۱۱)۔

اَجْزِئْهُنَّ وَلَا تُغْنِیْکُمْ اَرْبَعُ مِائَۃٍ اَلَا اَنْفُسُکُمْ وَلَیْسَ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ وَ لَیْسَ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَزْ لَکُمْ مَعَكُمْ اَللّٰهُ یُعْطِیْکُمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ وَاِنْ فَاکُمْ سِیْرٌ اَوْ اَرْحَمٌ وَاِیْ اَلْکَافِرَ مَعَ اَلْقَبِیْظِ فَاِنَّ اَلَّذِیْنَ فَرَّوْا مِنْکُمْ اَوْ اَرْحَمٌ مِّثْلُ مَا اَلْفَقُوا وَاَلْفَقُوا اَلَّذِیْ اَنْتُمْ بِہِمْ مَعْرُوفُونَ ۝

(ممتحنہ ۶۰۔ آیات ۱۰-۱۱)

لے دیکھو النساء ۴۔ آیت ۲۵۔ اس آیت کے الفاظ صیغۃ غلبۃ کا یہی ترجمہ اوویل صاحب نے کیا ہے۔ میں نے اپنی ایک دوسری کتاب جس کا نام ہے ”مجوزہ ملکی قانونی اور تہذیبی اصلاحات زیر حکومت ام“ میں صفحات ۱۲۹-۱۳۳ پر (جو ۱۸۸۳ء میں بی بی پبلشرز نے شائع کیا ہے) اس امر پر پوری بحث کی ہے کہ آنحضرت نے طلاق کے رواج کو کم کر دینا کس طرح کو شش کی، اور قوم میں آسانی سے عورتوں کو طلاق دیدینے کا جو دستور تھا، اُسکی ممانعت کے لئے قرآن مجید میں کیا کیا تدبیریں اختیار کی گئیں۔

(نوٹ)۔ من المنہرج۔ یہ کتاب جس کی طرف مرحوم مصنف نے اشارہ کیا ہے اردو زبان میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ مولانا عبدالحی خان بی اے (علیگ) نے ۸۸ صفحات کے ایک عالمی مقدمہ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ اردو ترجمہ کا نام ”اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام“ ہے جو دو حصوں میں شامل ہے قیمت ہر دو حصہ تین روپے۔ (مولوی عبداللہ خاں بک سیکر ایڈیٹر پبلشرز کن کتب خانہ اصفیہ حیدر آباد دکن سے مل سکتی ہے) +

پاس چلی آئیں۔ آنحضرتؐ نے زینب اور اُن کے کافر شوہر کے نکاح کو منسوخ نہیں کیا، اور جب آنحضرتؐ کا یہ داماد اپنی زوجہ کے مدینہ چلے آنے کے چھ سال بعد مدینہ میں آیا، تو آپؐ نے اُن کے سابق نکاح کی بنا پر دونوں کو شامل کر دیا۔ نہ تو از سر نو اُن کا نکاح ہوا اور نہ از سر نو مہر باندھا گیا۔ (دیکھو ابن عباس کی روایت مندرجہ کتب احادیث مؤلفہ احمد۔ ابو داؤد، ابن ماجہ و ترمذی)۔ فتح مکہ کے وقت صفوان بن امیہ، اور عکرمہ بن ابی جہل کی بیویاں مسلمان بن گئیں اور اُن کے نکاحوں کو آنحضرتؐ نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ (دیکھو ابن شہاب کی روایت مندرجہ کتاب موطا از امام مالک صفحہ ۱۹۷، یا شرح موطا مستمسک مسوی جلد ۸ صفحہ ۱۰ تا ۱۱ مطبوعہ دہلی ۱۲۹۳ھ اور طبقات ابن سعد کتاب وقادی، اسی طرح ابو سفیان اور حکیم بن حزام نے خود مسلمان ہو جانے کے بعد اپنی بیویوں کو اپنے پاس رکھا اور آنحضرتؐ نے ان کے پہلے ازدواجی تعلق کو قطع نہیں کیا۔ (دیکھو اس مضمون کی متعدد روایتیں کتاب بیہقی میں)۔ صرف طبقہ مابعد کے فقہاء نے غلطی

۱۔ بعض کمینہ خصلت قریش زینب کی روانگی کا حال سن کر تعاقب کے لئے روانہ ہوئے، اور اُن کو وہاں لانے کا ہمت ادا نہ کر لیا۔ پہلا شخص جو اُن پہنچا وہ ہتیار بن اسود تھا جس نے اُونٹ کو برجھی ماری اور زینب ایسی خوف زدہ ہوئیں کہ اُن کا حل ساقط ہو گیا اور آخر کار اسی صبح سے آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ (مہر صاحب کی سیرت محمدی جلد ۲ صفحہ ۷۷) یا ابن ہشام صفحہ ۲۶۷۔ تاریخ الخلفاء جلد ۲ صفحہ ۹۳۔ ۲۔ زاد المعاد ابن القیم جلد دوم صفحہ ۱۷۸۔ ابن ہشام صفحہ ۲۷۷۔ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۰۴۔ تاریخ الخلفاء جلد ۲ صفحہ ۹۱ و ۹۲ مطبوعہ مصر۔

۳۔ موطا امام مالک صفحہ ۱۹ مطبوعہ دہلی ۱۳۳۵ھ اور زاد المعاد ابن القیم جلد ۲ صفحہ ۷۷ تا ۷۹ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۵ھ میں یہ تمام حالات نہایت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ بحث فی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الذکوان یسلم احدہما قبل الاخر۔ امام شافعیؒ نے زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے کہ احد الزوجین کا کفر معاہدہ نکاح کو ساقط نہیں کرتا اور یہ تمام مثالیں جن کو مصنف نے متن میں نقل کیا ہے اُن سب کو امام موصوف نے بھی اپنی کتاب "اُم" میں درج کیا ہے (دیکھو کتاب الاُم جلد چہارم صفحہ ۱۸۵ مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ)۔ (عبداللہ خاں)

سے سورہ ممتحنہ ۴ کی آیت ۱۰ کا مطلب یہ سمجھا کہ فریقین میں سے کسی ایک کا کافر ہو جانا عقد نکاح کو فسخ کر دیتا ہے۔ (شرح معانی الاشارة امام طحاوی جلد ۲ صفحہ ۱۲۹۔ کتاب التبیان مطبوعہ مصطفائی سنہ ۱۳۳۵ھ)۔

باب دوازدهم

جہاد و متعارف

۸۹۔ تقریباً تمام مسیحی اور عام اسلامی مصنفوں کا خیال یہ ہے کہ مذہبی جنگ

میں سبقت کرنی ایک اسلامی عقیدہ ہے، اور یہ کہ زبردستی مسلمان بنانے یا جزیہ وصول کرنے کی غرض سے قرآن مجید

قرآن مجید صرف دفاعی جنگوں کا حکم دیتا ہے

نے ایسی لڑائی کی اجازت دی ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے کسی ایسے اصول کی تلقین نہیں کی، اور آنحضرتؐ نے بھی اُس کی تعلیم نہیں دی اور نہ اُس کا وعظ فرمایا۔ آپؐ کا مشن (پیغمبری کا کام) یہ نہیں تھا کہ جنگ و جدل کیا جائے، یا بزر وراش شیر لوگوں کو مسلمان بنایا جائے، یا اُن سے جزیہ وصول کیا جائے، یا اُن لوگوں کو جو اسلام قبول نہ کریں، نیست و نابود کیا جائے۔ آپؐ کی رسالت کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل عرب کے دلوں کو خدا نے واحد کی سچی عبادت کے نور سے منور کیا جائے، ان کو نیکی اختیار کرنے اور بدی سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے، اور اس مقصد کو آپؐ نے صداقت اور راستبازی سے پورا کیا۔ یہ بات کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحاب کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں، وہ وطن سے بیوٹن کئے گئے، اُن پر حملہ کیا گیا، اُن کے ساتھ جنگ کرنے میں پیش قدمی کی گئی، اور یہ کہ آنحضرتؐ

اور آپ کے اصحاب نے دشمنوں کے حملوں کی مدافعت اپنے کائنات (اعتقاد) کی آزادی مسلمانوں کی جان کی حفاظت، اور مذہبی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے دفاعی جنگیں کیں، غنیمت کی بہت زیادہ جمیعت کا اپنی قلیل تعداد سے مقابلہ کیا، دفاعی عہد نامے کر کے جنگ کے مقصد اعظم کو حاصل کیا، یعنی یہ کہ مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ میں رہنے کے لئے آزادی مل جائے، کوئی اُنکو ستائے نہیں اور اُن کو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں آزادانہ آمد و رفت رکھنے اور اپنے مذہبی اعمال کو بے روک ٹوک ادا کرنے کی اجازت حاصل ہو جائے، یہ جملہ امور بالکل جُداگانہ اور غیر متعلق ہیں، اور مضمون زیر بحث یعنی جہاد و متعارف سے اُن کا تعلق نہیں ہے، یعنی مذہب قبول کرانے اور جزیہ وصول کرنے اور بُت پرستوں کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے مذہبی جنگ کرنی، جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ یہ تمام دفاعی جنگیں تھیں اور قرآن مجید کی آیتیں جو اُن سے متعلق ہیں، دائمی احکام نہ تھے، بلکہ بجائے خود ایک معین زمانہ اور خاص حالات سے مخصوص تھے۔ ان لڑائیوں کو ابتداً بجنگ کی نظیر قرار نہیں دے سکتے، اور نہ اُن آیتوں سے ابتداءً حملہ کرنے کا حکم یا عقیدہ مستنبط ہو سکتا ہے، اور اُن کا یہ مقصد ہے بھی نہیں۔ ابتدائی حملہ تو الگ رہا یہ لڑائیاں اسلامی جماعت یا جمہوریت کے لئے دفاعی جنگوں کی نظیر بھی نہیں ہو سکتیں، اور نہ وہ آیتیں اس قسم کی لڑائیوں کی ہدایت یا دستور العمل کا کام دے سکتی ہیں کیونکہ جن حالتوں میں آنحضرت نے دفاعی جنگیں کی تھیں وہ مقامی اور عارضی تھیں۔ مگر تقریباً تمام یورپین مصنف یہ بات نہیں سمجھتے کہ قرآن مجید حملہ کی لڑائی یا ابتداً بجنگ کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ اس کو ناموافق حالات میں، صرف دفاعی جنگ

کا حکم دینا پڑا تھا، اور اس کے حق بجانب ہونے کی وجوہیں صاف صاف بیان کی گئی تھیں، اور تعدی یا ابتدائی حملہ کی ممانعت سختی کے ساتھ کی گئی تھی۔

۹۰۔ اول تو جہاد کی بابت جو احکام قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں، وہ سب

شریعت اسلام

اور جہاد۔

کے سب محض مدافعت یا حفاظت خود و اختیار کی طور پر ہیں، اور ان میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں، جس کا حملہ کی

لڑائی یا غیر مسلموں پر چڑھائی کرنے سے کچھ تعلق ہو، مثلاً یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ یہ لڑائیاں ایک عارضی حیثیت رکھتی تھیں، اور ان کو خواہ مخواہ زمانہ

مابعد کے عملدرآمد کے لئے قطعی احکام یا آئندہ نسلوں کے لئے مذہبی ہدایات خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ ان لڑائیوں کی ضرورت اسی لئے پیش آئی تھی کہ مخالفان اسلام

کے حملوں کی مدافعت کی جائے، اور وہ صرف عارضی تجاویز تھیں۔ عام فقہانے جہاد

غیر مسلموں پر بلا اشتعال طبع حملہ کرنے کی اجازت دی ہے، وہ ان کی غلطی ہے، مگر وہ بھی اس قسم کے جہاد کو فرض عین قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو فرض

کفایہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں۔ فرض عین وہ حکم ہے جس کا بجالانا ہر ایک

ایک مسلمان پر لازم ہو، مگر غیر مسلموں پر بلا اشتعال طبع یا ابتداءً حملہ کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض نہیں ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے ”جہاد کے مقتصد حکم کی تعمیل اس

وقت کافی سمجھی جاتی ہے، جبکہ مسلمانوں کا کوئی گروہ یا کوئی قبیلہ اس کی تعمیل کرے

لے زاد المعاد ابن القیم جلد اول صفحہ ۳۱۰۔ مطبوعہ کانپور ۱۲۹۸ھ۔

۱۔ مگر کے ایک عالم فقیہ مسیحی عطا بن ابی رباح جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں زندہ تھے، اور ”امام الفقہاء“ کے اعلیٰ درجہ پر ممتاز تھے (دیکھو فقہ ۱۲ کتاب ۱) ان کا عقیدہ تھا کہ جہاد صرف اصحاب پیغمبر پر واجب تھا، اور ان کے بعد کسی دوسرے شخص پر واجب نہ تھا (دیکھو فقہ ۱۲ کتاب ۱)۔ عطا بن ابی رباح کے

تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۹۹ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۶ھ۔ اور تہذیب الاسماء امام نووی صفحہ ۲۲۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۴۹ھ۔ عبد اللہ خاں (اور تفسیر مجمع البیان طبرسی۔ ذیل سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۲۱۲۔ مطبوعہ طہران جلد اول صفحہ ۱۲۷)۔

اور پھر باقیماندہ اشخاص سے اس کی تعمیل ساقط ہو جاتی ہے۔“

۹۱۔ فقہ اسلام کی رو سے جہاد صرف اُس موقع پر فرض عین ہوتا ہے

جہاد فرض عین کب ہوتا ہے۔ ”جہاں دعوتِ عام ہو (یعنی جب کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور امام وقت ایک عام اعلان جاری کر کے

سب لوگوں کو جہاد کا حکم دے) کیونکہ اس حالت میں تمام باشندوں پر لڑنا فرض عین ہو جاتا ہے۔“ اس جہاد کے لئے قانون اقوام اور قانون قدرت دونوں کی اجازت اور منظوری ہے۔

۹۲۔ ہدایہ (یعنی شرح فقہ اسلام از نور الدین علی مرغینانی المتوفی ۷۵۳ھ

ہدایہ کا ایک قول اور مدفن سمرقند) میں لکھا ہے :-

اُس کا ابطال۔

”قتال غیر مسلموں کے ساتھ عمل میں لایا جاتا ہے، اگرچہ وہ پہلے حملہ آور نہ ہوں، جیسا کہ

”مقدس نوشتوں کی مختلف عبارتوں سے ظاہر ہے، جن کا عوامی ہی مطلب سمجھا گیا ہے۔“

قرآن مجید کی مقدس آیات اس دعویٰ کی تائید نہیں کرتیں، برعکس اس کے

وہ اس دعویٰ کے بالکل ہی خلاف ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں جو پہلے

اس کتاب کے فقہاء میں نقل کی گئی ہیں ایسی ہیں جو ابتداء جنگ کی صاف طور

پر ممانعت کرتی ہیں۔ بعض اور آیتیں ایسی ہیں جو اس قدر واضح نہیں جیسی کہ آیا

مذکورہ بالا جن کا اوپر جو الہ دیا گیا ہے، یا بالفاظ دیگر مشروط بشرائط نہیں ہیں۔ مگر

۱۔ ہدایہ یعنی فقہ اسلام کی شرح مترجمہ چارلس سٹنٹن جلد دوم کتاب نہم باب اول صفحہ ۱۲۰ مطبوعہ لندن ۱۹۱۷ء

یا اصل عربی جلد کتاب السیر صفحہ ۳۸ مطبوعہ مطبعہ مطبوعاتی کانپور ۱۲۹۹ھ۔

۲۔ ہدایہ یعنی فقہ اسلام کی شرح مترجمہ چارلس سٹنٹن جلد دوم کتاب نہم باب اول صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ لندن ۱۹۱۷ء

یا اصل عربی جلد کتاب السیر صفحہ ۳۹ مطبوعہ مطبعہ مطبوعاتی کانپور ۱۲۹۹ھ۔

۳۔ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ ترجمہ انگریزی۔ یا اصل عربی جلد ۲ صفحہ ۳۹ کتاب السیر۔

اصول تفسیر اور قرآن مجید کے عام مقصود و مفہوم سے، نیز آیات کے سیاق و سباق اور ہم مضمون آیتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک دو آیتیں جو بظاہر مشروط نہیں ہیں، اُن کا مفہوم بھی اُن دیگر آیتوں کے مطابق جو زیادہ تر صاف، واضح اور مشروط ہیں، اور نیز کتب متقدمہ کی تفسیر کے عام قوانین کے موافق مشروط ہی سمجھا جائے گا مصنف ہدایہ اور دیگر فقہاء صرف اُن ہی ایک دو آیتوں کو قرآن مجید سے نقل کرتے ہیں جو بظاہر عام اور غیر مشروط ہیں، اور اُن کثیر التعداد مشروط آیتوں اور قرآن مجید کی عام مقصود و مفہوم سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

اب ہم قرآن مجید کی دو طرح کی آیتوں کو پہلو بہ پہلو دکھاتے ہیں :-

عام یا غیر مشروط آیات

- (۱) سورۃ دوم البقرہ ۲- آیت ۲۸۵
(اس آیت کو نمبر ۲۸۵ کے ساتھ ملا کر پڑھو)
(۲) سورۃ نهم التوبہ ۹- آیت ۱۲۲
ان آیتوں کے سیاق۔ ان کی ہم مضمون آیتوں اور اُن کی توارخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیتیں قرآن مجید کے عام مفہوم کے موافق، محدود اور مشروط ہیں۔

محدود یا مشروط آیات

- (۱) سورۃ بست دوم۔ ۱- ۲۲-
آیات ۳۹ لغایت ۷۲- (۴- آیتیں)
(۲) سورۃ دوم البقرہ ۲- آیات ۱۸۶ لغایت ۱۸۹- ۲۱۲- ۲۱۴ (جلہ ۶- آیتیں)۔
(۳) سورۃ چہارم النساء ۴- آیات ۷۶- ۷۷- ۷۸- ۷۹- ۸۰- ۸۱- ۸۲- ۸۳- (۶- آیتیں)
(۴) سورۃ ششم الانفال ۸- آیات ۳۹ لغایت ۴۱- ۵۸ لغایت ۶۴- ۶۵- ۶۶- (جلہ ۱۲- آیتیں)

- (۵) سورۃ نهم التوبہ ۹- آیات ۱۵- ۱۹- ۳۴- ۳۵- (جلہ ۱۷- آیتیں) قرآن مجید کی یہ تمام آیتیں فقہ ۱۷- اور فقہ ۹ میں پہلے نقل کی گئی ہیں۔

۹۳۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ قرآن مجید میں صرف دو آیتیں ہیں یعنی

اصول تفسیر قرآن سورۃ دوم البقرہ ۲۔ آیت ۲۲۵۔ اور سورۃ نهم التوبہ ۹۔ آیت

۱۲۷ جن میں غیر مسلموں سے لڑنے کا حکم ظاہر اور غیر مشروط یا مجمل طور پر ہے۔ ”مشروط آیت“ کے عنوان سے جو آیتیں نقل کی گئی ہیں، اُن میں کچھ جملے جدا کر کے یا ادھی ادھی آیتیں نکال کر، اور سیاق کلام کو نظر انداز کر کے شاید کچھ اور آیتیں بھی آپ پیش کر سکیں، مگر ان مجمل آیتوں سے اور نیز دیگر آیات کے بے تعلق اور جداگانہ ٹکڑوں سے، تفسیر کے کسی اصول کے موافق یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع اور بغیر کسی حد یا پابندی کے علی الاطلاق جنگ کرنے کا حکم ہے۔ قرآن مجید اور نیز دیگر کتب مقدسہ کی تفسیر کا ایک اصول یہ ہے کہ جب ایک ہی مضمون کے دو حکم پائے جائیں، ایک مشروط یا خاص اور دوسرا غیر مشروط یا عام، تو خاص کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور ”حکم عام“ کی تعبیر بطور ”حکم خاص“ کی جاتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ”عام“ کا مفہوم مجمل سمجھا جاتا ہے اور ”خاص مصنف کے مشاء کو زیادہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔ وہ تفسیر اصول یہ ہے :-

”جہاں کوئی آیت مبہم ہو، یا اس کا طریقہ بیان غیر معمولی ہو، یا اس میں کسی مسئلہ پر وبالاجمال مختصر بحث کی گئی ہو، یا وہ مسئلہ تعلیم کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، ایسی حالت میں اس کی تفسیر دیگر آیات کے موافق کرنی چاہیئے، جہاں وہی مسئلہ زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، یا اس مضمون پر زیادہ وضاحت سے بحث بیان کی گئی ہو۔ کسی دو ایک آیت یا عام اور مطلق آیت کی تفسیر بہت سی مقید، مشروط، اور محدود آیات کے دبر خلاف نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ ضرور ہے کہ وہ تفسیر اُن کے موافق ہو اور مناسب قیود و مشرط کا لحاظ رکھ کر کی جائے۔“

۹۴- فقہا یا عام قانون کے جامع اگر اس بارہ میں غلطی پر ہوں تو کچھ تعجب

عام قانون یعنی فقہ نہیں، کیونکہ انہوں نے اس قانون کو بلا لحاظ اس امر کے

اور اس کے شارح کہ صرف قرآن مجید سے اُس کی تدوین کی جائے۔ عموماً یا

حقیقت مختلف ذرائع سے جمع کیا ہے، اس قانون (فقہ) کے شارح اُس کے

انعراض اور اصول و اخلاق کی حمایت میں اور جو فتوحات بزمائے خلفاء واقع

ہوئی ہیں، اُن کو قرآن مجید کی سند پر درست اور بحال قرار دینے کے لئے بڑی

کوشش کرتے ہیں۔ اُسی کوشش میں وہ سخت غلطی کرتے ہیں جو ہرگز قابلِ ذکر نہیں

نہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جداگانہ آیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نقل

کرتے ہیں جو نہ تو پوری پوری مطلب خیز ہوتی ہیں اور اُن کا مفہوم ہی ”عام“ ہوتا

ہے۔ وہ اپنے اس طریقِ عمل سے اُن کثیر التعداد مشروط اور ”خاص“ آیتوں

کو جو مضمون زیر بحث کے متعلق زیادہ صاف اور واضح ہیں، نظر انداز کرتے ہیں۔

۹۵- کفایہ شرح ہدایہ کے مصنف نے، جو ساتویں صدی ہجری میں تھا،

صاحب کفایہ کا قول متن کی اُس عبارت کی شرح میں جو پہلے فقرہ ۹۲ میں نقل ہو چکی

ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ:-

”گنہگار کے ساتھ قتال بالشیف کیا جائے، گو وہ پہلے حملہ آور نہ ہوں“ حسب ذیل لکھا ہے۔

”اُن کفار سے جو اسلام قبول نہ کریں، اور جزیہ ادا نہ کریں لڑنا لازم ہے، اگرچہ وہ مسلمانوں

دو پر ابتداء حملہ آور نہ ہوں“

مصنف ہدایہ نے اس ابتداءئی حملہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کلام اللہ

کے یہ الفاظ کہ ”اگر وہ لوگ تم سے لڑیں یعنی پہلے حملہ کریں تو تم اُن کو قتل کرو“

لے یہ ترجمہ ہے، البتہ ۲- آیت ۸۷ کے ان لفظوں کا ”فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاْتَلُوْهُمْ“ اس آیت

کے پچھلے حصے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو حمل میں سبقت کرنے کی مانعت کی گئی ہے۔

صاف اس بات پر ولالت کرتی ہیں۔ کہ غیر مسلموں سے صرف اُس وقت لڑنا لازم ہے جبکہ وہ لڑائی میں سبقت کریں مگر (صاحب کفایہ کے نزدیک) ایسا نہیں ہے بلکہ ان سے لڑنا ہی لازم ہے اگرچہ وہ پہلے حملہ نہ کریں۔

۹۶۔ مذکورہ بالا قول کے سلسلہ میں مصنف موصوف حسب ذیل لکھتے ہیں، اور

شارح مذکور کے قرآن مجید کے بے شمار احکام جو حملہ کی لڑائی (ابتدا بھنگ) کی اجازت نہیں دیتے، اُن احکام کے ساتھ اپنے خیال کی تطبیق اس طرح کرتے ہیں:-

”یہ بات جان لو کہ ابتدا میں پیغمبر کو مشرکوں سے اعراض اور عفو و درگزر کرنے کا حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، پس تم مہربانی سے عفو و درگزر کرو اور مشرکوں سے الگ رہو۔ (کفایہ جلد دوم صفحہ ۷۸۔ مطبوعہ کلکتہ کتاب السیر)۔

”پھر اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ وعظ و نصیحت اور عمدہ طریق سے بحث کرنے کا حکم دیا، اور یہ فرمایا۔ (اسے پیغمبر!) حکمت اور موعظہ حسنہ سے لوگوں کو اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلاؤ، اور عمدہ ترین طریقہ سے اُن سے بحث کرو۔“

”پھر اُس نے جنگ کی اجازت دی، جبکہ کفار ابتداً حملہ آور ہوئے اور یہ فرمایا، جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں، اب اُن کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، یعنی ممانعت کے طور پر لڑنے کی اجازت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ”کہ اگر وہ تم پر حملہ کریں تو اُن کو قتل کرو۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷)۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں، تو تم بھی اُس کی طرف مائل ہو جاؤ۔ (الانفال ۸۔ آیت ۶۳)۔“

۱۔ ہدایہ مع شرح موسوم بہ کفایہ جلد دوم صفحہ ۷۸۔ کتاب السیر مطبوعہ کلکتہ۔ ڈیکل پریس ۱۳۳۷ھ مسلمان مصنف بالعموم قرآن مجید کی آیاتوں کے نبیوں کا حوالہ نہیں دیتے، وہ عموماً پہلا جملہ بلکہ اس کا ایک ٹکڑا نقل کر دیتے ہیں جس نے آیاتوں پر نمبر لگا دئے ہیں اور غلو، جلی اور راڈ ویل نے اپنے اپنے تراجم قرآن میں جس طرح آیاتوں کے نمبر لکھے ہیں اُن ہی کے مطابق میں نے نمبر لگائے ہیں۔

دہ پھر ایک خاص زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو حملہ کی لڑائی کا حکم دیا، اور یہ فرمایا
 ”اور جب ادب کے مہینے گزر جائیں، تو مشرکوں کو جہاں پاؤں تھل کرو، اور اُن کو گرفتار
 کرو“ (التوبہ ۹- آیت ۵)۔

”اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر وقت اور ہر ایک مقام پر مطلقاً جنگ کا حکم دیدیا، اور
 ”یہ فرمایا“ اور اُن کے ساتھ جنگ کرو، یہاں تک کہ ظلم و ستم (فتنہ) باقی نہ رہے، (البقرہ ۲
 ”آیت ۱۸۹- اور اعراف ۷- آیت ۳۸)۔“

۹۷- یہاں صاحب کفایہ نے غیر مسللوں سے جنگ کرنے کے لئے قرآن مجید کی
 صاحب کفایہ کی رائے پالیسی (حکمت عملی) کے بزم خود پانچ متواتر دو قرار دئے ہیں:-
 کابل- دور اول..... عفو و درگزر اور اعراض (المحجر ۱۵-
 آیت ۸۵- الانعام ۶- آیت ۱۰۶)۔

دور دوم..... دعوت..... (النحل ۱۶- آیت ۱۲۶)۔
 دور سوم..... جنگ دفاعی... (الحج ۳۳- آیت ۴۰- البقرہ ۲- آیت ۱۸۷-
 الانفال ۸- آیت ۶۳)۔

دور چہارم..... حملہ خاص اوقات میں (التوبہ ۹- آیت ۵)۔
 دور پنجم..... حملہ مطلقاً..... (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹- الانفال ۸- آیت ۴۰)۔
 یہاں مصنف موصوف نے سورتوں کے نزول کی تواتر بخ- اور نیز قرآن مجید کا عام مقصد
 اور سورتوں کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہے، اور آیات کے سیاق و سباق کا بھی لحاظ نہیں
 جن آیتوں میں مشرکین سے اعراض کرنے، اُن سے الگ رہنے، اور عفو و درگزر
 اور چشم پوشی کے احکام مندرج ہیں، وہ آیات مدنی سورتوں میں بھی پائی جاتی
 ہیں، جو زمانہ مابعد میں نازل ہوئی ہیں، (دیکھو البقرہ ۲- آیت ۱۰۴- المائدہ ۵-
 لہ دیکھو کفایہ شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ ۸۰۸ کتاب التبیہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۸ء)۔

آیت ۴۶ - البشاء ۴ - آیت ۶۶ و ۸۳ - اعراف ۷ - آیت ۱۹۸ - ان آیتوں کا جنگ یا صلح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آنحضرتؐ کے منصب نبوت کا خاص اور اہم فرض یہ تھا کہ لوگوں کو خدا کے دین کی طرف دعوت دی جائے، اور یہ فرض کسی خاص زمانہ کے لئے محدود نہ تھا، جنگ اور صلح دونوں موقعوں کے لئے یکساں تھا۔ عین جنگ کی حالت میں بھی پیغمبر صلعمؐ پر لازم تھا کہ اگر دشمن طالب امن ہو تو اس کو پناہ دی جائے تاکہ وہ قرآن مجید کا وعظ سنے اور پھر اس کو اس کے مقام امن پر پہنچا دیا جائے (التوبہ ۹ - آیت ۶)۔

۹۸ - سورہ نہم (توبہ) کی پانچویں آیت میں پہلے حملہ کرنے یا ابتدا بجنگ کا حکم سورہ نہم کی پانچویں آیت پر بحث۔ نہیں ہے۔ یہ آیت اُن متعذر آیتوں میں سے ہے جو اُن زمانہ میں نازل ہوئی تھیں۔ جبکہ اہل مکہ عہد نامہ حدیبیہ کو توڑ چکے تھے، اور بنی خزاعہ پر جو آنحضرتؐ کے ساتھ عہد و پیمان رکھتے تھے، حملہ کر چکے تھے۔ اہل مکہ کو اطاعت قبول کرنے کے لئے چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی جس کی خلاف ورزی میں اُن پر حملہ کیا جاتا تھا، کیونکہ انہوں نے عہد نامہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ انہوں نے پہلے ہی اطاعت قبول کر لی، اور مکہ باہمی مصالحت سے فسخ ہو گیا۔ جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے (یعنی التوبہ ۹ - آیات الفایت ۵ وغیرہ) اُن پر (بوجہ مصالحت) عمل درآمد نہیں کیا گیا، لہذا ان آیتوں میں حملہ کی لڑائی یعنی ابتدا بجنگ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس مضمون پر کتاب ہذا کے فقہ ۴۰ میں پوری بحث ہو چکی ہے، اور مفصل واقفیت حاصل کرنے کے لئے ناظرین کو اُسی مقام کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

۹۹ - البقرہ کی آیت ۱۹۱ میں ابتدا بجنگ کا حکم اطلاق کے ساتھ نہیں ہے

اگر آیات نمبر ۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹ کو ملا کر پڑھا جائے، تو اُن سے ثابت ہوگا البقرہ کی آیت ۱۸۹ پر بحث۔

ہیں :-

۱۸۶- اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی خدا کی راہ میں اُن سے لڑو، اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
(البقرہ ۲- آیت ۱۸۶)

۱۸۷- اُن (لڑنے والوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا ہے (یعنی مکہ سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو، اور فساد، خونریزی سے بڑھ کر ہے، اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے قریب اُن سے نہ لڑو، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔
(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)

۱۸۸- پھر اگر وہ باز رہیں تو اللہ معاف کرے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۹- اور یہاں تک اُن سے لڑو کہ ملک میں فساد (خونریزی) نہ رہے، اور خدا کا دین (حکم) جاری ہو۔ پھر اگر فساد سے باز آجائیں تو اُن پر کوئی زیادتی نہ کرو، کیونکہ زیادتی ظالموں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔

۱۰۰- اس کے علاوہ اس آیت (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹) میں اور نیز الانفال ۸- آیت

۱۸۶- وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُوكُمْ وَلَا تَغْنَمُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُغْنَمِينَ ۝
(البقرہ ۲- آیت ۱۸۶)

۱۸۷- وَأُخْرِبُوا مِنْ حَيْثُ أَفْرَجُوا ۖ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُفْتَلُوا عَنْهُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ حَتَّىٰ تَقْتُلُوا فِيهِ جَافًا تَقْتُلُوا ۖ فَاقْتُلُوا مِنْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝
(البقرہ ۲- آیت ۱۸۷)

۱۸۸- فَإِنْ ائْتَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۸)

۱۸۹- وَتَقَاتِلُوا فِيهِ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ ائْتَوْا فَلَا عُدَاوَةَ لَنَا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۱۸۹)

البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹۔ اور
الانفال ۸۔ آیت ۲۰۔ ہیں
جنگ دفاعی کا حکم ہے۔
میں جنگ دفاعی کا حکم ہے مسلمانوں نے قریش کے ہاتھوں
جن اذیتوں، حملوں، مختصر جن شدید ظلموں کی برداشت کی تھی
وہ تمام مصائب نہایت واضح طور پر لفظ فتنہ سے ظاہر ہوتے
ہیں، جو ان دونوں آیتوں میں موجود ہے، لہذا مسلمانوں کے لڑنے یا کفار کے خلاف جنگ
کرنے کا مدعا صاف ظاہر ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے ہیں انکا
انسداد کیا جائے۔

ان آیتوں کا تعلق قریش کے ظلم و ستم سے صاف ظاہر ہے جس کے روکنے یا
دور کرنے کے لئے ان میں لڑنے کی تاکید کی گئی ہے، اور یہ صراحۃً جنگ دفاعی
یا حفاظت خود اختیاری کی لڑائی تھی۔

آیات مذکورہ بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ اہل مکہ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے اور
ان پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئے تھے، اور اسی لئے یہ بشرط مقرر کی گئی تھی کہ اگر
وہ اپنے حملوں اور دھاووں سے باز آجائیں تو آئندہ کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔ اس
امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ یہ آیتیں آنحضرت کی دفاعی جنگوں سے تعلق رکھتی ہیں
یہ بیان بالکل کافی ہے۔

۱۰۱۔ بالآخر، فرض کرو کہ قرآن مجید نے اہل مکہ کے مقابلہ میں، جو پہلے حملہ آور
یہ تمام احکام مختص الوقت
اور مختص المقام تھے۔
ہوئے تھے، حملہ کی لڑائیوں یا ابتدائی جنگ کی اجازت
دی تھی، مگر اس سے عام قانون دفعہ کے اس اصول

یا خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ ان آیتوں کی بنا پر آئندہ زمانہ میں حملہ کی لڑائیاں
جائز ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں جس قدر آیتیں جنگ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں
وہ سب کی سب یا تو ان مشرکین عرب سے متعلق ہیں جو مسلمانانِ قرن اول کی مخالفت

عینی کا قول اور

پیروی کی ہے، جس کی عبارت اُوپر نقل کی جا چکی ہے، اور قرآن مجید کی چند اور آیتیں بھی، جن کو صاحب کفایہ نے اپنی کتاب کفایہ عینی کا قول اور اُس کا ابطال

میں چھوڑ دیا تھا، حملہ کی لڑائی کی بابت فکر کی ہیں۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں :-

(۱) ”پس ان کفر کے پیشواؤں (سرغنوں) سے لڑو

اُن کی قسمیں بھی کچھ (قابل اعتبار) نہیں ہیں تاکہ وہ باز

آجائیں۔ (التوبہ ۹- آیت ۱۲)۔

(۲) ”متم پر لڑائی فرض کی گئی ہے، اور وہ متم کو

ناگوار ہے۔“

(البقرة ۲- آیت ۲۱۲)۔

(۳) ”ہلکے اور بھاری (بے ہمتیاری اور ہمتیاری بند جس حالت

میں تم ہو، نکل کھڑے ہو، اور اپنی جان و مال سے خدا کی

راہ میں جہاد کرو۔ (التوبہ ۹۔ آیت ۴۱)۔

پہلی آیت جب کہ اس کو تمام مکالم نقل کیا جائے، اس طبع پر ہے:-

۱۲۔ اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دالیں

اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں، تو ان کفر کے پیشواؤں

(سرغنوں) سے لڑوان کی قسمیں بھی کچھ (قابل اعتبار نہیں)

۱۱) قَتِلُوا الْإِمَّةَ الْكُفْرَانِ

لَا اِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَشْتَرُونَ ۝

(التوبہ ۹ - آیت ۱۲)

۲۳ رُكِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ

گھر کا مکمل

(البقرة ۲ - آیت ۲۱۲)۔

(۳۴) الْفِرُّوْا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَأَنْفُسَكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(التوبة ٩- آيت ٢١) -

۱۲۔ وَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ النِّكَاحَ فَإِنْ كَانَ أَهْلُ الْبَيْتِ مُطِيعِينَ رَبَّكَ فَإِنَّكَ لَأَعْيُنُهُمْ الْغَافِلِينَ

لَعَدُ عَمِيدِهِمْ وَطَعْنُوا فِي رِثْيَتِكُمْ

فَقُلْ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نُقَالُ لَكَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نُقَالُ لَكَ

ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔“

لَقَدْ يَحْكُمُ يَشْتَرُونَ ۝

(التوبہ ۹ - آیت ۱۲) -

(التوبہ ۹ - آیت ۱۲) -

اس آیت کے الفاظ سے پوری طرح ثابت ہے کہ وہ جنگ و فاعی سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ معاہدوں کا توڑنا، اور مذہب اسلام کی توہین کرنا اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جو پیش نظر تھا مخالفوں سے لڑنے کی وجوہات تھیں، تاکہ حملہ آور باز رہیں۔ یہ آیت سورہ نہم (توبہ) کی اُن ابتدائی آیتوں میں سے ہے، جن پر پہلے بحث ہو چکی ہے (دیکھو فقرہ ۴۰)۔

دوسری آیت (سورہ بقرہ آیت ۲۱۲) ابتدائی جنگ یا حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دیتی، کیونکہ اس سے آگے کی آیت (البقرہ ۲ - آیت ۲۱۲) اُن حملوں کا صاف صاف ذکر کرتی ہے جو حملہ آوروں نے مسلمانوں پر کئے تھے، فقرہ ۷ میں یہ آیت پوری نقل کی جا چکی ہے۔

تیسری آیت (التوبہ ۹ - آیت ۴) جنگ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی ہے جو یقیناً ایک دفاعی تجویز تھی، اور فقرہ ۴۰ میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

۱۰۳۔ سرخسی معروف بہ شمس الائمہ (المتوفی ۷۷۰ھ) نے جیسا کہ علامہ

ابن عابدین نے اپنی کتاب رد المحتار شرح الدر المنہار

میں نقل کیا ہے، احکام جنگ کی اشاعت کے متعدد دو مرتبہ کر کے

سرخسی کا قول اور

اس کا ابطال

ہیں، کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ :-

”تم جان لو کہ لڑائی کا حکم بتدریج نازل ہوا ہے، اول تو پیغمبر (صلعم) کو تبلیغ اور اعراض

” (یعنی مشرکین سے علیحدگی اور بے پروائی) کا حکم ہوا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”تم کو

لے رد المحتار شرح الدر المنہار جلد سوم صفحہ ۳۳۸ کتاب الجہاد مطبوعہ ۱۳۹۹ھ - ۱۴۰۰ھ یا اصل محیطہ سرخسی نسخہ قلمی نایاب

کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ضمنی نقد خفی نمبر ۱ - کتاب السیرہ ورق ۳۲ - (عبد اللہ خاں)

”جو حکم دیا گیا ہے اُس کو صاف صاف سنا دو، اور مشرکوں سے اعراض کرو یعنی اُن کی مطلق پروا نہ کرو (الحج ۱۵۔ آیت ۹۲)۔

”اس کے بعد آنحضرتؐ کو نرمی اور مہربانی سے بحث کا حکم دیا گیا، (اے پیغمبر!) رحمت اور موعظہ حسنہ سے لوگوں کو اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلاؤ، اور عمدہ ترین طریقہ سے ان سے بحث کرو“ (النحل ۱۶۔ آیت ۱۲۶)۔

”پھر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی، جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں اب اُن کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے...“ (الحج ۲۲۔ آیت ۴۰)۔

”پھر اُن کو اُس حالت میں لڑنے کی اجازت دی گئی جب کہ کفار حملہ آور ہوں، اور یہ حکم ہوا کہ اگر وہ تم پر حملہ کریں تو اُن کو قتل کرو، (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸)۔

”بعد ازاں اُن کو اشہر الحرم (ادب کے مہینے) گزر جانے کے بعد لڑنے کا حکم ملا، اور جب ادب کے مہینے گزر جائیں، تو مشرکوں کو قتل کرو، (التوبہ ۵۔ آیت ۵)۔

”اس کے بعد مطلق جنگ کا حکم دیا گیا اور خدا کی راہ میں لڑو...“ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶ اور ۲۴۵)۔ پس یہ معاملہ اس طرح طے ہوا:

قرآن مجید میں مطلق جنگ یا حملہ کی لڑائی کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ سورہ نہم (توبہ) کی پانچویں آیت کی تفسیر پہلے بیان کر چکا ہوں کہ وہ حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دیتی، اور سورہ دوم (بقرہ) کی آیت ۸۶ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس آیت میں صرف اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جو مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ دوسری آیت یعنی سورہ مذکور کی آیت ۲۴۵ کا مفہوم آیت ۸۶ کے ذریعہ سے محدود ہے، (اور آیت ۲۴۵ اس کی منہسرتہ ہے) یہ آیت وفاعی کا روائی سے متعلق ہے۔ آیات مذکورہ بالا کتاب ہذا کے فقہاء میں نقل ہو چکی ہیں۔

۱۴۰۲۔ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی کا قول حسب ذیل ہے :-

ابن حجر کا قول

”ہجرت سے پہلے لڑنے کی ممانعت تھی، کیونکہ پیغمبر (صلعم) کو صرف وعظ و تلقین اور عذاب الہی سے ڈرانے، اور کفار کی ایذا رسانیوں پر اُن کو دوست بنانے کے لئے صبر کرنے کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (بعد اس کے) کچھ اور پستتر آیتوں میں لڑنے کی ممانعت ہو چکی تھی، اُس وقت لڑنے کی اجازت دی جبکہ کفار پہلے حملہ آور ہوئے اور یہ فرمایا، خدا کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں“ (البقرہ ۲-آیت ۱۸۷) اور زہری سے یہ روایت صحیح طور پر مروی ہے کہ لڑائی کی اجازت میں پہلی آیت جو ”نازل ہوئی یہ تھی کہ جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں اب اُن کو بھی لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ انہوں نے ظلم سے ہیں (الحج ۲۲-آیت ۴۰)۔ یعنی لفظ یَقَاتِلُونَ کی بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے بعد اشہر الحرم (ادب کے مہینوں) کے سوا اور مہینوں میں حملہ کی اجازت ان لفظوں میں دی گئی کہ جب ادب کے گور جائیں“ (التوبہ ۹-آیت ۵)۔

”بعد ازاں شیعہ میں فتح مکہ کے بعد، اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ سے کہ پہلے اور بھاری رد یعنی بے ہمتی اور مسلح، جس حالت میں ہو (نکل کھڑے ہو) (التوبہ ۹-آیت ۴۱)۔ اور نیز ان الفاظ سے ”تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو“ (التوبہ ۹-آیت ۳۶) جہاد کا حکم دیا گیا۔ آید جہاد یہی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی آیت، آید جہاد ہے، مگر دیگر اشخاص کی رائے میں یہ دونو آیتیں ایک ہی مضمون یعنی جہاد سے تعلق رکھتے ہیں۔“

۱۰۵۔ مصنف موصوف نے عبارت سابقہ میں جو آیتیں نقل کی ہیں، اُن کی

قول مذکور کا ابطال تفسیر پہلے بیان کر چکا ہوں، مگر صرف ایک آیت (یعنی التوبہ ۹

آیت ۳۶) پر بحث کرنی ہے، جس کو اُن مصنفوں نے، جن کے اقوال پہلے نقل کئے

لے تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج، حصہ چہارم، صفحہ ۱۳۷-۱۳۸ یا اسی کتاب کی شرح موسوم بہ نہایت المحتاج جلد ۹ صفحہ ۱۹ کتاب التیسر مطبوعہ مصر۔

جا چکے ہیں، ذکر کرنے کی دلیوری نہیں کی، کیونکہ وہ آیت اُن کے دعوائے کے بالکل عکس ہے۔ شاید ابن حجر کے بیان میں جلدی کی وجہ سے مسامحت ہو گئی ہے جسکی وجہ سے اُن کو معذور رکھا جاسکتا ہے، مگر یہ یہ کہنے میں تاثر نہ کروں گا کہ فقہا بالعموم جب اپنے خیالات کی تائید میں قرآن مجید کی آیات نقل کرتے ہیں تو آیت کے سیاق و سباق کا لحاظ نہ کر کے اس کا کسی قدر بے تعلق ٹکڑا نقل کر دیتے ہیں اور اس طرح دیگر اشخاص بالخصوص یورپین مصنفوں کو اصل مقصد سے منحرف کر کے ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوتے ہیں، جیسا کہ مسٹر لپین کی اس شہادت کے ظاہر ہے جو کتاب ہذا کے فقرہ ۱۱۳ میں نقل کی گئی ہے۔

ابن حجر مکی نے جس کا ذکر فقرہ گزشتہ میں کیا جا چکا ہے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے:-

”تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو جیسا کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں“ (التوبہ ۹- آیت ۳۶)
یہ آیت صراحتہً جنگ دفاعی کا ذکر کرتی ہے، اور اس میں مسلمانوں کی طرف سے حملہ کی لڑائی کا خیف سے خیف یا کمزور سے کمزور احتمال بھی نہیں ہے۔ یہ آیت تنبیہ کی مہم سے متعلق ہے۔

۱۰۶- نور الدین علی الحلبي (المتوفى ۶۴۲ھ) انسان العیون (المعروف

حلبی کا قول بہ سیرت حلبی، میں جو پیغمبر صلعم کی سیرت پر لکھی گئی ہے۔ حسب ذیل لکھتے ہیں:-

”یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت (صلعم) دس سال سے بھی کئی سال زیادہ عرصہ تک ”لوگوں کو بغیر جنگ کے اسلام کی دعوت دیتے رہے، اُن کو عذاب الہی سے ڈراتے رہے اور عرب مکہ اور یہودیان مدینہ کی سخت اذیتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے جو آنحضرت (صلعم) کو اور آپ کے پیروؤں کو پہنچائی گئی تھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ

”نئے آپ کو عذاب الہی سے ڈرانے، کفار سے الگ رہنے اور اُن کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے لئے صبر کا حکم ان الفاظ میں دیا تھا ”أَعْرِضْ عَنْهُمْ“ یعنی اُن سے دُکھنا۔ (المائدہ ۵ - آیت ۲۶)۔

”اور نیز اس لفظ کے ذریعہ سے ”و اصاب“ یعنی مصائب پر صبر کرو۔ (دیکھو انجیل ۱۰)۔ آیت ۱۲۸ - کہف ۱۸ - آیت ۲۷ - لقمان ۳۱ - آیت ۱۶ - طور ۵۲ - آیت ۲۸ - اور منزل ۷۳ - آیت ۱۰) آنحضرتؐ کے اصحاب مکہ زد و گوب کے صدمہ اور تکلیفیں اٹھا کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپؐ ان سے فرماتے تھے، تم صبر کے ساتھ برداشت کرو، مجھے لڑنے کا حکم نہیں ہے، کیونکہ ان کی تعداد مکہ میں بہت تھوڑی تھی۔ پھر جب ہجرت کے بعد مدینہ میں آپؐ کو استقلال حاصل ہوا، آپؐ کے پیرو بکثرت ہو گئے جو آپؐ کو اپنے آبا و اجداد و اولاد و ازاواج سب سے بڑھ کر سمجھتے تھے اور کفار رعبت پرستی پر مجھے رہے اور آپؐ پر جھوٹے جھوٹے الزام لگاتے رہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جنگ کی اجازت دی مگر صرف اُن لوگوں کے مقابلے میں جو مسلمانوں سے لڑتے، اور اُن پر حملے کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اُردہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کرو“ (البقرہ ۱۹۲ - آیت ۱۸۷)۔ یہ حکم صفر ۳ ہجری میں ہوا تھا۔ پھر تمام عرب کی فوج نے ہر طرف سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے کوچ کیا۔ مسلمان تمام تمام راتیں مسلح بسر کرتے تھے اور دن میں بھی ان کی یہی حالت تھی، اور اُن کی یہ آرزو رہتی تھی کہ امن و امان کے ایسے حال میں رات بسر ہو کہ اُن کو خدا کے سوا کسی شخص کا خوف نہ ہو۔ اُس وقت یہ ”آیت نازل ہوئی۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت عطا کرے گا، جیسے اُن لوگوں کو خلافت عطا کی تھی جو اُن سے پہلے گزرے ہیں اور جس دین کو اس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے مضبوط کر دیگا، اور اُن کے خوف کے بعد اُس کے بد نہیں

در امن دلتے گا، (النور ۲- آیت ۵۴) اس کے بعد جو لوگ جنگ نہیں کرتے تھے، ان پر پہلے
 ”حملہ کرنے کی اجازت دی گئی، مگر یہ اجازت ادب کے مہینوں یعنی رجب - ذیقعدہ - ذیحجہ -
 ”اور محرم کے سوا اور مہینوں میں اس حکم کے بموجب دی گئی تھی“ اور جب ادب کے مہینے
 ”گزرجائیں تو مشرکوں کو قتل کرو۔۔۔ (التوبہ ۹- آیت ۵)۔ پھر اگلے سال فتح مکہ کے
 ”بعد کسی شرط اور کسی وقت کا لحاظ کئے بغیر اور بغیر کسی پابندی کے مطلقاً جنگ کا حکم ان
 ”لفظوں میں دیا گیا ”تم سب مسلمان مشرکوں سے لڑو، خواہ کوئی وقت ہو“ (التوبہ ۱- آیت ۳)
 ”پس یہ بات معلوم ہو گئی کہ جہاد ہجرت سے پہلے ماہ صفر ۱؎ تک ممنوع تھا کیونکہ اس
 ”زمانہ میں پیغمبر (صلعم) کو بغیر جنگ کئے جس کی ممانعت کچھ اوپر ستر آیتوں میں ہو چکی
 ”تھی صرف موعظت و تنبیہ کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر صرف اُن لوگوں سے لڑنے کی اجازت
 ”دلی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے۔ پھر اُن لوگوں سے جو مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے، ادب
 ”کے مہینوں کے سوا دوسرے مہینوں میں لڑنے کی اجازت ملی، اس کے بعد اُن سے
 ”بہر وقت مطلق جنگ کرنے کا حکم دیا گیا خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں، خواہ ادب کے مہینوں
 ”دریا سال کے دوسرے مہینوں میں“

۱۰۷۔ نہ تو نویں سورۃ کی پانچویں آیت میں حملہ کی لڑائی کی اجازت ہے اور نہ
 حلبی کے قول کی غلطی چھتیسویں آیت میں۔ یہ دونو آیتیں دفاعی جنگوں کے موقع پر
 نازل ہوئی تھیں اور اُن میں جن لوگوں کے خلاف لڑنے کا حکم ہے وہی حملہ آور تھے
 اس مضمون کے متعلق جتنی آیتیں حلبی نے نقل کی ہیں اُن سب پر پچھلے صفحوں میں
 فقرہ ۹۲ سے فقرہ ۱۰۶ تک بحث ہو چکی ہے، اور اُن کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔

۱۰۸۔ یہ آیت بطور پیشین گوئی کے نازل ہوئی ہے۔ تفسیر ضیاء دی جلد دوم صفحہ ۲۹۔ سورۃ نور ۲۴- آیت ۵۴۔
 مطبوعہ یورپ ۱۸۴۴ء ملاحظہ ہو۔ (عبد اللہ خاں)

۱۰۹۔ انسان العیون (المعروف بپیرت حلبی) حصہ دوم صفحات ۲۸۹ و ۲۹۱ باب ذکر مغازی مطبوعہ مصر۔

۱۰۸۔ عینی شارح ہدایہ نے جس کی شرح بنا یہ کہ نام سے مشہور ہے، کفار سے حملہ آوری کی جنگ کو حق بجانب قرار دینے کے لئے قرآن مجید کی دو آیتیں اور آنحضرتؐ کی دو حدیثیں نقل کی ہیں اور یہ عینی کا ایک اور قول اور اس کا رد۔

لکھا ہے :-

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ مطلق احکام بذریعہ آیت :-

وَفَاَن قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ

وہ محدود اور مقتید ہیں، یعنی اگر وہ تم سے لڑیں تو اُن کو قتل کرو (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ لڑنا صرف اُس وقت لازم ہے جبکہ کفار جنگ میں سبقت نہ کریں، جیسا کہ الثوری کا خیال ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔ پس اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹) اور وَاَن لُّوْكُمْ سَلَامًا فَاِذَا نَالُوا ثَمَارَ اٰیٰتِنَا فَاَعْلَمُوْا (التوبہ ۹۔ آیت ۲۹)۔

مگر یہ دعویٰ کہ ”البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۷۔ سورہ مائدہ کی آیت ۱۸۹۔ اور سورہ نمل (توبہ) کی آیت ۲۹ سے منسوخ ہو گئی ہے“ غلط ہے۔ یہ شارح موصوف کا ایک من گھڑت خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ اس کے علاوہ یہ دونو آیتیں (البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۹ اور التوبہ ۹۔ آیت ۲۹) وفاعی جنگوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جیسے کہ فقرات ۹۶ لغایت ۹۹ میں پہلے تشریح کی جا چکی ہے۔

۱۔ یعنی سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۵۱۲۔ ان آیتوں پر فقہ ۴ میں پوری بحث ہو چکی ہے۔ لے وہ حدیثیں یہ ہیں :-

(۱) ”جہاد قیامت تک قائم رہے گا“

(۲) ”مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ یہ اقرار نہ کریں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

ان حدیثوں کے لئے فقرہ ۱۱۰ دیکھو (عینی جلد دوم صفحہ ۸۹ کتاب التیسرے مطبوعہ لکھنؤ)۔

۳۔ دیکھو عینی کی شرح ہدایہ جلد دوم حصہ دوم صفحہ ۹۰۔ مطبوعہ لکھنؤ نو کشور۔

۱۰۹- آیت ۱۸۹ کے الفاظ ہی سے فتنہ کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے یعنی

مضمون مذکور پر
مزید بحث

حملہ آوروں کی طرف سے ظلم و ستم ایذا و اذیت اور جنگ کی ابتدا ثابت ہے۔ اہل مکہ کے ظلم و ستم کا انسداد کر کے مسلمانوں کو اپنی ملکی اور مذہبی آزادی دوبارہ حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ جس سے اُن کو کمال بے انصافی کے ساتھ محروم کیا گیا تھا۔ حملہ آوروں کی قوت کو دُفع کرنے کے لئے مسلمانوں کی یہ لڑائی دفاع اور حفاظت کی غرض سے تھی۔ جس کا آیہ مذکورہ بالا میں حکم ہے سورہ نہم (توبہ) کی انتیسویں آیت اگر جنگ خیمبر سے متعلق نہیں، تو جنگ تبوک سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ دونوں ہمیں دفاعی حیثیت رکھتی تھیں۔ (دیکھو فقرہ ۳۰- الخایت ۳۲ کتاب ۱)۔

۱۱۰- اس کے علاوہ، فقہاء ابو داؤد کی کتاب حدیث سے ایک حدیث نقل

جہاد کے متعلق دو حدیثیں اور کرتے ہیں، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ”جہاد قیامت تک قائم اُن سے استدلال کی غلطی رہے گا“ مگر اول تو جہاد کے لفظی اور قدیم معنی اور نیز

قرآن مجید کی اصطلاح میں ”نہر آزمائی“ یا ”جنگ میں لڑنا“ نہیں ہیں۔ اس لفظ کا مفہوم جیسا کہ عرب کے قدیم شعرا اور نیز قرآن مجید نے اس کو استعمال کیا ہے یہ ہے۔ ”جتنے المقدور کوشش کرنا“ ”محنت کرنا“ ”مشقت کرنا“ ”زور لگانا، اپنی قابلیت یا سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا“ ”زور سے، محنت سے، غور و فکر سے، جانفشانی سے، سرگرمی سے یا ہمت سے کسی کام میں دل لگانا“ ”تذہب یا غرض کرنا، جفاکشی یا غیر معمولی محنت کرنا“

ثانیاً۔ یزید بن ابی شیبہ، جو اس حدیث کے سلسلہ رواۃ میں سے ہے، مجہول

ہے، یعنی اُس کی زندگی کے حالات معلوم نہیں ہیں، اس لئے اُس کی روایت سند نہیں ہو سکتی۔

بخاری میں اس مضمون کی ایک اور حدیث پیش ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
 ”مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ یہ اقرار نہ کریں کہ خدا
 واحد کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔“ یہ روایت آیات قرآنی کے بالکل برعکس
 ہے، جن میں جنگ دفاعی کا حکم ہے، یعنی اُس وقت تک لڑنے کا حکم ہے کہ
 فتنہ یعنی کفار کی ایذا رسانی اور ملکی اختلاف اور نا اتفاقی دفع ہو جائے (دیکھو
 البقرہ ۲- آیت ۱۸۹- اور الانفال ۸- آیت ۲۰)، پس صاف ظاہر ہے کہ یا تو یہ
 تمام روایت موضوع (بناوٹی) ہے، یا بعض راویوں سے آنحضرت ﷺ کے الفاظ کی
 تعبیر میں غلطی ہوئی ہے۔

۱۱۱- قرآن مجید نے حملہ کی لڑائی کی اجازت نہیں دی، نہ اس وقت جبکہ وہ

جہاد کے خلاف قدیم نازل ہوا تھا اور نہ زمانہ آئندہ میں، جیسا کہ قدیم فقہاء نے نتیجہ
 فقہان کی رائیں۔ نکالا تھا، اب اس امر کا مزید ثبوت قدیم مسلمانوں کی رائے
 سے دیا جائے گا یعنی پہلی اور دوسری صدی ہجری کے فقہاء مثلاً ابن عمر (فرزند حضرت
 عمرؓ خلیفہ ثانی)، سفیان الثوری، ابن شبرمہ عطاء اور عمرو بن دینار۔
 ان تمام قدیم فقہاء کا عقیدہ یہ تھا کہ جنگ مذہب کی رُوسے واجب نہیں ہے، بلکہ
 صرف جائز ہے، اور جنگ صرف اُن لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیے جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔

۱- علی بن عبد اللہ دوم صفحہ ۷۹۔ بخاری کتاب الایمان صفحہ ۸ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۵ھ۔

۲- دیکھو قاضی بدیع الدین محمود بن احمد عینی (المتوفی ۷۵۵ھ) کی شرح ہدایہ موسوم بہ بینا، جو بالعموم عینی کے نام
 سے شہور ہے، جلد دوم صفحات ۷۸۹-۷۹۰۔ کتاب التیہ مطبوعہ لکھنؤ میں یہ تمام رائیں نقل ہیں۔
 علاوہ انہیں بخاری کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کا قول نقل ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری
 پارہ ۱۸ صفحہ ۷۲ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۳ھ ہجری مطبع احمدی۔

۱۱۲۔ جن فقہاء کے نام اوپر لکھے گئے ہیں، میں اُن کا تذکرہ یہاں محل طور پر

فقہائے مذکور کی بیان کرتا ہوں۔

(۱) ابو عبد الرحمن عبد اللہ ابن عمر رضی عنہما خطاب آنحضرتؐ کے اصحاب میں اپنی پارسائی، سخاوت، زہد، علم اور نیکیوں کی وجہ سے نہایت مشہور اصحاب میں سے تھے۔ اگرچہ اُن کو حق تھا کہ وہ بلحاظ اپنے خاندان کے سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدوں کی خواہش کرتے، مگر انہوں نے اس طمع کے غیلا کی طرف کبھی توجہ نہ کی، ان کے رتبہ اُن کی تعلیم و تلقین، اور اُن کی پاک زندگی کی وجہ سے مسلمانوں پر اُن کا بہت بڑا اثر تھا، وہ کسی فریق کی طرفداری میں اپنے اثر کو کام میں نہیں لاتے تھے اور نہ اُس کا بُرا استعمال کرتے تھے، وہ اُن خانہ جنگیوں میں جو مسلمانوں کے باہم پیش آئیں، بالکل الگ رہے، صرف فرائض مذہب کی پابندی میں مصروف رہے۔ تیس سال تک لوگ اطراف و جوانب سے مشورہ لینے اور احادیث سیکھنے کے لئے اُن کے پاس آتے رہے۔۔۔۔۔ اُن کا انتقال ۳۷ھ (مطابق ۶۱۶ء) میں بمقام مکہ چوراسی سال کی عمر میں ہوا۔۔۔۔۔) (طبقات الفقہاء و تہذیب الاسماء صفحہ ۳۵ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۹ء - ابن سعد جلد ۴ - صفحہ ۱۰۵ تا ۱۳۸ مطبوعہ یورپ ۱۹۱۹ء)۔

(۲) عطاء بن ابی رباح، ”فقہائے مکہ میں ان کا پایہ بلند تھا، وہ مالعی تھے، عابد و زاہد تھے، انہوں نے (حدیث و فقہ کا علم) جابر بن عبد اللہ انصاریؓ عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور بہت سے اصحاب رسولؐ سے اخذ کیا تھا۔ عمرو بن وہبؓ، الاعمشؓ، الاوزاعیؓ اور بہت سے دیگر اشخاص نے جو اُن کی تعلیم کو سنتے تھے ایک محدث کی حیثیت سے خود اُن کی سند کا حوالہ

لے تہذیب الاسماء صفحہ ۲۲۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۹ء - ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۵۴۴ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔

دیا ہے۔ مگر میں مفتی کا منصب اُن کے اور مجاہد کے سپرد تھا، جس کے فرائض کو انہوں نے
 عمر بھر انجام دیا۔ . . . اُن کا انتقال ۱۵۱۵ھ (مطابق ۱۱۳۳ء) میں ہوا، بعض کا
 قول ہے کہ اٹھاسی برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (مذکرہ ابن خلکان ترجمہ از عربی
 مترجمہ بیرن میک گوکن دی سلین، جلد دوم صفحات ۲۰۳-۲۰۴ مطبوعہ لندن ۱۸۷۳ء)
 یا اصل عربی نمبر ۴۳۰ مطبوعہ یورپ ۱۸۳۵ء۔ ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۴۴۔ تہذیب الاسماء
 صفحہ ۲۲۲)۔

(۳) عمرو بن وینار۔ ”ان کا شمار مشہور ترین تابعین میں ہے اور نہایت
 اعلیٰ پایہ کے محدث سمجھے جاتے ہیں، وہ ائمہ مجتہدین میں سے تھے۔ ۱۲۶ھ (مطابق
 ۷۴۳ء) میں اٹھاسی برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (طبقات الفقہاء۔ ابن سعد جلد
 ۵ صفحہ ۳۵۳)۔

(۴) عبد اللہ بن شبرمہ، ابن طفیل۔ مشہور امام اور تابعی ہیں۔ نو
 کے ممتاز فقیہ تھے۔ انہوں نے انس، الشیبی اور ابن سیرین سے اخذ
 حدیث کیا تھا، اور سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ اور دیگر اشخاص اخذ
 حدیث میں اُن کا حوالہ دیتے ہیں، ان کی راستی اور بحیثیت ایک فقیہ کے ان کی
 عظمت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ وہ متقی، عقیل، دیندار، اور فیاض تھے، حسن بشیر
 اور شاعری کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد میں گرد و نواح کوفہ کے
 مزروع علاقہ (یعنی سواد کوفہ) کے قاضی تھے۔ ۹۲ھ (مطابق ۷۱۰ء) میں پیدا
 ہوئے، اور ۱۲۷ھ (مطابق ۷۴۵ء) میں انتقال کیا۔ (طبقات الفقہاء شافعیہ۔
 اور تہذیب الاسماء صفحہ ۳۴۸ مطبوعہ یورپ۔ معارف ابن فقیہ صفحہ ۱۲۳۸ مطبوعہ یورپ ۱۸۵۰ء)

۱۔ اصل انگریزی کتاب میں سہو سے مصنف مرعم نے بجائے خلیفہ منصور کے خلیفہ ماموں کا نام لکھا تھا۔
 لہذا بعد تحقیق اس کی صحت کر دی گئی۔ (عبد اللہ خاں)

(۵) سفیان الثوری - کوفہ کے رہنے والے، احادیث اور دیگر علوم میں نہایت اعلیٰ درجہ کے استاد تھے، اُن کی پارسائی، عبادت، صداقت، اور اُن کے زہد کو سب لوگ تسلیم کرتے تھے، اور اُن کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ . . .

سفیان بن عیینہ نے بیان کیا ہے کہ حلال و حرام کے علم میں سفیان الثوری سے زیادہ عالم میں کسی شخص کو نہیں جانتا۔ . . . سفیان کی ولادت ۹۵ھ مطابق ۶۷۳-۶۷۴ء ہے، دیگر روایات کی رو سے اُن کی ولادت کا سال ۹۶ھ یا ۹۷ھ بتایا ہے، ۱۷۱ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ . . . بعض کا قول ہے کہ سفیان کا انتقال ۱۶۲ھ میں ہوا، مگر پہلا بیان زیادہ صحیح ہے۔ (تذکرہ ابن خلکان مترجمہ برین میک گوکن ڈی سیلین، جلد اول صفحات ۷۶ تا ۸۷ مطبوعہ لندن ۱۸۶۳ء - یا اصل عربی و فیات الاعیان نمبر ۲۶ مطبوعہ ۱۸۳۵ء - تہذیب الاسماء صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۹ء)

۱۱۳ - یورپین مصنفوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید حملہ کی لڑائیوں کی یا بالفاظ یورپین مصنفوں دیگر غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع جنگ کی اجازت دیتا ہے، اس دعوے کی غلطی مسٹر ارکو ہارٹ اور مسٹر ایڈورڈ ولیم لین کی شہادت سے ثابت ہے - مسٹر لین حسب ذیل لکھتے ہیں :-

”میں اُن علما کی رائے سے اوزنیر اُس خیال سے جو یورپ میں پھیلا ہوا غلطی دہیں مبتلا ہو گیا تھا، اور میں نے جنگ مقدس (جہاد) کے قوانین کو زیادہ سخت ظاہر کیا“

”نہا، مگر جب قرآن کو احتیاط سے مطالعہ کیا گیا، تو اس کے الفاظ و مفہوم کے موافق اور نیز فقہ حنفی کے موافق میں نے اُن قوانین کو ایسا سخت نہیں پایا - میں مسٹر ارکو ہارٹ کو کامنوں ہوں کہ صاحب موصوف نے مجھے اس بات کی ضرورت سمجھائی کہ میں اپنے سابقہ

» بیان پر جو جہاد کے متعلق تھا، نظر ثانی کروں، اور مجھے اپنے اس عقیدہ کو ضرور ظاہر کر دینا چاہیے کہ قرآن کے سیاق کلام پر نظر کرنے کے بعد اس میں کوئی ایسا حکم نہیں نکلتا جس سے اشتغال طبع کے سوا کسی اور حالت میں جنگ کرنا صحیح قرار دیا جاسکے۔^۱

۱۱۴۔ اب میں یورپین مصنفوں کے متعدد اقوال، جن میں عیسائی پادری اور

سرولیم میور کا قول۔ ہندوستانی مشنری بھی شامل ہیں، نقل کرتا ہوں، جن سے ثابت

ہوگا کہ یہ لوگ جو ابتداء جنگ اور جبراً مسلمان بنانے کا الزام قرآن مجید اور آنحضرتؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں، راہ حق سے کیسے منحرف ہیں۔ سرولیم میور بیان کرتے ہیں کہ اصول اسلام مقتضی اس امر کے ہیں کہ جنگ ہمیشہ جاری رکھی جائے، اور یہ لکھتے ہیں:—

» اسلام کے استیقام کے لئے بڑی ضرورت تھی کہ حملے پے درپے جاری رکھے جائیں، ورنہ اسلام کا یہ دعویٰ کہ سب لوگ اس کو قبول کریں یا کم از کم اُس کی برتری اور فوقیت تسلیم کریں، بڑا دشوار منوایا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عرب کی سرحد میں یہ کام پورا ہو چکا تھا۔ اب صرف یہ کام باقی تھا کہ صحرائے شام کے مسیحی اور بت پرست قبائل کو زیر کیا جائے، اور پھر ہرم اللہ کر کے فارس اور روم کی سلطنتوں کے آگے بڑھ آہنی ڈالا جائے (اُن کو لڑائی کا چیلنج دیا جائے)، جنہوں نے چار سال پہلے پیغمبر کی دعوت کو، جو »سبجہ گی کے ساتھ بطور تہدیب پیش کی گئی تھی، بنظر حقارت دیکھا تھا، اور جو اس وقت »سزا پانے کے لئے تیار تھیں۔«

سرولیم میور نے یہاں جس موقع کا حوالہ دیا ہے، وہ اس آفت کو دور کرنے کے لئے تھا جو بمقام موتہ پیش آئی تھی۔ آنحضرتؐ نے بنی غسان کے بادشاہ

۱۔ دیکھو کتاب ماؤرن ایجیشن (جدید عصری) از ایڈورڈ ولیم لین جلاول، صفحہ ۱۱، نوٹ، طبع نجف مطبعہ لندن ۱۹۱۷ء
 ۲۔ میور صاحب کی سیرت محمدی، جلد چہارم صفحہ ۲۵۱-۲۵۲۔

کے پاس بمقام بصری ایک قاصد یعنی سفیر (حارث بن عمیر ازوی) بھیجا تھا، جو قتل کیا گیا تھا، اور موتہ کی مہم اسی وجہ سے پیش آئی تھی۔ مجرم سردار سی شرجیل بن عمرو العسافی کو سزا دینے کے لئے ایک گروہ بھیجا گیا تھا، اس مہم کی بابت ہرگز خیال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ لڑائی جاری رکھنے کے لئے جنگ جوئی کا جوش یا حملہ کی کارروائی تھی یا اپنے فوقیت کے دعویٰ کو بڑو شمشیر قبول کرانے کی غرض سے تھی۔

۱۱۵۔ یہ امر کہ جس اسلام کی آنحضرتؐ نے تعلیم دی تھی اُس میں ابتدائی لڑائی اسلام، حملہ یا جنگ کی ابتدا یا حملہ کا ذکر تک نہیں، قرآن مجید کے متعدد مقامات سے کرنے والا نہیں ہے۔ پوری طرح ثابت ہو چکا ہے۔ آنحضرتؐ کی رسالت کا تمام

زمانہ اس طرح گزرا کہ قریش مکہ نے آپؐ کو تکلیفیں پہنچائیں، آپؐ کے مواعظ و نصائح کو رد کیا، آپؐ کی توہین و تحقیر کی، اور بالآخر آپؐ کا خون ہر کیا گیا، اور آپؐ نے ہجرت کر کے ایک دور و دراز شہر میں پناہ لی، آپؐ وطن سے بے وطن کئے گئے، آپؐ پر حملے کئے گئے، محاصرہ کیا گیا، شکستیں دی گئیں، مکہ واپس جانے اور مقدس خانہ کعبہ کی زیارت سے آپؐ کو روکا گیا، اور یہ تکالیف اُن ہی دشمنوں یعنی قریش اور گردو نواح کے دیگر قبائل کے ہاتھوں پہنچی تھیں جو اُن کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، نیز یہودیوں نے جو مسلمانوں پر حملے کرنے میں اپنے ساتھیوں یعنی قریش مکہ سے کچھ کم نہ تھے، مدینہ میں آنحضرتؐ کے خلاف سازش کی اُنہوں نے قریش کو آنحضرتؐ سے لڑنے کے لئے انخوا کیا، اور ایک کثیر التعداد فوج لے کر چڑھ آئے، یہ لوگ بدر عہد اور باغی، اور خود قریش سے بھی زیادہ مُفتر ثابت ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ خطر و مصیبتوں میں مبتلا رہے، اور ایسی حالت میں آپؐ کے لئے لڑائی میں سبقت کرنی ناممکن تھی، آپؐ کو مخالفوں پر حملہ کرنے کا کوئی وقت یا موقع

نہیں مل سکتا تھا، آپ نہ تو بزرگ و شیریں لب لوگوں کو مسلمان بنا سکتے تھے، اور نہ ان کے اسلام کی فوقیت تسلیم کر سکتے تھے، اگر بالفرض آپ کا ایسا ارادہ ہوتا تو بھی یہ بات محال تھی۔ مگر آنحضرتؐ کے اصول سے یہ امر نہایت بعید تھا، کہ آپ تمام آدمیوں کو مقہور و مغلوب کرنے کا مقصد پیش نظر رکھتے۔ سر ولیم میور اپنے ریڈ لیکچر میں ج ۱۸۸ء میں، یعنی صاحب موصوف کے جس مضمون پر میں بحث کر رہا ہوں، اُس کے لکھنے سے ٹھیک پیش برس بعد دیا گیا تھا، یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ :-

”اسلام نے عرب کی حدود اور اس کے سرحدی علاقوں سے جو کبھی باہر قدم رکھا ہے، تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ ایسے ہی حالات پیش آ گئے تھے، ورنہ اس کا مقصد ایسا نہ تھا۔ دین اسلام دراصل اہل عرب کے لئے تھا، ابتدائی زمانہ میں شروع سے آخر تک اُس کی دعوے کے منطبق ہی تھے“

اُسی لکچر کے ایک فنٹ نوٹ میں میور صاحب موصوف حسب ذیل لکھتے ہیں (دیکھو صفحہ ۵) :-

”یہ سچ ہے کہ تین چار سال پہلے محمد (صلعم) نے قیصر اور خسرو پرویز، اور قرب و جوار کے دیگر سلاطین کے پاس سفارتیں بھیجی تھیں، اور ان کو دین حق کے قبول کرنے کی دعوت دی تھی، مگر اس کے بعد ہرگز کوئی کارروائی کسی قسم کی عمل میں نہیں لائی گئی“

۱۱۶ مسٹر فریبین آنحضرتؐ کی بابت حسب ذیل لکھتے ہیں :-

مسٹر فریبین کا قول ”محمد (صلعم) کے سامنے حضرت موسیٰؑ کی شریعت کا نمونہ موجود تھا، جس میں کنعان کی مجرم قوموں کے استیصال کے لئے بہت زیادہ سخت حکم نافذ کیا گیا تھا۔ اگرچہ نواح کی تمام طاقتوں، یعنی سیمی، یہودی اور میت پرست سلطنتوں کا دستور العمل بھی آپ کے

لئے ابتدائی خلافت اور عروج اسلام، یعنی ریڈ لیکچر باب ۱۸ء از سر ولیم میور کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایڈیشن ۱۸۸۵ء مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء

”روز بروز تھا، اگرچہ چوبدلی شام اور مصر میں حکومت قسطنطنیہ کی طرف سے پیدا ہو گئی تھی،
 درجہاں مذہب اپنی پرانی صورت پر قائم تھا، اُس سے آپ یسوع حاصل کر سکتے تھے
 وہ کہ مذہبی تشدد کی وجہ سے اُس کا مقصد کیسی آسانی سے فوت ہو جاتا ہے۔۔۔۔
 ”اُن حالات کا لحاظ رکھنے کے بعد جو آنحضرتؐ کو پیش آئے، آپ کا تلوار کی طرف رجوع
 ”کرنا دراصل الزام کی کوئی بڑی بنیاد نہیں ہے۔ آپ نے صرف زمانہ سابق کی نظیروں
 ”اور نیز گرد و نواح کی ہر ایک قوم کی نظیروں کی پیروی کی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں
 ”کیا۔ تاہم ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ ایسے اعلیٰ درجہ کے صاحب فہم و ذکاوت سے جیسے کہ
 ”محمد (صلعم) تھے معقول طور پر اس امر کی توقع رکھی جاسکتی تھی بلکہ ضرور رکھنی چاہیے تھی
 ”کہ آپ کی شان تعصب اور سابقہ نمونوں کے جیلے سے ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے۔“

آنحضرتؐ نے مخالفوں کے استیصال یا اُن سے جبراً اسلام قبول کرانے کے
 لئے حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشعؑ کی پیروی کا ہرگز دعوے نہیں کیا۔ آپ نے
 اپنی اور اپنے پیروؤں کی جان بچانے کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔ ایسا ہرگز معلوم
 نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ نے گرد و پیش کی قوموں یعنی عیسائیوں، یہودیوں، اور
 مصریوں کے طریق عمل کی نقل کرنے کی خواہش کی۔ آپ کی دفاعی جنگیں جو
 درحقیقت سب کی سب دفاعی تھیں، بہت نرم تھیں، خصوصاً عورتوں، بچوں
 اور ضعیف مردوں کے ساتھ برتاؤ کے بارہ میں، جن پر حملہ کرنے کا بھی حکم
 نہیں دیا گیا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اسیران جنگ کے ساتھ
 بھی نرمی کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اُن کو یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دیا جاتا تھا، یا قیدیہ
 لے کر، مگر اُن کو غلام بنانے کا ہرگز حکم نہ تھا، حالانکہ گرد و نواح کی تمام قوموں کا

”تاریخ و فتوحات اہل عرب“ از ایڈورڈ اے فریمین، ڈی۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ صفحات

طریق عمل اس کے خلاف تھا۔ یہ سچ بچ علامی کا انسداد تھا (دیکھو سورہ محمد ۲۷- آیت ۵- اوستیمہ کتاب ہذا) آنحضرتؐ کی دفاعی جنگوں کا یہ ایک مفید نتیجہ تھا۔ جو بالعموم نوع انسان کے لئے ایک بڑی برکت کا موجب ہوا۔

۱۱۔ پادری سٹیفنر لکھتے ہیں :-

پادری سٹیفنر کا قول "قرآن میں مسلمانوں کو ان لوگوں سے، جو پیغمبر اسلام کی نبوت کو نہ مانیں،

لڑنے کا قطعی اور مطلق حکم موجود ہے، یہاں تک کہ وہ لوگ اطاعت قبول کریں یا اگر وہ یہود و

نصارائی ہوں، تو جزیہ ادا کر کے قبولیت اسلام سے بری ہو سکتے ہیں۔ ایک مسلمان کا مشن

د (مدعا) جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے، "تکلم بھلا بذر آزمائی اور لڑائی میں سبقت ہے ہم

د کہہ سکتے ہیں کہ محمد (صلعم) نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی تھی کہ جہاں ترغیب سے کام نہ چلے

د وہاں تم لوگ اشاعت دین کے لئے زبردستی سے کام لو، اور اس طرح دنیا میں لوٹ مار

د کرتے پھرو۔" اسے پیغمبر خدا کی راہ میں لڑو، "مومنوں کو لڑائی کا جوش دلاؤ۔ یہ وہ

د احکام ہیں جن کی بابت محمد (صلعم) کو یقین تھا کہ وہ خدا کے دئے ہوئے ہیں، ان لوگوں

د سے لڑو جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر، بہت پرستوں پر سب مہینوں

د میں (یعنی ہمیشہ) حملہ کرو، یہ ہیں نصیحتیں جو آنحضرتؐ نے اپنے شاگردوں کو کی تھیں،

پادری صاحب نے قرآن مجید کے برخلاف جو کچھ تحریر کیا ہے اس کی بابت ان کی

رائے بہت ہی غلطی پر ہے۔ حملہ کی لڑائی یا جبراً اسلام قبول کرانے کے لئے قرآن مجید

میں کوئی مطلق یا قطعی حکم نہیں ہے جو جیسے مسٹر سٹیفنر نے نقل کئے ہیں، ان میں

کلام کے مضمون یا سیاق کا لحاظ نہیں رکھا گیا، آیتوں کو توڑ موڑ کر زبردستی اپنا مطلب

لے مسیحیت اور اسلام، بائبل اور قرآن "از دیورنڈ۔ ڈبلیو۔ آر۔ ایم۔ سٹیفنر مطبعہ لندن ۱۸۷۷ء

نکالا ہے۔ کسی آیت کے مقدم و مؤخر کو نظر انداز کر کے اُس کے ایک ہی جملہ کو پیش کر دینے سے کوئی اصول یا مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ سیاق کلام، مفہوم عام، ہم مضمون آیات، اور عبارت کے مقدم و مؤخر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ جن آیتوں کا حوالہ مسٹر سٹیفنسن نے دیا ہے، وہ سورہ چہارم (نساء) کی آیت ۸۶۔ اور سورہ نهم (توبہ) کی آیت ۲۹۔ اور آیت ۳۶ ہیں۔ یہ تمام آیتیں کسی دوسری جگہ پوری پوری نقل کی گئی ہیں اور اُن پر بحث ہو چکی ہے۔ یہ آیتیں محض دفاعی جنگوں سے متعلق ہیں۔

۱۱۹۔ مسٹر باسورٹھ اسمتھ کہتے ہیں:-

”جو قومیں آنحضرتؐ کے گرد پیش قدمی اُن کے خیالات عقائد میں کا قول۔ مسٹر باسورٹھ اسمتھ

”زیادہ تر خالص عقیدے یعنی عام مذہبی آزادی جس کی تائید پیغمبر اسلامؐ نے اول اول کی تھی، وہ رفتہ رفتہ مذہبی مزاحمت کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اب وہ زمانہ رہے کہ محمدؐ کو کوئی نہیں سنا بلکہ وہ خود لوگوں کو آزار دیتے ہیں، ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر قوموں کے سامنے یہ تین باتیں پیش کرتے ہیں کہ ان میں سے دو کوئی ایک بات قبول کریں، یا اسلام لائیں، یا جزیہ دیں یا موت گوارا کریں“

آنحضرتؐ نے اپنے طریقِ رواواری (مذہبی آزادی) کو کبھی نہیں بدلا، اور نہ اپنی تعلیم و تلقین کو مذہبی مزاحمت کے ساتھ تبدیل کیا، آپ کو مکہ اور مدینہ میں ہمیشہ اذیتیں اور تکلیفیں دی گئیں، مگر جہاں تک معلوم ہے آنحضرتؐ نے نفسِ نفیس دوسروں کے لئے باعثِ آزار کبھی نہیں ہوئے۔ یہ تینوں باتیں جن کا ذکر تو بہت کچھ

لے دیکھو فقرات ۷۱۰ و ۲۹۹ و ۱۲۶۔ کتاب ہذا۔

لے محمدؐ اور دین محمدیؐ یعنی وہ کچھ جو آراء باسورٹھ اسمتھ ایم۔ اے نے فروری اور مارچ ۱۸۷۷ء میں رائل انشٹیٹیوشن برطانیہ اعظم میں دئے تھے، طبع دوم صفحہ ۱۳ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء۔

کیا جاتا ہے مگر ثبوت کچھ نہیں دیا جاتا، قرآن مجید میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ اس منضمون پر فقرات ۳۲ لٹایت ۳۹ میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

۱۱۹۔ مسٹر جارج سیل اپنے ترجمہ قرآن کی مشہور و معروف تفسیر میں مسٹر جارج سیل آنحضرتؐ کی رسالت کے تیرھویں سال کا حوالہ دیکر یہ لکھتے ہیں:-
 ”اب تک محمد (صلعم) نے اپنے دین کی اشاعت منصفانہ وسائل سے کی تھی،
 کا قول۔“

”پس ہجرت مدینہ سے پہلے آپ کے مقصد کی تمام کامیابی کو صرف ترغیب و تحریص سے منسو کرنا چاہیے نہ کہ جبر و اکراہ سے، کیونکہ عقبہ کی اس دوسری بیعت یا وفاداری کے سلف سے پہلے، آنحضرتؐ کو جبر یا زبردستی سے کام لینے کی بالکل اجازت نہ تھی، اور قرآن کی متعدد آیات میں جن کی بابت آپ کا دعوے تھا کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہیں، آپ نے یہ ”ظاہر کیا ہے کہ میرا کام صرف تبلیغ اور وعظ و نصیحت ہے۔“ اس پر اسلام قبول کھانے کے لئے جبر کرنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ بات کہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں، مجھے اس سے ”کوئی سروکار نہیں، بلکہ یہ امر صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے، آنحضرتؐ اپنے اصحاب کو جبر سے کام لینے کی اجازت دینے کے اس قدر مخالف تھے کہ آپ نے اُن کو حکم دیا تھا کہ ”دین کے معاملہ میں جو تکلیفیں تم کو پہنچائی جائیں اُن کو صبر سے برداشت کرو، اور جب خود آنحضرتؐ کو اذیتیں دی گئیں تو آپ نے مزاحمت کرنے کی بجائے وطن مالوف سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پسند کیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ عظیم صبر و تحمل تمام تر اس وجہ سے تھا کہ زمانہ نبوت کے پہلے بارہ سال تک آپ کو اقتدار حاصل نہ تھا، اور آپ کے ظالم دشمنوں (قریش) کو بڑی فوقیت حاصل تھی، کیونکہ جو نبی آنحضرتؐ اہل مدینہ کی مدد سے اس قابل ہوئے کہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں، آپ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھے اور میرے پیروں کو کافروں کے مقابلہ میں ”افضت“ کی اجازت دیدی ہے، اور آخر کار جب آپ کی جمیعت بڑھ رہی تھی تو آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے اُن پر حملہ کرنے اور بزور شمشیر رب پرستی کو مٹا کر دین حق کے

”قائم کرنے کی اجازت بھی من جانب اللہ مل گئی ہے، آپ کو تجربہ سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ اگر جبر و تعدی سے کام نہ لیا گیا تو میرے مقاصد کو بالکل فوت نہ ہوں۔“ تاہم اُن کی ترقی کی رفتار بہت سست پڑ جائیگی، اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب کسی شے کے موجب محض اپنی ذاتی طاقت پر بھروسہ کرتے ہیں، اور (اپنی رائے کے قبول کرانے کے لئے) دوسروں کو مجبور کر سکتے ہیں تو اُن کو شافو و نادہی کوئی ”خطرہ پیش آتا ہے، جس سے ایک مدبر سلطنت کے خیال کے موافق یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن پیغمبروں نے ہتھیار اٹھائے وہ کامیاب ہوئے، اور جنہوں نے ہتھیار نہ اٹھائے وہ ناکام رہے، اگر حضرت موسیٰ ع۔ سائرس تھیسس۔ اور رومیولس ہتھیار نہ اٹھاتے تو وہ اپنے قوانین و آئین کی تعمیل نہ کر سکتے۔ خواہ کتنی ہی مدت تک کوشش کرتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی آیت جس نے محمد (صلعم) کو اپنی مدافعت کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی، بائیسویں سورہ (حج آیت ۴۰) میں ہے، اس کے بعد اسی مضمون کی بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔

”شاید یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ محمد (صلعم) کو اپنے بے انصاف ایذا و ہندوں کے مقابل میں مدافعت کے لئے ہتھیار اٹھانے کا حق حاصل تھا مگر یہ امر کہ آیا بعد ازاں اپنے مذہب کے قائم کرنے کے لئے بھی اسی وسیلہ سے کام لینا چاہیے تھا یا نہیں، ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ میں اس مقام پر نہیں کروں گا۔ نوع انسان کی رائے اس امر میں متفق نہیں ہے کہ دنیوی سلطنت اس قسم کے معاملات میں (یعنی دین کو رد و تلوار کے زور سے پھیلانے میں) کہاں تک دخل دینے کی مجاز ہے یا اس کو کہاں تک ”دخل دینا چاہیے۔ کسی دین کو بزورِ شمشیر توانے کا طریقہ اُس دین کے حق میں جو اس طرح رد و جاری کیا جائے کچھ بہت اچھی رائے قائم نہیں کرتا۔ لوگ دوسرے مذہب والوں کو تو اس طریقہ عمل (یعنی جبراً مذہب قبول کرانے) کی اجازت نہیں دیتے، مگر اپنے مذہب

”کی ترقی کے لئے اُس قاعدہ کو تسلیم کرنے کے لئے رضامند ہیں، اُن کا خیال یہ ہے کہ اگرچہ چھوٹے مذہب کو حکومت کے زور سے جاری نہیں کرنا چاہیئے، تاہم سچے مذہب کو اس طرح جاری کر سکتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت رہی ہے انہوں نے ایسی حالتوں میں ہمیشہ جبر سے کام لیا ہے، اور جو لوگ ظلم سہتے رہے ہیں وہ ہمیشہ اس کے شاکر رہے ہیں“

میں مسٹر جارج سیل کے اُن الفاظ سے جو انہوں نے آنحضرتؐ کی نسبت لکھے ہیں، ”اور آخر کار جب آپؐ کی جمیعت بڑھ گئی تو آپؐ نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے اُن پر حملہ کرنے اور بزورِ شمشیر پستی کو مٹا کر دین حق کے قائم کرنے کی اجازت بھی من جانب اللہ مل گئی ہے“ متفق نہیں ہوں، آنحضرتؐ نے بجز مدافعت یا حفاظت خود اختیاری کے قریش یا دیگر اشخاص پر ہرگز حملہ نہیں کیا پستی کا استیصال آنحضرتؐ کی رسالت کا خاص مقصد تھا اس کو بھی بزورِ اسلحہ حاصل نہیں کیا گیا نہ تو کسی شخص کو بہ جبر مسلمان بنایا گیا اور نہ خود آنحضرتؐ کی تواریخ سے اس امر کا اشارہ پایا جاتا ہے، کہ بت پستوں کو بزورِ شمشیر وطن سے نکال کر اُن کا استیصال کر دینا آپؐ کی پیغمبری کے خاص مقصد میں داخل تھا۔ دشمنوں کی ایذا رسانی اور ملکی اختلاف یا بد امنی کا انسداد یا دفعیہ ضروری تھا، اور طاقت کے روکنے کے لئے طاقت ہی کا استعمال کیا گیا تھا، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے بزورِ شمشیر اسلام قبول کرانے کے لئے کسی شخص پر زور نہیں ڈالا۔

۱۲۰۔ میجر آسبرن نے اپنی کتاب ”اسلام زیر حکومت عرب“ میں ”مسئلہ جہاد“

میجر آسبرن کا قول کے عنوان سے جہاد کی ایک نہایت باریک تصویر کھینچی ہے۔ میجر آسبرن

لے دیکھو جارج سیل کے ترجمہ قرآن کی تہذیب۔ باب دوم صفحہ ۳۷-۳۸۔

لے دیکھو کتاب مذکور (مطبوعہ لونگ مینز گرین اینڈ کمپنی لندن) کے صفحات ۲۶ لغایت ۵۴۔

موصوف نے آنحضرتؐ کی ان دفاعی جنگوں کی تشریح اس طرح کی ہے کہ :-

”یہ لڑائیاں ”معاش کا ایک ذریعہ تھیں جو اہل عرب کی طبیعت کے مناسب حال تھا اور اُن کی نگاہ میں ان لڑائیوں سے اُن پر کسی ذلت یا بد اخلاقی کا الزام نہیں لگتا تھا۔ یہ ”قرآنی کام تھا، تو پھر مسلمان اپنی قلیل معاش کو یہ مفید اور معزز پیشہ اختیار کر کے کیوں ”رنہ حاصل کرتے؟ یہ پیشہ ایسے شخص کے لئے جس کے ہاتھ میں تاوار ہو اور جو اُس ”سے کام لینا جانتا ہو، کھلا ہوا تھا۔ ان کفار کو ٹوٹنا اور اُن بندگان ”و خدا (یعنی اہل اسلام) میں سے بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دینے کے لئے اُن ”کے مال و متاع کا استعمال کرنا یقیناً ایسا کام تھا جو خدا تعالیٰ کی نظر میں نہایت پسندیدہ ”سمجھا جاتا تھا۔ اور دین اسلام کو نلوار کا دین بنانے کے لئے یہ پہلا قدم تھا۔“

۷ (دیکھو صفحات ۲۶-۲۷)۔

اس کے بعد میر صاحب موصوف دوبارہ لکھتے ہیں کہ :-

”قرآن کی نویں سورۃ (توبہ) میں پیغمبرِ صلعم کا وہ اعلان جنگ شامل ہے جو آنحضرتؐ نے اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب کے پیروؤں کے خلاف شائع کیا تھا“ (دیکھو صفحہ ۵۲)

اس کے بعد صاحب موصوف آٹھویں اور نویں سورۃ کی کئی آیتیں جن میں سے بعض آدھے آدھے جملے ہیں نہایت ہی بگاڑ کر سلسلہ وار نقل کرتے ہیں، مگر آیتوں کا نمبر نہیں دیتے۔ وہ آیتیں یہ ہیں :-

(۱) سورۃ نہم (توبہ) آیات ۲۰ و ۳۲ و ۳۵ و ۸۲ و ۱۲۱۔

(۲) سورۃ ہشتم (انفال) آیت ۶۷۔

(۳) سورۃ نہم (توبہ) آیات ۳۶ و ۲۹ و ۱۹۔

(۴) سورۃ چہل و ہفتم (مجادلہ) آیت ۲۷۔

(۵) سورۃ نہم (توبہ) آیت ۵۔

(۶) سورہ ہشتم (انفال) آیت ۲۲ -

آخر میں اس فاضل مہاجر نے ان الفاظ میں نتیجہ نکالا ہے :-

”جنگ مقدس جس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا تھا اُس کی صورت یہ تھی جو اُپر بیان ہوئی۔
 ”یہ مہاجر (صلعم) کا سب سے بڑا اور سب سے بدتر کارناما تھا (لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ)۔
 ”ہٰلَا الْهَفْوَات) جب خود آنحضرت (صلعم) کو دشمنوں کی ضرر رسانی سے تکلیفیں
 پہنچتی تھیں، اُس وقت آپ کو معلوم ہوا کہ جہانی اذیتیں دلی اعتقاد کے تبدیل کرنے
 میں کس قدر کمزور ثابت ہوتی ہیں۔ جو اصول آپ نے تجویز کئے تھے اُن میں سے ایک
 ”یہ بھی تھا کہ مذہبِ شیعہ کوئی زبردستی نہیں ہونی چاہیئے۔ ابتدائی زمانہ میں یہود و نصاریٰ
 کی بابت آپ نے فرمایا تھا کہ تم میں سے ہر شخص کو ہم نے ایک قانون دیا ہے اور
 ”ایک گھلا رستہ بنا دیا ہے، اور اگر خدا چاہتا تو یقیناً تم کو ایک ہی اُمت بنا دیتا مگر اُس
 نے تم کو مختلف قوانین دینے مناسب سمجھے تاکہ جو قانون تم کو علیحدہ علیحدہ دیا گیا ہے اُس
 میں تمہارا امتحان کرے، پس نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی
 ”کوشش کرو تم سب خدا کی طرف واپس جاؤ گے اور پھر وہ تم کو اس امر کے متعلق جس میں
 ”تم نے اختلاف کیا ہے صاف طور پر بتا دے گا“

”مگر کامیابی کے نشہ نے (یہ دروغ محض ہے) آپ کے بہتر خیالات کی آواز کو بہت
 ”عرصہ پہلے ہی خاموش کر دیا تھا۔ اس عمر رسیدہ پینیمبر (یعنی آنحضرت م) نے جو گویا قبر
 ”میں پاؤں لٹکائے بیٹھتے تھے، اور جنہوں نے آخری میراث یہی چھوڑی تھی کہ جنگ کا
 ”ایک عام فرمان جاری کر دیا تھا، دشمنوں نے مخالفت کے زور سے ایک دوسرے پر
 ”معلم (یعنی حضرت مسیح م) کے اُن آخری الفاظ کو جو انہوں نے اپنے حواریوں سے
 ”کہے تھے، بالکل منسوخ کر دیا، وہ الفاظ جو حواریوں سے کہے گئے تھے، یہ ہیں :- ”تم
 ”باہر جاؤ اور تمام قوموں کو امن و امان کی انجیل کا وعظ سناؤ۔ ان دونوں معلوموں کے

» مختلف قسم کے حکموں کی جس طرح تعمیل کی گئی، اُس کا اختلاف بھی کچھ کم حیرت انگیز
 » نہیں ہے، یعنی اہل عرب نے تو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لیکر
 » جلتے ہوئے شہروں کے شعلوں اور تباہ و برباد شدہ خاندانوں کی چیخ پکار کے دریا
 » اپنے دین کی اشاعت کی، اور حواریانِ مسیحؑ نے دُنیا کے روم کی اخلاقی تاریکی میں
 » روشنی کی نرم مگر ناقابلِ مزاحمت طاقت سے کام کیا، از سرِ نو سوائی (تمدن) کی بنیاد
 » ڈالی اور خانگی اور قومی زندگی کے ناپاک چشموں کے منبع کو پاک و پاکیزہ بنایا۔

۱۲۱۔ اس فاضل مصنف کو جس کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔ یا تو پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم)

میں آسرن کے خیال کا
 کے غزوات کی ماہیت سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے اور یا
 انہوں نے دیدہ و دانستہ اُن کی نہایت ہی غلط تعبیر کی ہے
 ابطال۔

جو جہل سے بھی بدتر ہے۔ صاحبِ موصوف نے دو امور میں سخت غلطی کی ہے۔
 اولاً یہ صاحبِ موصوف نے ان لڑائیوں کو فتنہ دی اور جبر و تعدی اور ظلم
 کی لڑائیاں قرار دیا ہے، حالانکہ یہ سب لڑائیاں ابتدائی مسلمانوں کے ملکی اور مذہبی
 حقوق کی حمایت میں کی گئی تھیں اور جیسا میں نے پہلے بیان کیا ہے مکہ میں مذہب کی
 وجہ سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائی گئیں اُن کو ستایا گیا اور طرح طرح کی عقوبتوں میں
 مبتلا کیا گیا اور ایک مدتِ مدید تک وقتاً فوقتاً تازہ بتازہ اور سخت تجویزوں سے
 تکلیفیں دیئے گئے بعد اُن کو زیادہ تر سخت اور صعب مصائب میں مبتلا کیا گیا، اُن کو
 جلاوطن کیا گیا، انہیں اپنے پیارے رشتہ داروں اور دینی بھائیوں کو کفار کی ایندھنی
 کی مصیبتیں جھیلنے کے لئے مکہ میں چھوڑنا پڑا، اور جب انہوں نے مدینہ میں پناہ لی تو
 ایک کثیر التعداد جمیعت نے اُن پر حملے کئے، گرد و نواح کے متعدد قبائل عرب و یہود و حملہ آور
 قریش کے ساتھ شامل ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں پر تباہ کن حملہ کرنے شروع کئے اور
 پہلے سے بھی زیادہ سخت اور بھاری مصائب کی اُن کو دھکی دینے لگے۔ اس بیان سے

یہ بات معلوم ہوگی کہ یہ لڑائیاں نہ تو فتوحات حاصل کرنے کے لئے تھیں اور نہ جبراً مسلمان بنانے کے لئے۔

مثلاً - دوسری بڑی غلطی جس میں میجر آسبرن صاحب مبتلا معلوم ہوتے ہیں یہ ہے، کہ وہ لڑائی کے اُن احکام کو جاہل مگہ یا دیگر حملہ آوروں کے مقابلہ میں صادر ہوئے تھے، اس امر پر محمول کرتے ہیں کہ حملہ منکرین اسلام کے مقابلہ میں جنگ کرنا دین اسلام کا ایک عام فرض قرار دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ احکام اُن ہی حملہ آوروں کے مقابلہ میں تھے جو ابتدائی مسلمانوں کے حقوق اور اُن کی آزادی میں نہایت سخت مداخلت کرنے کے واقعی مرتکب ہوئے تھے، اور جنہوں نے اُن کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ یہ احکام اسلامی دنیا کی آئندہ رہبری سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ اب رکھتے ہیں۔

۱۲۲ - میجر آسبرن کا یہ بیان کہ ”نویں سورت (توبہ) میں پیغمبر (صلعم) کا

قرآن مجید کی نویں

اعلان جنگ شامل ہے جو آپ نے اسلام کے سوانح نامہ دیگر مذاہب کے پیروؤں کے خلاف شائع کیا تھا“ واقعات کی نہایت ہی غلط

سورت (توبہ)

تفسیر ہے۔ کوئی بیان راستی سے اس قدر بعید نہیں ہو سکتا جیسا کہ صاحب موصوف

کا یہ بیان ہے۔ نویں سورت (توبہ) میں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اس سورت کی

ابتدائی آیتوں میں پیغمبر (صلعم) کا وہ اعلان جنگ شامل ہے جو مشرکین

مگہ کے مقابلہ میں شائع کیا گیا تھا، یعنی وہ لوگ جنہوں نے عہد نامہ

حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا دیکھو سورہ توبہ ۹ - آیات ۱۳ و

۸ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ - اور کتاب ہذا کا فقرہ ۱۷۱ - ان لوگوں کو صلح کی شرائط طے کرنے

کے لئے چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔ انہوں نے اطاعت قبول کی اور مگہ باہمی

مصالحات سے فسخ ہو گیا، اور اسی وجہ سے وہ جنگ جس کا اعلان ان آیتوں

آنحضرت (صلعم) نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں دفاعی جنگ کا حکم دینے اور قوت کو قوت سے دفع کرنے میں حضرت موسیٰ کے قدم بہ قدم چلتا ہوں۔ حضرت موسیٰ کی جنگوں میں جو محض فتنہ دہی، حملے، استیصال اور جلا وطنی کی لڑائیاں تھیں اور آنحضرت (صلعم) کی جنگوں میں جو محض دفاعی طور پر کی گئی تھیں، ذرا بھی کوئی مشابہت نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت (صلعم) نے لڑائی کو اس حیثیت سے جاری رکھ کر کہ وہ جبراً مسلمان بنانے کا ایک ذریعہ ہو، ہرگز اپنے عہد کو مقدس نہیں بنایا، اور کسی شخص کو محض تلوار کی قوت سے ہرگز مسلمان نہیں بنایا۔ مسٹر ٹی۔ ایچ۔ ہورن۔ ایم۔ اے اہل کنعان کے استیصال کی بابت حسب ذیل لکھتے ہیں :-

”جب خدا کے نکل کا زمانہ محقق ہو گیا تو اس کے بعد بھی ان دو باتوں میں سے ایک بات اُن کے سامنے پیش کی گئی، کہ وہ یا تو کسی دوسری جگہ نکل جائیں جیسا کہ فی الحقیقت دوسرے لوگوں نے کیا تھا، یا اطاعت قبول کریں، اور بت پرستی ترک کر کے اسرائیل کے خدا کی عبادت کریں۔ احکام مندرجہ استثنائے باب پنجم درس ۱۰ الفینت ۷ کے ساتھ در مقابلہ کرو۔“

”یہ فعل در حقیقت جبراً اور زبردستی شیعہ دین قبول کرانا تھا۔“

۱۲۲۔ قرآن مجید میں صرف ایک ہی مثال ہے جس میں آنحضرت (صلعم) کے یہودیوں کی تاریخ سے دفاعی جنگ کی بابت یہودیوں کی تاریخ سے ایک تمثیلی پیش ایک مثال - کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر حضرت شعیل سے درخواست کی ہے، کہ آپ ہمارے لئے ایک پادشاہ تجویز کریں جو

لے دیکھو کتاب مقدس تنقیدی مطالعہ اور علم کی ہتھکڑی، از ڈاکٹر مارٹ ویل ہورن ایم۔ اے جلد دوم صفحہ ۵۲۳ مطبوعہ لندن ۱۹۲۵ء - ۶۔

۷۔ ابن اثیر جلد اول صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۴ بیضاوی جلد اول صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۱ مطبوعہ یورپ ۱۸۳۸ء - ۶۔
القرآن ۲۔ آیت ۲۴ کے ذیل میں ملاحظہ کرو۔

اہل فلسطین کے مقابلہ میں ہمارے لئے دفاعی جنگ کرے، کیونکہ انہوں نے بنی اسرائیل پر بہت زیادہ ظلم کئے تھے۔ شاوول (طالوت) بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا گیا اور حضرت داؤد نے گولا بیچھ کر جس کو قرآن مجید میں جالوت کہا گیا ہے قتل کیا، اور یہ جنگ بنی اسرائیل کی مدافعت میں کی گئی تھی۔ میں نے اس کتاب کے فقہاء میں قرآن مجید کی ان آیتوں کو نقل کر دیا ہے، جو اس مضمون سے متعلق ہیں، (یعنی سورہ بقرہ ۲- آیت ۲۴۷- اور آیت ۲۵۷) اور اب بھی ایک آیت نقل کی جاتی ہے۔

۲۴۷- اَلَمْ نَرَاۤیَ الْاِلٰہَ مِنْ بَنۡیِ
اِسْرَآئِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰی اِذْ
قَالُوۡا لِبَنۡیِیْہِیۡ ثُمَّ اَبْعَثْ لَنَا
رَکُلًاۙ نُّقَاتِلْ فِیۡ سَبۡیْلِ اللّٰہِ قَالِ ہٰٓہٰ
عَسَیۡتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ
اَلَّا تُقَاتِلُوۡا قَالُوۡا وَاٰمَنَّا اَلَّا
نُقَاتِلْ فِیۡ سَبۡیْلِ اللّٰہِ وَفَاۡرِغۡنَا
مِنْ دِیَارِنَا وَاٰمَنَّا بِمَاۤ اٰتٰنَا
(البقرہ ۲- آیت ۲۴۷)۔

۲۴۷- (اے پیغمبر) کیا تم نے بنی اسرائیل کے سرداروں
(کے حال) پر نظر نہیں کیا جبکہ انہوں نے موسیٰ کے بعد
اپنے پیغمبر (شموئیل) سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ
مقرر کیجئے کہ ہم راہ خدا میں لڑیں، پیغمبر نے کہا، اگر قتال
تم پر فرض کیا جائے تو تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم
نہ لڑو، انہوں نے کہا کہ ہم اپنے گھروں اور اپنے
بال بچوں سے تو نکالے جا چکے۔ اب ہمیں کیا ہوا
جو ہم خدا کی راہ میں نہ لڑیں۔
(البقرہ ۲- آیت ۲۴۷)۔

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن یا آنحضرتؐ نے یہودیوں کی تاریخ سے جو مثال
پیش کی تھی وہ محض ان کی دفاعی جنگ تھی۔

۱۲۵- یہ بات نہایت غیر منصفانہ ہے کہ مسیحی لوگ (مؤرخ) آنحضرتؐ کے

حضرت موسیٰؑ کے احکام متعلق جنگ عذرات کی بابت بہت کچھ مبالغہ کرتے ہیں،

جن کی حیثیت محض دفاعی تھی اور حضرت موسیٰ ۴۔ حضرت یوشع ۵ اور دیگر معزز اور مقتدر اشخاص کی نہایت ہی بیرحمانہ جنگوں کی بابت جو خدا تعالیٰ کے خاص حکم کے بموجب حصول فتح اور استیصال کفار کی غرض سے عمل میں لائی گئی تھیں، حیلے تراشتے اور ان کی حمایت کرتے ہیں (دیکھو گنتی (الاعداد) ورس ۳۱ اور استثنا ورس ۲۱ وغیرہ) مگر جو کچھ مسطور میری کہتے ہیں اُس پر بھی غور کرو، صفا موصوف قرآن مجید کی سورہ دوم (البقرہ ۲) کی آیت ۸۷ کی تشریح میں حسب ذیل تحریر کرتے ہیں:-

”آیت ۱۸۷ (واقتلوہم) اس قسم کی آیتوں کی بابت بعض حامیانِ دین مسیحی نے پیغمبر عرب م کی بیرحمانہ خصلت ظاہر کرنے کے لئے بہت کچھ مبالغہ کیا ہے اور ان سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت م (معاذ اللہ) ایک دغا باز اور آپ کا قرآن ” (معاذ اللہ) ایک فریب تھا۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ محمد (صلعم) بیرحم ” تھے، (محض لغو ہے) مگر ہمارے نزدیک اس قسم کا حملہ (اعتراض) اگر اس کی نسبت ” کم سے کم راسے ظاہر کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نہایت ہی ناقابلِ اطمینان ہو ” کیونکہ وہی حملہ (اعتراض) پلٹ کر عمدہ عتیق کی گنت مقدسہ پر عائد ہو سکتا ہے اگر محمد (صلعم) در کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کو خدا کی طرف سے نبوت پرستی کے استیصال کا حکم دیا ” گیا تھا، کہ جو نبوت پرست اپنے گناہوں پر پشیمان نہ ہوں اُن کو قتل کیا جائے تو اُسے تسلیم ” کر لینے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ آنحضرت (صلعم) کے طریقِ عمل پر کوئی اعتراض قائم نہیں ہو ” سکتا۔ امر بتقیح طلب یہ ہے کہ آیا خدا نے آنحضرت م کو نبوت پرستوں کے قتل کا ایسا ہی حکم ” دیا تھا جیسا اُس نے بنی کنعان اور عمالقہ کے قلع و قمع کا حکم دیا تھا، مسلمانوں کی اس حیثیت ” کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ خدا نے آنحضرت م اور آپ کے اصحاب کو ضرور ایسا حکم دیا تھا، ” ” اہل میں آنحضرت م کے اخلاق کی حمایت بالکل اسی بنیاد پر کی جاسکتی ہے جس بنیاد پر

”مسیحی حضرت موسیٰ ؑ اور حضرت یوشع ؑ کے اخلاق کی حمایت کرتے ہیں“

۱۲۶۔ پادری ٹی بی ہیوز اپنی کتاب میں جس کا نام ہے، (نوٹس اون محمد نزم حسب ذیل لکھتے ہیں:-

پادری ٹی بی ہیوز

ذیل لکھتے ہیں:-

کا قول:-

”جماد (جس کے لفظی معنی کوشش کے ہیں) کفار کے خلاف ایک مذہبی جنگ ہے جس

”کی تاکید محمد صلعم نے قرآن میں کی ہے۔

”سورہ چہارم (النساء- آیت ۹۷) میں لکھا ہے۔

”فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ | ”پس تم (اے پیغمبر!) راہ خدا میں لڑو“

”فَقَاتِلْ اللَّهُ الْكُفْرَ بِرَبِّهِ” | ”اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو فضیلت دی ہے“

”(النساء- آیت ۹۷) (مسٹر ہیوز نے ”لڑنے والوں“ ترجمہ کیا ہے)

”سورہ چہارم (محمد ۴) میں یہ لکھا ہے:-

”وَالَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ | ”اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے، اُن کے اعمال کو خدا

”فَلَنُفِضَنَّ أَعْمَالَهُمْ“ | ”ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا“ (محمد ۴- آیت ۵)

”(محمد ۴- آیت ۵) (مسٹر ہیوز نے یہ غلط ترجمہ کیا ہے کہ جو لوگ دین حق کی حمایت میں لڑتے ہیں

پہلی آیت جو مسٹر ہیوز نے نقل کی ہے جنگ دفاعی سے تعلق رکھتی ہے۔ خود اسی آ

میں صاف اور صریح بیان موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق دفاعی جنگ سے

ہے، مگر شاید مسٹر ہیوز اس پر مائل نہیں ہوئے کہ اُس آیت کو پورا پورا نقل کیا جائے۔

صاحب موصوف آدھا جملہ نقل کرتے ہیں اور اُسی آیت کے دیگر الفاظ و کلمات سے چشم پوشی

کرتے ہیں۔ یہ آیت فقرہ ۷ میں نقل ہو چکی ہے۔ اُس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

لے دیکھو تفسیر قرآن از یوزنڈ ویری صفحہ ۳۵۸۔

لے کتاب ”نوٹس اون محمد نزم“ یعنی اسلام کے مذہبی نظام کے حالات از پادری ٹی بی ہیوز ایم۔ آر۔ اے۔ ایس جی

ایم۔ ایس مشنری افغانستان صفحہ ۲۰۶ طبع دوم ۱۸۷۷ء۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَعَلَّكَ تُكْفَى
 إِلَّا نَفْسُكَ وَخَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ
 عَنْهُ اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بِأَسْ الدِّينِ
 كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بِأَسًا وَأَشَدُّ
 تَنكِيلًا ۝

(النساء - آیت ۸۶) -

(النساء - آیت ۸۶) -

”پس (اے پیغمبر!) تم راہ خدا میں لڑو، تم پر اپنے
 نفس کے سوا اور کسی کی ذمہ داری نہیں ہے، اور
 مسلمانوں کو ترغیب دلاؤ، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کافروں کے زور کو روک دے اور اللہ کا زور سب سے
 زیادہ قوی اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے“

اہل مکہ اور ان کے مددگاروں کا مسلمانوں کو سخت اپنا ایس دینا، اُن کو شکنجہ عقوبت
 میں مبتلا کرنا، اُن پر شدید حملے کرنا، ان تمام باتوں کی طرف لفظ ”بِأَسْ“ اشارہ
 کرتا ہے، جو اصل آیت میں موجود ہے، اور جس کا ترجمہ، زور، شدت، سختی وغیرہ الفاظ
 سے کیا جاتا ہے، یہ لفظ آیہ سابقہ یعنی آیت ۷ میں آیا ہے، اور اس سے ثابت ہے
 کہ جس جنگ کا یہاں حکم دیا گیا ہے وہ دشمنوں کے حملوں کو روکنے اور قوت کو قوت
 سے دفع کرنے کے لئے تھی۔

پادری ٹی۔ پی۔ ہیوز کی یہ بات نہایت غیر منصفانہ ہے کہ صاحب موصوف نے
 ایک آیت کے نصف جملے کو توڑ مڑ کر یا اس کے سیاق و سباق سے قطع نظر کر کے
 اپنے ایک خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔

۱۲۔ دوسری آیت جو مصنف موصوف نے نقل کی ہے۔ وہ محض غلط ترجمہ ہے

لفظ ”جہاد“ کا مفہوم اصل عربی میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس کا ترجمہ ”لڑائی“ یا جنگ کیا
 جاسکے، اس آیت کا صحیح ترجمہ جو سورہ نساء، ۹۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ حسب
 ذیل ہے۔

وَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَعَلَّكَ تُكْفَى
 وَفَضَّلَ اللَّهُ الْجَاهِدَ بَيْنَ

”اور خدا کا وعدہ نیک سبب ہی سے ہے اور
 اللہ تعالیٰ نے ثواب عظیم کے اعتبار سے جہاد

عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء ۴- آیت ۹۷) (سعی) کر نیوالوں کو (گھر میں) بیٹھ رہنے والوں پر فوقیت دی ہے۔

جس لفظ کا ترجمہ سعی کرنے والا کیا گیا ہے وہ دراصل لفظ درحجاء ہے جس کی جمع مجاہدین ہے۔ اور یہ لفظ جہاد سے مشتق ہے، اس کا مفہوم قدیم عربی زبان اور تمام قرآن مجید میں یہ ہے، ”حتی المقدور کوشش کرنا“۔ ”سعی کرنا“، ”جہاد شائی کرنا“۔ کسی کام میں محنت، تہذیبی جوش، سرگرمی، شوق یا ہمت سے مصروف ہونا۔ اس لفظ کے معنی جنگ یا لڑنا نہیں ہیں۔ بعد کو اس کے معنی مزہبی لڑائی قرار پائے مگر قرآن مجید میں یہ لفظ کبھی اس معنی میں مستعمل نہیں ہوا۔

۱۲۸۔ تیسری مثال جو مسطر ہیوز نے نقل کی ہے، وہ بھی سورہ چہل و ہفتم (سورہ چہل و ہفتم (محمد ۴) آیت ۵) کے ایک جملہ کا غلط ترجمہ ہے، اصل عربی لفظ ”قَاتِلُوا“ ہے جس کے معنی ہیں، ”وہ لوگ جو قتل کئے جائیں“ نہ کہ ”وہ لوگ جو لڑیں“ جیسا کہ مصنف نے غلط تشریح اور غلط تعبیر کی ہے۔ اس جملہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ”اور وہ لوگ جو قتل کئے جائیں۔ ان کے اجر کو خدا ضائع نہ ہونے دے گا“

بعض نے اس لفظ کو قَاتِلُوا پڑھا ہے جس کے معنی ہیں ”وہ لوگ جنہوں نے قتال کیا“ لیکن عام معتبر اور مسلم لفظ ”قَاتِلُوا“ ہی ہے۔ یعنی ”وہ لوگ جو قتل کئے جاتے ہیں“ اگر یہ بات مان لی جائے کہ پہلا ہی لفظ صحیح ہے، تو بھی اس کی تشریح دوسری متعذر آیتوں کو مد نظر رکھ کر کی جائے گی، جن کا مفہوم جنگ دفاعی ہے نہ کہ حملہ کی لڑائی، صرف یہی نہیں، کہ قرآن مجید میں حملہ کرنے کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ ہمیشہ اس کی مانعت کی گئی ہے، (دیکھو البقرہ ۲- آیت ۱۸۶) وہ آیت حسب ذیل ہے:-

۱۸۶۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝
(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)۔

۱۸۶۔ اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں
اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
(البقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)۔

اس آیت کی رو سے صرف جنگ دفاعی کی اجازت اور ہر قسم کے حملہ کی
مانعت تھی۔ دیگر آیات جو مسلمانوں کے لڑنے کے متعلق ذکر کی گئی ہیں اُن سب کی
تفسیر اس آیت کے مطابق ہونی لازم ہے۔
۱۲۹۔ پادری ملکم میکل حسب ذیل لکھتے ہیں:-

ریورڈ مسٹر ملکم میکل
کا قول۔
”قرآن دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ دارالاسلام، یعنی اسلام کا ملک
اور دارالحرب، یعنی دشمن کا ملک۔ پس جو لوگ مسلمان نہیں ہیں وہ سب
دارالاسلام کے مخالف ہیں۔ لہذا سچے مسلمانوں کا فرض ہے کہ کفار کے خلاف جنگ کریں، یہاں تک کہ وہ
”یا تو اسلام قبول کریں یا قتل ہو جائیں۔ اس کو جہاد یا جنگ مقدس کہتے ہیں جس کا خاتمہ صرف
”اُس صورت میں ہو سکتا ہے کہ یا تو دنیا کے کفار سب کے سب اسلام قبول کر لیں، یا اُن کا ایک
”ایک آدمی مارا جائے۔ پس خلیفہ اسلام کا مقدس فرض یہ ہے کہ جب موقع پیش آئے، غیر مسلم دنیا
”پر جہاد کیا جائے مگر دارالحرب یعنی غیر مسلم دنیا کے پھر دو حصے کئے گئے ہیں۔ یعنی بُت پرست اور اہل
”کتاب، اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں، جن کے پاس الہام الہی کے مقدس نوشتے موجود ہیں، یعنی
”یہود و نصاریٰ اور سامرہ۔ دارالحرب کے تمام باشندے کافر اور اسی لئے نجات کے دائرے سے
”خارج ہیں، مگر اہل کتاب کو اس دنیا میں خاص حقوق دئے گئے ہیں، اگر وہ اسلام کی مقرر کی ہوئی

سامرہ کا تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو بیضاوی جلد اول صفحہ ۴۰۴ سورہ طہ ۲۰۔ آیت ۸۷ کے ذیل میں یا تاج العو
جلد سوم صفحہ ۲۹ لغت ستیز۔ تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۹۱۔ سامرہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ایک شخص نے حضرت
موسے کے عہد میں گوسالہ بنا یا تھا۔ گوسالہ بنانے والے کا نام تو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے مگر تفسیر کی
کتا بوں میں اس کا نام موسے بن نظر لکھا ہے۔ (عبد اللہ خاں)

”شرطوں کو قبول کر لیں۔ دیگر کفار کو اپنے لئے ان دو باتوں میں سے ایک بات یعنی اسلام یا تلوار کا پسند کرنا ضروری تھا، اہل کتاب کو ایک تیسری بات کے مان لینے کی بھی اجازت تھی، یعنی اٹا“

”قبول کر کے جزیہ ادا کریں۔ لیکن اگر وہ اطاعت قبول کرنے سے انکار کریں اور سچے مومنوں کے مقابلے میں جنگ کرنے کی جرات کریں، تو پھر فوراً ان کی حالت بھی دار الحرب کے دیگر کفار کی مانند رہ جاتی ہے، اور اُن کو یا تو سرسری طور پر قتل کیا جاسکتا ہے، یا غلاموں کے طور پر فروخت کیا جاسکتا ہے“

میں نہایت افسوس کرتا ہوں۔ کہ پادری صاحب موصوف نے قرآن مجید کی بات جو دعویٰ کئے ہیں ~~سراسر غلط~~ ہیں۔ قرآن مجید میں نہ تو دنیا کی ایسی تقسیم ہے اور نہ کہیں اُس میں دارالاسلام اور دارالحرب جیسے الفاظ کسی جگہ پائے جاتے ہیں۔ سچے مومنوں کے لئے قرآن مجید میں اس مضمون کا کوئی حکم نہیں ہے کہ کفار کے ساتھ اُس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ اسلام کو قبول نہ کریں اور اسلام کے قبول نہ کرنے کی صورت میں اُن کو قتل کیا جائے۔ الفاظ ”دارالاسلام“ اور ”دارالحرب“ مسلمانوں کے عام قانون (فقہ) میں پائے جاتے ہیں اور وہ صرف عملداری یا حکومت کی بحث میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ کوئی مسلمان عامل کسی فوجداری مقدمہ میں ایک ایسے مجرم کو سزا نہیں دے گا۔ جس نے غیر ملک میں جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ یہی صورت دیوانی عدالتوں میں ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ دارالحرب کے تمام باشندے غیر مسلم ہی ہوں۔ جو مسلمان غیر ملک کے بادشاہ سے

۱۔ دیکھو رسالہ نائن ٹینتھ سیپیری (انیسویں صدی) لندن بابت دسمبر ۱۸۷۷ء صفحہ ۸۳۲۔

۲۔ اس مضمون پر میری اُس کتاب میں جس کا عنوان ہے ”مجوزہ ملکی قانونی اور تمدنی اصلاحات اسلامی حکومتوں میں پوری بحث کی گئی ہے، دیکھو کتاب مذکور کے صفحات ۲۲ تا ۲۵۔ انگریزی مطبوعہ ایجوکیشن سوسائٹی پریس ۱۸۸۷ء یا ترجمہ اردو صفحات ۴۰ تا ۴۲ فقرہ ۸ مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۹۱۷ء۔ (چراغ علی)

۳۔ اس کتاب کا جس کی طرف مرحوم مصنف نے اشارہ کیا ہے اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے اور دھوڑوں میں شائع ہوا ہے۔ اور اس کا نام ”اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام“ ہے۔ (عبداللہ خاں)

عارضی یا مستقل طور سے اُس کے ملک میں سکونت کی اجازت حاصل کر لیں، وہ دارالحرب کے باشندے ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ ملک جو مسلمانوں کی عملداری سے باہر ہے یا جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہو۔

۱۲۔ صرف عام قانون یعنی فقہ کے جنگی اور سیاسی ابواب میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے

عام قانون (فقہ مزجہ) کی جو غیر مسلموں سے بلا اشتعال طبع جنگ کرنے، اور اہل کتاب اور دیگر بُت پرستوں سے بجز اہل عرب کے جزیہ لینے کی اجازت

دینا ہے، کیونکہ فقہ حنفی کے بموجب مشرکین عرب کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا تو اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کئے جائیں۔ ہمارے فقہاء اپنے خیال کی تائید میں مسلمانوں کے الہامی قانون اور احادیث پیغمبر سے یا الفاظ دیگر کتاب اور سنت سے اپنی رائے کی تائید میں اقتباسات پیش کرتے ہیں، خواہ اُن کا طرز استدلال اور اُن کی بحث کے نتائج کیسے ہی لغو اور ناقابل قبول ہوں۔ وہ غیر مسلموں سے جنگ کرنے اور اُن سے جزیہ لینے کے خیال کی تائید میں قرآن مجید کی نویں سورۃ اور دیگر سورتیں پیش کرتے ہیں۔ یہ آیتیں کتاب ہذا میں کسی دوسرے موقع پر نقل کی گئی ہیں اور اُن کی تشریح کی جا چکی ہے۔ قرآن مجید سے یہ جنگی اصول استنباط کرنا فقہاء کا منطقی مغالطہ اور بالکل کمزور دلیل ہے۔ یہ آیتیں صرف اُن لڑائیوں سے علاقہ رکھتی ہیں جو پیغمبر اسلام (صلعم) اور آپ کے اصحاب نے محض اپنے دفاع کے لئے کی تھیں۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بلا اشتعال طبع جنگ کرنے اور جزیہ لینے سے ان آیتوں کا کوئی تعلق نہ تھا، اور نہ وہ آئندہ جنگی فتوحات کے لئے دستور العمل قرار دی جاسکتی تھیں، ان لڑائیوں کا فعل صرف عارضی اور اُن کی حیثیت محض دفاعی تھی۔ مسلمانوں کا عام قانون یعنی فقہ ہرگز خدائی قانون یا مافوق البشریت نہیں ہے۔ وہ زیادہ تر غیر یقینی روایات اہل عرب کے

اوضاع و اطوار اور رسم و رواج بعض خفیف قیاسی نتائج جو قرآن مجید سے اتفاقاً نکل آئے ہیں، اور فقہاء کے کثیر التعداد سوفسطائی دلائل پر مشتمل ہے۔ جب یہ قانون مدون ہوا ہے یعنی چوتھی صدی ہجری میں اُس وقت سے کسی اسلامی ملک کے روشن خیال مسلمانوں نے کسی زمانہ میں بھی اُس کو مقدس یا ناقابلِ تغیر ہرگز خیال نہیں کیا۔ جملہ مجتہدین اور اہل حدیث اور دیگر مقلدین ائمہ اربعہ کی مذہبی فقہ یا عام قانون کا کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔

۱۳۱- سورہ چل و ہشم (فتح ۲۸) کی آیت ۱۶ کو فقہانے اپنے مسئلہ جہاد کی

سورہ چل و ہشم (فتح ۲۸) آیت ۱۶- اور
سورہ چل و ہشم (محمد ۴۷) آیات ۲۷ و ۲۸ پر

تایید میں عام طور پر تو نقل نہیں کیا، مگر شاذ و نادر ہی کسی شخص نے نقل کیا ہے۔ یہ آیت بصورت امر یا حکم

نہیں ہے، بلکہ وہ ایک پیشین گوئی کی شان رکھتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

۱۶- ”(اے پیغمبر!) اُن اعراب (وہیاتی لوگوں) سے جو (سفر

۱۶- قُلْ لِلّٰہِ الْکَیْفِیۃُ مِنَ الْاَعْرَابِ

حدیبیہ سے) سمجھے رہ گئے ہیں کہ وہ غنقریب تم بڑے لرطنے والے

سُتۡدِعُوۡنَہٗ اِلٰی یَّوۡمِ اُوۡلٰیۤیَہٗۤ اَسۡ تَبۡیۡدُ

(اہل فارس و روم) سے مقابلہ کے لئے بلائے جاؤ گے، کہ تم اُن

تَقَارِبُوۡنَہُمۡ اَوْ یُسَلِّمُوۡنَ ۝

سے لڑو گے یا وہ اطاعت قبول کریں گے (فتح ۲۸- آیت ۱۶)۔

(فتح ۲۸- آیت ۱۶)

لے سرورِ مہمور اور قرآن مجید کے دیگر یورپین مترجم اس لفظ (یُسَلِّمُوۡنَ) کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”وہ اسلام قبول کریں گے“ (دیکھو سیرت محمدی جلد چہارم صفحہ ۳۵ کا فٹ نوٹ)۔ اس لفظ کا ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ ”وہ اطاعت قبول کریں گے“۔ اس لفظ میں فقہاء و مفسرین کے درمیان اختلاف رائے ہے، بعض اشخاص لفظ ”یُسَلِّمُوۡنَ“ کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”وہ اسلام قبول کریں گے“ اور بعض یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ”وہ اطاعت قبول کریں گے“۔ ایک ہی لفظ کی تعبیر میں ایسا اختلاف صرف فرقہ بندی کی طبیعت کا نتیجہ ہے ہر ایک فریق اپنا مطلب لکھنا پاتا ہے جن فقہاء کی رائے تقبی کہ شرکوں یا اُوربت پرستوں سے یا تو جنگ کی جائے، اور یا وہ لوگ جزیرہ ادا کر کے اسلامی حکومت کے مطیع ہو جائیں، انہوں نے تو اس لفظ کے اصلی معنی ”طاعت“ لئے ہیں جن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اہل کتاب کو صرف باج گزار بنانا چاہیے، اور دیگر تمام ہت پرستوں اور مشرکوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ یا تو قتل ہوں یا اسلام لائیں، وہ اس لفظ کے اصطلاحی معنی لیتے ہیں ”اسلام قبول کرنا“ مگر چونکہ اس آیت میں شرعی حکم نہیں ہے اس لئے فقہانہ کی سوفسطائی بحث کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

سورہ چہل و ہفتم (محمد ۲۷) کی آیت ۵۷-۵۸ اس مضمون کی دیگر آیتوں کی مانند دفاعی جنگ سے تعلق رکھتی ہے، اور کسی شخص نے حملہ کی لڑائی کی تائید میں ان آیتوں کو کبھی پیش نہیں کیا۔ یہ آیتیں پہلے فرقہ ۷۷ میں نقل کی جا چکی ہیں، آئندہ غلامی کی موقوفی جس کا حکم پانچویں آیت میں ہے اس پر جداگانہ ضخیمہ میں بحث کی گئی ہے۔ عرب مثل اُن دیگر وحشی قوموں کے جو اُن کے گرد و پیش تھیں جنگ کے قیدیوں کو یا تو قتل کر دیتے تھے یا اُن کو غلام بنا لیتے تھے، مگر قرآن مجید کے اس حکم نے ان دونوں بی رحمی کے دستوروں کو موقوف کر دیا۔ اس کے بعد قیدیوں کو نہ تو قتل کیا جاسکتا تھا۔ اور نہ غلام بنایا جاسکتا تھا۔ بلکہ اُن کو فدیہ لے کر یا بلاوائے فدیہ آزاد کر دینا ضروری تھا *

تَسْتَبِیْحُ بِالْخَيْرِ

ضمیمہ اول

قرآن میں لفظ جہاد کس معنی میں آیا ہے
اور جنگ و جدل اُس کا غلط مفہوم سمجھا گیا ہے۔

۱۔ مشہور لفظ ”جہاد یا جہد“ جو قرآن کی متعدد آیات میں آیا ہے، اور

لفظ جہاد یا جہد کے معنی جنگ جس کے معنی عیسائی اور مسلمان دونوں نے کفار کے
اور کروسیڈ کے نہیں ہیں۔ ساتھ خصوصیت یا جنگ و جدل کے لئے ہیں، نہ تو اس

کے معنی قدیم عربی زبان میں، نہ علمائے ادب کے نزدیک، لڑائی، قتال، ٹھٹھو
یا جنگ کے ہیں، اور نہ قرآن میں کبھی اس مفہوم پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ عربی
زبان میں جنگ و پیکار کے لئے الفاظ حزب و قتال استعمال کئے جاتے ہیں۔

۲۔ لفظ ”جہد یا جاحد“ کے معنی ہیں، ایک شخص نے کوشش یا محنت

جہاد وغیرہ کے معنی کی، یا اپنا زور اور کوشش و لیاقت خرچ کی، جفاکشی کی، یا
قدیم عربی زبان میں غیر معمولی مشقت اٹھائی۔ مثلاً ”جَاهِدَ فِي الْأَمْرِ“ کے معنی

ہیں، اُس نے خوب کوشش سے کام کیا، اور اپنی لیاقت و طاقت سے پورا کام لیا
”جہاداً“ حاصل مصدر ہے یعنی مشقت، محنت، تکلیف، ماندگی، تھکان۔

لہ ماخوذ از صحاح جوہری (متوفی ۳۹۶ھ یا ۳۹۷ھ) اساس البلاغہ زحشری (متولد ۴۶۴ھ متوفی ۵۳۸ھ)
لسان العرب لابن مکرم (متولد ۴۳۴ھ متوفی ۵۰۴ھ) قاموس للفيروز آبادی (متولد ۴۴۹ھ متوفی ۵۱۸ھ) مد
القاموس مصنفہ مطر لین کتاب اول حصہ دوم صفحہ ۲۱۳۔ لہ مصباح فیومی تصنیف ۴۳۷ھ۔
لہ ماخوذ از صحاح اساس لابن الاثیر جزری مصنف نہایہ (متوفی ۵۴۱ھ) مغرب المطرزی (متولد ۵۳۶ھ
متوفی ۵۸۱ھ) مصباح وقاموس۔ دیکھو مد القاموس مصنفہ لین کتاب اول۔ حصہ دوم صفحہ ۲۷۷۔

جو ہرمی، جو اہل لغت میں ایک بڑا نامور شخص ہے، اور جس کی کتاب میں قدیم عربی زبان کے معنی اور مفہوم بھی بیان کئے گئے ہیں، اپنی صحاح میں لکھتا ہے کہ:-
 ”جَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جِهَادًا وَجِهَادًا“ اور نیز ”اجتہد اور
 تجاہد“ کے معنی ہیں اُس نے زور لگایا اور جفاکشی کی۔

فیومی مصنف مصباح المنیر، جس میں اُس نے قدیم عربی معنی اور محاورات
 کے الفاظ بکثرت درج کئے ہیں، لکھتا ہے:-

”جَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جِهَادًا“ اور اجتہد فی الامر کے معنی ہیں
 اُس نے اللہ کے کام میں اپنی طاقت اور کوشش سے پورا پورا کام لیا۔

۳۔ اور یہ جو ”جہاد“ کے معنی دشمن سے لڑنے کے ہو گئے ہیں یہ صرف متاخرین
 لفظ جہاد کے آخری نے لئے ہیں، اور اصطلاحی معنی کہلاتے ہیں مسٹر لین لکھتے
 ہیں:-

”جِهَادٌ کے یہ معنی کہ اس نے لڑائی کی، یا جنگ کی، اور کفایت قتال وغیرہ کیا، مسلمانوں
 نے لئے ہیں۔ مصنف قاموس کی طرح یہ معنی وہی اہل لغت لیتے ہیں جو عربی الفاظ کے قدیم
 ”معنی لینے کے پابند نہیں رہے ہیں۔“

مسٹر لین جو مدقاموس کے مشہور مصنف ہیں، اور جنہوں نے عربی انگریزی
 لغت کی کتاب لکھی ہے، صاف صاف لکھتے ہیں کہ:-

”جہاد“ سے لڑائی لڑنے کا مفہوم لینا صرف اسلام کے زمانہ کا تراشا ہوا ہے، قدیم
 مدعربی زبان میں اُس کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ہم آئندہ چل کر ثابت کریں گے کہ مسلمان
 ”جو جہاد کے معنی لڑائی لڑنے کے لیتے ہیں وہ قرآن کے نازل ہونے کے بعد اس کے
 ”مفہوم میں داخل کئے گئے ہیں اور جس طرح اس کا استعمال قرآن میں ہوا ہے وہ اُس
 ”کے قدیم محاورے اور اُس کے وضعی و اصلی معنی میں ہوا ہے۔“

۴۔ وہ عربی زبان جو قدیم کہلاتی ہے، یا جو لغت کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اور جو عربی کے قدیم اور صحیح معنی و مفہوم کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہے وہ وہ زبان ہے جو جزیرہ نما عرب میں بعثت نبی آخر الزما سے قبل بولی جاتی تھی۔ رسول اکرم کی وفات کے بعد عربی میں بہت جلد غیر زبانوں کے الفاظ شامل ہو گئے۔ اس کی وجہ مسلمانوں کی وہ عظیم الشان فتوحات تھیں جو اُس زمانہ میں انہیں حاصل ہوئی تھیں۔ قدیم شعرا وہ ہیں جو بڑی بڑی فتوحات کے قبل مر گئے تھے۔ یہی لوگ عربی محاورات اور الفاظ کے ٹھیک ٹھیک معنی کے لئے حجت مانے جاتے ہیں۔ یہ شعرا اے جاہلی کہلاتے ہیں یعنی شعرا اِی زمانہ جاہلیت۔ ان قدیم شعرا کے بعد جو شاعر ہوئے انہیں مخضرم اور اسلامی شعرا کہتے ہیں مخضرم وہ شاعر ہے جس کی عمر کا کچھ حصہ رسول اللہ سے پہلے اور کچھ بعد گزرا، اور جو آپ کے حین حیات دائرۃ اسلام میں داخل نہ ہوا ہو۔ اسلامی شعرا وہ مسلمان شعرا ہیں جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں گزرے ہیں اور مولد ایک چوتھے طبقہ کے شعرا ہیں جنہوں نے اسلامی شعرا کی تقلید کی ہے۔ سب سے پہلے وہ شعرا قدیم ہیں جو ولادت باسعادت رسول اکرم سے صرف کوئی ایک صدی پیشتر ہوئے ہیں، اور اُن سے دوسرے درجہ پر وہ ہیں جو آپ سے ایک صدی بعد تک زندہ رہے ہیں۔ اسلامی شعرا کا زمانہ پہلی دو صدیاں ہیں، یعنی یہ لوگ عربی زبان کی ابتدائی خرابی کے زمانہ میں تھے، مگر اُن کے عہد میں اس خرابی کو پوری وسعت نہیں ہوئی تھی۔

مولد شعرا کا زمانہ وہ ہے جب کہ زبان عربی بخوبی خراب ہو چکی تھی، یہ زمانہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا یا وسط سے شمار کیا جاتا ہے۔

۵۔ لفظ ”حمد و جہاد“ اور اُن کے پندرہ مشتقات قرآن شریف کی آیات

جہاد اور جہد کی ذیل میں واقع ہوئے ہیں :-

- تقریف اور گردان - ۱۔ جَاهِدٌ، العنکبوت ۲۹، آیت ۵۔ التوبہ ۹، آیت ۱۹۔
- ۲۔ جَاهِدْ اِلٰہَ، النمل ۳۱، آیت ۱۲۔ العنکبوت ۲۹، آیت ۷۔
- ۳۔ جَاهِدْ وَا، البقرہ ۲، آیت ۲۱۷۔ الانفال ۸، آیت ۷۳ و ۷۵ و ۷۶۔ التوبہ ۹، آیت ۱۶ و ۲۰ و ۸۹۔ الحجرات ۴۹، آیت ۱۵۔ آل عمران ۳، آیت ۱۶۱۔ النحل ۱۶، آیت ۱۱۱۔ العنکبوت ۲۹، آیت ۶۹۔
- ۴۔ يُجَاهِدُ، العنکبوت ۲۹، آیت ۵۔
- ۵۔ يُجَاهِدُونَ، المائدہ ۵، آیت ۵۹۔
- ۶۔ يُجَاهِدُوا، التوبہ ۹، آیت ۴۴ و ۸۲۔
- ۷۔ تَجَاهِدُونَ، الصف ۶۱، آیت ۱۱۔
- ۸۔ جِهَادٌ، الفرقان ۲۵، آیت ۵۴۔ الحج ۲۲، آیت ۷۷۔ التوبہ ۹، آیت ۲۴۔ الممتحنہ ۶۰، آیت ۱۔
- ۹۔ جَہْلٌ، المائدہ ۵، آیت ۵۸۔ الانعام ۷، آیت ۱۰۹۔ النحل ۱۶، آیت ۴۰۔
- النور ۲۴، آیت ۵۲۔ الفاطر ۳، آیت ۴۰۔
- ۱۰۔ جَہْلٌ، التوبہ ۹، آیت ۸۰۔
- ۱۱۔ جَاهِدٌ، التوبہ ۹، آیت ۷۴۔ التحریم ۶۶، آیت ۹۔
- ۱۲۔ جَاهِدْهُمْ، الفرقان ۲۵، آیت ۵۴۔
- ۱۳۔ مُجَاهِدِينَ، النساء ۴، آیت ۷۷۔ محمد ۴۷، آیت ۲۳۔ الحج ۴۲، آیت ۷۷۔
- ۱۴۔ مُجَاهِدُونَ، النساء ۴، آیت ۷۷۔
- ۱۵۔ جَاهِدْ وَا، المائدہ ۵، آیت ۳۹۔ التوبہ ۹، آیت ۴۱ و ۸۷۔
- ۱۶۔ قرآن شریف کی کل چھتیس آیتوں میں الفاظ مذکورہ بالا وارد ہوئے

ان سورتوں اور آیتوں کے نام
 واعداد جن میں یہ الفاظ آئے ہیں
 البقرہ ۲، آیت ۲۱۵- آل عمران ۲، آیت ۱۳۶- النساء ۴،
 آیت ۹۷- المائدہ ۵، آیت ۳۹ و ۵۸ و ۵۹- الانعام ۶، آیت ۱۰۹- الانفال ۸، آیت ۴۳
 و ۷۵ و ۷۶- التوبہ ۹، آیت ۱۱۹ و ۱۲۰ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴ و ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰
 النحل ۱۱۶، آیت ۲۰ و ۱۱۱- الحج ۲۲، آیت ۷۷- النور ۲۴، آیت ۵۲- الفرقان ۲۵، آیت ۴۳
 و ۴۴- العنکبوت ۲۹، آیت ۵ و ۷ و ۸ و ۹- قلم ۳۱، آیت ۱۲- الفاطر ۳۵، آیت ۲۰- محمد ۴۷
 آیت ۳۳- الحجرات ۲۹، آیت ۱۵- الممتحنہ ۶۰، آیت ۱- الصف ۶۱، آیت ۱۱- التحريم ۶۶،
 آیت ۹ +

کے منجملہ مقامات مذکورہ بالا المائدہ (آیت ۵۸)، الانعام (آیت ۱۰۹)، النحل (آیت ۱۱۶)
 قرآن میں ان الفاظ کے
 ۴۸، النور (آیت ۵۲)، الفاطر (آیت ۲۰) اور التوبہ (آیت ۸۰)
 میں جو الفاظ ”جھٹل اور جھٹل“ آئے ہیں، اور جن پر اس قسم
 کیا محض لئے گئے ہیں
 کا نشان لگایا گیا ہے، وہ بحث سے خارج ہیں۔ ان سب آیات میں سوائے ایک
 آخری مقام کے، اُس کے معنی صریحاً نہایت پختہ قسموں یا زوردار قسموں یا بہت
 بڑی مضبوط اور جوشیلی قسموں کے ہیں۔ اور آخری مقام پر اس سے مراد وہ تھوڑی
 سی خوراک ہے جس پر ایک قلیل البضاعت شخص مشکل سے گزر کر سکتا ہے۔ باقی
 آیات دو قسم کی ہیں۔ پہلی وہ جو کئی سورتوں میں واقع ہوئی ہیں۔ چونکہ اس وقت
 حکم مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار نہیں اٹھائے تھے، اگرچہ کہ وہ نظام
 سے تکلیف سہمہ رہے تھے۔ لہذا مسلمان مفسرین و فقہاء اور نیز عیسائی مصنفین نے
 بالاتفاق ”جہاد“ سے اُس کے اصلی معنی جفاکشی، کوشش، زور اور محنت کے
 ساتھ کام کرنے کے لئے ہیں۔ دوسری وہ آیات ہیں جن میں وہ لفظ مدنی سورتوں
 میں آئے ہیں۔ یہ اس وقت نازل ہوئی تھیں جب کہ مسلمان اپنی حفاظت کے لئے

ہتھیار اٹھا چکے تھے۔ اس زمانہ کی مناسبت سے ان الفاظ کے بالکل ایک نئے اور عارضی معنی مذہبی غارت گردائی کے لئے گئے۔ تاہم اس زمانہ کی بعض آیات میں مسلمان اور عیسائی مصنفین نے اس لفظ کو اپنے اصلی اور وضعی معنی میں بھی لیا ہے۔

۸۔ میں اس سے بالکل متفق ہوں، کہ بعد کی عربی زبان میں، یعنی اُس زبان

جہاد کے اصطلاحی معنی میں جو رسول مقبول م کے زمانہ کے بعد کی ہے، جب کہ زبان

بڑی تیزی سے خراب ہوتی جا رہی تھی، لفظ ”جہاد“ کے معنی جنگ یا لڑائی کے لئے جاتے تھے، لیکن یہ معنی صرف فوجی محاورہ تک محدود تھے۔ پھر اس کے بعد سے فنون سپہ گری میں اس لفظ کے معنی لڑائی لڑنے یا مذہبی جنگ کرنے کے ہو گئے۔ اور متاخرین میں اُس کا یہ مفہوم مسلمانوں کی کتب فقہی اور اخیر زمانہ کے لغتوں میں بھی داخل ہو گیا۔ لیکن یہ اخیر کی بگڑی ہوئی یا متاخرین کی زبان اُس کے معنی کی تصدیق کے لئے کوئی قابل اعتبار سند تسلیم نہیں کی جاسکتی۔

مسٹر ایڈورڈ ولیم لین اپنے لغت مد القاموس کے مقدمہ (صفحہ ۸ و ۹) میں لکھتے ہیں کہ :-

”راے عام سے یہ فیصلہ ہو گیا ہے، کہ کوئی شاعر، یا کوئی دوسرا شخص قدیم زبان کے الفاظ کے معانی صرفی و نحوی، یا علم عروض، کے بارہ میں قطعی اور واجب التسلیم سند نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اشاعت اسلام سے قبل نہ مر چکا ہو۔ عہد اسلام سے کچھ پہلے اور کچھ بعد زندہ نہ رہا ہو، اُن کی اصلاح کے مطابق جاہل مخفّر نہ ہو، جسے بعض مخفّر یا مخفّر یا مخفّر ”بھی کہتے ہیں۔ مخفّر سے دوسرے درجہ پر اسلامی شعرا ہیں، چونکہ اُس زمانہ میں زبان کی خرابی بہت بڑھ گئی تھی، یہاں تک کہ جن لوگوں کی زبان بہت شایستہ مانی جاتی تھی وہ بھی ”اس سے نہ بچے تھے۔ لہذا اسلامی شاعر پہلے دو طبقوں کی طرح قطعی اور واجب التسلیم ”نہیں مانے جاتے تھے۔ اس سے بعد کے درجہ کا شاعر، جو سب سے آخری درجہ ہے،

”مولد کہلاتا ہے، جو یقیناً بعد کی زبان والا ہے وہ صرف علم عروض میں مستند مانا جا سکتا ہے۔ مولدین کی ابتدا کا زمانہ بخوبی صاف صاف نہیں بتلایا گیا ہے۔ لیکن وہ دوسری صدی ہجری کے وسط سے پہلے ہونا چاہیئے، کیونکہ اصلی زبان کا زمانہ قریب قریب پہلے ”صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ اس وقت اشاعت اسلام سے قبل کے لوگ بہت کم زندہ تھے۔ اس طرح پوراچھ اسلامی شعر اول درجہ کے زبان دانوں کے طبقہ میں شمار کئے جاسکتے تھے اور علی العموم کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ”وہ زبان قدیم کے الفاظ اور ان کے معانی صرفی و نحوی اور مسائل علم بلاغت میں قطعی سند نہیں تسلیم کئے جاتے“

مسٹر ٹامس شینزری ایم اے لکھتے ہیں :-

”ہجرت نبوی سے ایک ہی صدی کے اندر سلطنت اسلامیہ کا شہر اور ملتان سے لیکر مراکو اور پیرینیز تک پھیل گئی تھی۔ اور عرب کے پڑھے لکھے لوگ ایسی مختلف نسلوں کے ساتھ رہنے لگے تھے جس سے ان کی زبان خراب ہونے لگی تھی۔ صرف جاہلی شاعر، جو اشاعت اسلام سے پہلے مر گیا ہو، یا مخفرم جو اشاعت اسلام کے آغاز میں موجود ہو، زبان میں مستند اور قابل اعتبار سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی شاعر، جو اشاعت اسلام کے بعد پیدا ہوا بہت کم تہذیب کا خیال کیا جاتا تھا۔ پہلی صدی کے بعد کے شاعر مولدین کہلاتے ہیں، وہ صرف انشاء پردازی کے لحاظ سے مستند سمجھے جاتے ہیں، عربی زبان میں ان کی سند تسلیم نہیں کی جاتی“

۹۔ تمام شارحین مفسرین اور فقہا تسلیم کرتے ہیں۔ کہ جہد اور جہاد کے

مسلمان شارحین وغیرہ ابتدائی اور وضعی معنی زور، قابلیت اور مشقت کے ہیں۔ اور

لڑائی اور مذہبی جنگ اصطلاحی اور استعارتی معنی ہیں۔ ابن عطیہ سورۃ العنکبوت

کی آیت ۶۹ کی نسبت کہتا ہے کہ ”وہ مکی ہے“ اور عرفی جہاد کے حکم سے پہلے نازل ہوئی“

لے مقامات حریری (مترجمہ ٹامس شینزری ایم اے) جلد اول دیباچہ صفحہ ۶۷

(فتح البیان فی مقاصد القرآن، جلد دوم، صفحہ ۷۱۵، مصنف مولوی صدیق حسین خاں)
خطیب قسطلانی اپنی کتاب ارشاد الساری فی شرح البخاری میں لکھتا ہے کہ:-
”جہاد“ جہد سے نکلا ہے، جس کے معنی محنت، مزدوری کے ہیں۔ یا جھگڑ سے
”مشتق ہے، جس کے معنی زور و طاقت کے ہیں، اور اصطلاحی معنی اسلام کی تائید میں
”کفار سے جنگ کرنے ہیں“ (جلد پنجم صفحہ ۲۶)۔

محمد علاؤ الدین الحسکفی (متوفی ۸۸۸ھ) مصنف الدر المختار شرح تنویر الابصار،
مصنف الشیخ الترمذی (متوفی ۳۲۰ھ) باب الجہاد میں لکھتا ہے کہ:-

”لفظ جہاد، قدیم زبان میں، جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کا اسم مصدر ہے۔ اصل
”فقہ میں اُس کے معنی ہیں، کفار کو سچے دین کی طرف بلانا، اور بصورت انکار اُن سے لڑنا“
ابن عابدین شامی کتاب مذکور کی شرح میں لکھتا ہے کہ:-

”جَاهَدَ کے اسم مصدر کے معنی ہیں، اپنی طرف سے کامل کوشش کرنا، اُس کے عام معنی
”ہیں، اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرتا ہے“

۱۔ یہ بات تمام اہل لغت، شارحین، اور فقیہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم عربی میں

جہاد اپنے اصل معنی سے بدل کر مذہبی جنگ کے متبادل کے متبادل یا اصطلاحی معنی، صرف متاخرین کے زمانہ
معنی میں کب سے لیا گیا۔

لئے یہ بالکل نامناسب ہے کہ قرآن میں ہر جگہ اُس کے نو تراشیدہ معنی لئے جائیں
اس کے علاوہ اس کو وہ تمام مسلمان مفسرین اور انگریزی مترجمین قرآن بھی تسلیم
کرتے ہیں، جو اس لفظ کو تمام مکی اور ابتدائی مدنی سورتوں میں، اُس کے اصلی
اور لفظی معنوں میں لیتے ہیں۔ اور ایسی صرف چند آخری مدنی سورتیں ہیں،

لے حاشیہ در المختار علی الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ مصر۔ ۱۵ (کتاب ہذا کے ۹۳ صفحہ پر دیکھو)

جن میں مفسرین اور مترجمین نے جہاد کے اصلی معنی سے عارول کیا ہے۔ اور متاخرین کے اصطلاحی اور غیر وضعی مفہوم کو ترجیح دے کر اُس میں مذہبی جنگ کے معنی پہنائے ہیں۔

۱۱- میں یہاں لفظ ”جہاد“ اور اس کے مشتقات اور اس کے مختلف صیغوں

قرآن ک وہ تمام آیات جن میں جہاد یا اس کے مشتقات آئے ہیں۔ کے معانی، جو کئی انگریزی ترجموں میں لئے گئے ہیں، ایک دوسرے کے مقابل دکھانا چاہتا ہوں۔ اول تو اس غرض سے کہ مسٹر جارج سیل اور ریوزنڈ جے۔ ایم۔ راڈول

وغیرہ یورپین مصنفین علی العموم اس کے اصلی، ابتدائی اور قیدی معنی لیتے ہیں۔ اور دوسرے یہ دکھانے کے لئے، کہ یہ لوگ بعض مقامات پر، ایک ہی لفظ سے ایک ہی قسم کی آیتوں میں، اس کے لفظی و اصطلاحی معانی لینے میں کیسا اختلاف

لے (از صفحہ ۹۲ کتاب ہذا) عہد نامہ مدینہ میں جو لفظ استعمال ہوا تھا۔ اسی کے متعلق سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:-

”اس لفظ کے معنی بعد کو اصطلاح میں جہاد (مذہبی جنگ) یا لڑائی کے ہو گئے۔ اگر اس عہد نامہ میں بھی ہم اس لفظ کا یہی معنی قائم کریں تو اس فقرہ کے متعلق یہ شبہ پیدا ہو گا کہ یہ بعد کو اضافہ کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت تک ”آنحضرت (محمّد صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے بظاہر کسی ایسے ارادہ کا اظہار نہیں ہوا تھا جس سے پایا جاتا کہ وہ دوسرے ”بہ جہاد“ مذہب قبول کرنا چاہتے ہیں۔ قبائل عرب کی اس وقت کی حالت کے لحاظ سے اس اصول کا ہمیشہ کرنا خطرناک ہوتا۔ قرآن مجید میں بعض جگہ مثلاً العنکبوت ۲۹- آیت ۵۹- الحج ۲۲، آیت ۷۷ اور چند دیگر مقامات میں یہ لفظ بہت ہی عام معنوں میں استعمال ہوا ہے“

(سیرۃ محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۳۲ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)

اس کے بعد الباقی ۲۰- آیت ۲۱۵ کے متعلق جس میں یہی لفظ آیا ہے سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:-

”لفظ جہاد انہیں معنوں میں ہے جیسا کہ بعد کو مذہبی جنگ کے معنوں میں مستعمل ہونے لگا تھا۔ لیکن غالباً اس وقت تک اس کے یہ خاص معنی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ہجرت سے قبل یہ لفظ عام معنوں ”(کوششوں) میں استعمال ہوتا تھا اور غالباً جنگ بدر تک انہیں معنوں میں متعین ہوتا رہا“

(سیرۃ محمدی مصنفہ سر ولیم میور جلد سوم صفحہ ۷۷ فٹ نوٹ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء)

کرتے ہیں۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مسٹر راڈویل ایم۔ اے، قرآن کے سب سے پہلے انگریزی مترجم مسٹر جارج سیل، اور سب سے آخری مترجم مسٹر ڈبلیو۔ ایچ پامر سے زیادہ صحیح معنی لیتے ہیں۔ موصوفہ الذکر (پامر) کی حالت اس معاملہ میں سب سے زیادہ ناقابل اطمینان ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہر ایک مقام پر بجز چھ مقامات یعنی العنکبوت (آیت ۷)، المائدہ (آیت ۳۹ و ۵۹)، النساء (آیت ۹۷) اور التوبہ (آیت ۷۴ و ۸۹) کے لفظ جہاد کے معنی لڑائی کے لئے ہیں، جس سے اُن کی نسبت یہ فرض کرنا کچھ بے محل نہ ہوگا کہ انہوں نے آیات سابقہ اور لاحقہ کی طرف بہت ہی کم توجہ کی ہے۔

آیت	انگریزی ترجمہ			نمبر سورۃ و آیت	ترجمہ
	سیل	راڈویل	پامر		
۱	وَاِنْ جَاهِدْ اَكْ عَلَى اَنْ تُشْرِكَ	کوشش کرنا	بجور کرنا	لقمن ۳۱- آیت ۱۲	کوشش کرنا
۲	فَلَا تَطْعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِمِ	اُن کا بڑے	قرآن کی مدد سے	الفرقان ۲۵- آیت ۵۴	دلیری سے لڑو
۳	وَجَاهِدْ وَاِنِ اللّٰهُ حَقَّ جِهَادُہٗ	اللہ کے دین	دلاورانہ کوشش	الحج ۲۲- آیت ۷۷	دلیری سے لڑو

صفحہ	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈ ویل	پا مر
۴	الغزل ۱۶-آیت ۱۱۱	ثُمَّ جَاهِدُوا وَ صَبِرُوا -	پھر کوشش کی اور مصائب پر صبر کیا۔	لڑائی کئے	دیرانہ لڑائی کئے۔
۵	المائدہ ۲۹-آیت ۵	وَمَنْ جَاهِدْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ	اور جو محنت کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے لئے محنت کرتا ہے۔	کوشش کرتا	دیرانہ لڑتا ہے
۶	ایضاً آیت ۷	وَأَنْ جَاهِدْ أَكْثَرُ الشُّرَكَاءِ	اور اگر تم نے ان پر مجبور کر دیں تو ہمارے ساتھ کسی شریک کے	کوشش کرنا	کوشش کرنا
۷	ایضاً آیت ۶۹	وَالَّذِينَ جَاهِدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا	اور جو لوگوں نے ہمارے واسطے کوشش کی ہم	بڑی کوششیں	دیری کی لڑائی
۸	الغزل ۱۶-آیت ۲	وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ	اور یہ لوگ خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں	بڑی سچیدگی	بڑی مذہبی صورت سے
۹	الفاطر ۳۵-آیت ۴۰	وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ	اور یہ لوگ خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں	بڑی سچیدگی	نہایت پختہ نہایت زور سے
۱۰	البقرہ ۲-آیت ۲۱۵	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَآجَرُوا بِأَمْوَالِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	ان لوگوں نے اللہ کے راستے میں جہتیں بھی کیں اور	لڑائی	لڑائی لڑنا

نمبر شمار	نمبر سورت و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سبیل	راڈ ویل	پام
۱۱	آل عمران ۳-آیت	اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا اُنْ لُّوْا كُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ هُمْ يُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ الَّذِيْنَ جَاہِدُوْا فَاَنْتُمْ كَاٰفٍ کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو گئے حالانکہ جو دلیری سے جو ان مردی کی جھگ کرتے ہیں۔ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو نہیں پرکھا جنہوں کو شیش کی وَعَلَّمَكُمُ الصَّابِرِيْنَ ہیں اور نہ یہ پرکھا کہ کون صابر ہیں۔			جو خوب لڑے
۱۲	الانفال ۸-آیت ۴۳	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَا جَرُّوْا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کیں۔ اور اللہ جَاہِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ کے راستے میں اپنے جان و مال سے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کو شش کی۔	اپنے مال اور جانبیں اللہ کی دین کی حمایت کے لئے لڑائی میں لگائے۔	اپنی جان و مال خدا کے کام میں خرچہ کئے۔ خوب دلاوری سے لڑائی کئے۔	
۱۳	الانفال ۸-آیت ۵۵	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَا جَرُّوْا اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کے راستے میں جہاد بھی کئے۔	خدا کے لئے کے لئے لڑے	لڑائی کئے لڑائی کئے	دلاوری سے لڑائی کئے
۱۴	ایضاً آیت ۶۶	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَنِيْ نَدْلَدٍ وَكَا جَرُّوْا اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کئے اور وَكَا جَرُّوْا مَعَكُمْ تمہارے ساتھ ہو کر محنت بھی کئے۔	تمہارے ساتھ ہو کر لڑے	لڑائی کئے لڑائی کئے	دلاوری سے لڑائی کئے۔

نمبر شمار	نمبر سورت و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈ ویل	پار
۱۵	الانعام ۶-آیت ۱۰۹	وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَعْنَنَ اور اللہ کی بڑی سختی میں کھا کے کہتے ہیں جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لِّقَوْلِهِمْ لَمَّا کہ اگر کوئی معجزہ انہیں دکھایا جاوے تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي ثَمُودَ نَارُوتَ بْنَ مَرْيَمَ اور تم کو ہم فرستادے تھے تاکہ تم میں سے ایک کو لو الے اور رضا وَالصَّابِرِينَ۔	بڑی سنجیدگی بڑے عہد کے ساتھ سے	بڑی سنجیدگی بڑے عہد کے ساتھ سے	بڑی سنجیدگی بڑے عہد کے ساتھ سے
۱۶	نوحہ ۲۷-آیت ۳۳	وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي ثَمُودَ نَارُوتَ بْنَ مَرْيَمَ اور تم کو ہم فرستادے تھے تاکہ تم میں سے ایک کو لو الے اور رضا وَالصَّابِرِينَ۔	جو جو اندر سے لڑتے ہیں	دلاوری لڑائی کی	جنہوں نے دلاوری سے لڑائی کی
۱۷	القصف ۶۱-آیت ۱۱	لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ لَوَلَّيْنَاكَ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنا مال فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَا مَعْشَرَ الْفَاسِقِينَ اور اپنی جانیں اللہ کی راہ میں لڑا دو۔	اپنا مال اور اپنی جانیں اللہ کے ساتھ کے سچے دین کی حمایت میں لگا دو	بڑی دلاوری بڑی دلاوری بڑی دلاوری	بڑی دلاوری بڑی دلاوری بڑی دلاوری
۱۸	النساء ۴-آیت ۹۷	لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ جن مسلمانوں کو کوئی ضروری نہیں اور وہ بیٹھ رہے تو یہ كُفْرًا أَوَّلَ النَّفَرِ وَالْجَاهِدُونَ فِي لوگوں کو لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال اور سَبِيلِ اللَّهِ يَا مَعْشَرَ الْفَاسِقِينَ جان سے خدا کی راہ میں محنت کر رہے ہیں۔ اللہ نے فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ مال اور جان سے محنت کرنے والوں کو بیٹھنے والوں	پہلا جہاد وہ لوگ جو اپنے مال اور جانیں اللہ کے دین کی حمایت میں لگے ہیں۔ دوسرا جہاد وہ لوگ جو اپنے مال اور جانیں خرچ کر رہے ہیں تیسرا جہاد وہ جو لڑتے ہیں	پہلا۔ خدا کے پہلے دین کی دلاوری دوسرا۔ زور سے تیسرا۔ زور سے	پہلا۔ خدا کے پہلے دین کی دلاوری دوسرا۔ زور سے تیسرا۔ زور سے

نمبر شمار	نام سورہ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈ ویل	پاں
		<p>وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِ عِدْرَيْنِ ذَرْجَةً</p> <p>پیر درجہ اعتبار سے بڑی فضیلت دی جو ادا</p> <p>وَكَلَّمَ اللَّهُ الْحُسَيْنَ وَفَضَّلَ</p> <p>خدا کا وعدہ نیک سبب ہی سے ہے اور اللہ</p> <p>اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِ عِدْرَيْنِ</p> <p>ثواب عظیم کے اعتبار سے محنت کریں والوں کو</p> <p>أَجْرًا عَظِيمًا</p> <p>رہنے والوں پر بڑی برتری دی ہے۔</p>			
۱۹	النور ۲۲-آیت ۵۲	<p>وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ</p> <p>اور اللہ کی بڑی پستی کھانکھتے ہیں کہ اگر آپ نہیں</p> <p>لَعَنَ أَمْرٌ تَنْهَمُ لِيَخْرُجُنَّ</p> <p>حکم کریں تو وہ گھر یا چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے</p>	بڑی سنجیدگی سے	بڑی سنجیدگی سے	بڑی زور سے
۲۰	المحرم ۶۶-آیت ۹	<p>يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ</p> <p>اسے پیغمبر کا فرد اور منافقوں کے</p> <p>وَالْمُنَافِقِينَ</p> <p>ساتھ کو شمش کرو۔</p>	منافقین کے	لڑائی کرو	زور سے لڑائی کرو۔
۲۱	التوبہ ۹-آیت ۴۲	<p>يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ</p> <p>اسے پیغمبر کا فرد اور منافقین کے ساتھ جہاد</p> <p>الْمُنَافِقِينَ وَأَعِظْ عِبَادَكُمْ</p> <p>کرو اور ان پر سختی کرو۔</p>	لڑائی لڑو	جھگڑا کرو	دلادری سے کو شمش کرو

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سیل	راڈ ویل	پامر
۲۲	الممتحنہ ۴۰-آیت ۱	إِن كُنْتُمْ خُرُوجًا مُّجْتَهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اگر تم ہماری راہ میں محنت کرنے اور جہاد کی سبیل میں وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي - رضامندی ڈھونڈنے نکلے ہو۔	میرے پیہب لڑنے کو کی حمایت میں لڑائی لڑنے کو۔	لڑنے کو	زور سے لڑائی کرنا
۲۳	الحجرات ۲۹-آیت ۱۵	ثُمَّ لَمْ يَنْتَابُوا وَجَاهَهُمْ بِأَمْوَالِهِمْ پھر انہوں نے کسی طرح کا شاک شبہ نہیں کیا اور اللہ وَ أَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - کے راستہ میں اپنے جان مال سے کوشش کی۔	جن لوگوں نے اپنے مال اور جان کے اپنے مال اور جان سے اللہ کے دین کی خاطر میں کوشش کی۔	اپنے مال اور جان لگا کر جنگ کرتے ہیں دلاوری سے جنگ کھاتے ہیں	اپنے مال اور جان لگا کر دلاوری سے جنگ کھاتے ہیں
۲۴	التوبہ ۹-آیت ۱۶	أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا أَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ کیا تم نے ایسا جان رکھا ہے کہ چھوڑ جاؤ گے اور ابھی الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ اللہ نے ان لوگوں کو پرکھا تاکہ بھی نہیں تم میں سے سے جو محنت کرتے ہیں۔	تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے اس کے دین کو ڈھونڈا	دلاوری سے	زور سے لڑائی لڑے
۲۵	ایضاً آیت ۱۹	لَكِنِ الْأَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ مثلاً اس شخص کے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ - لایا اور اللہ کے راستہ میں محنت کرتا ہے	لڑتا ہے	لڑتا ہے	زور سے
۲۶	ایضاً-آیت ۲۰	الَّذِينَ آمَنُوا وَ هُمْ لَا يُجْرُوا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کئے اور اللہ کے فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ راستہ میں اپنے مال اور جان سے محنت کئے	اس کے دین کے واسطے لڑے۔	دلاوری سے لڑے۔	بڑے زور سے لڑے۔

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ		
			سبیل	راڈ ویل	پامر
۲۷	التوبہ ۹- آیت ۲۴	أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ اگر اللہ اور اس کے رسول اور راہ خدا میں فنی سببیلہ۔ محنت کرنے سے زیادہ عزیز ہوں۔	ترقی کرنے سے	کوشش سے	زور سے لڑائی لڑنے سے
۲۸	ایضاً- آیت ۲۱	وَأَنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا مسلمانوں بلکہ بے ہتھیار ہو یا بھاری ہاتھی یا خدا کی راہ يَا مَوَالِيكُمْ وَأَنْفُسُكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ میں مال اور جان کو کوشش کرنے کو نکل کھڑے ہو کر دو۔	اللہ کے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور جان	اپنے مال اور جان لگا کر لڑائی کرو جان سے لڑنا کرو۔	اپنے مال اور جان سے لڑنا کرو۔
۲۹	ایضاً- آیت ۲۳	لَا كَيْفًا ذُنُكُمُ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ اسے پیغمبر وہ لوگ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ لانگے ہیں وہ تو تم سے اس بات کی اجازت مانگتے ہیں وَأَنْفُسِهِمْ۔ نہیں کہ اپنے مال اور جان سے کوشش نہ کریں۔	اللہ کے سچے دین کی ترقی کے واسطے جان و مال لگانا۔	اپنے مال اور جان کے ساتھ لڑنا۔	زور سے لڑائی کرنا
۳۰	ایضاً- آیت ۸۲	كُرْهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ اور راہ خدا میں اپنے مال اور جان سے انہیں فنی سببیلہ اللہ۔ کوشش کرنا ناگوار ہو۔	اللہ کے سچے دین کی ترقی کے واسطے جان و مال لگانا۔	اپنی جان اور مال کے ساتھ لڑنا زور سے لڑنا	اپنے جان اور مال کے ساتھ زور سے لڑنا
۳۱	ایضاً- آیت ۸۷	وَإِذَا أُوذِيَ مَوْلَاكَ مِنْ شَيْءٍ فَأَنْفِرْ اگر آپ کو اپنے مال اور جان سے کوشش کرنا ناگوار ہو۔	اپنے مال اور جان کے ساتھ لڑنا۔	اپنے مال اور جان کے ساتھ لڑنا۔	زور سے لڑائی کرنا

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ	پام
۳۲	التوبہ ۹- آیت ۹	<p>وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ</p> <p>اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر کوشش کرو</p> <p>لَٰكِنَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ</p> <p>لیکن رسول نے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں</p> <p>جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ أَنْفُسِهِمْ</p> <p>ان سب نے اپنی جان و مال سے کوششیں کیں۔</p>	اپنے مال اور جان سے اپنے مال اور جان سے لڑاؤ۔ جان سے لڑو۔ جان سے لڑو۔	اپنے مال اور جان سے لڑو۔ جان سے لڑو۔ جان سے لڑو۔
۳۳	المائدہ ۵- آیت ۲۹	<p>يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا</p> <p>اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے پاس پہنچو</p> <p>رِئَاسَةً لِّكُلِّ مَسْجِدٍ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ</p> <p>رہبرانہ طور پر ہر مسجد کے رشتہ میں کوشش کرو</p>	اس کے دین کے دل سے دلاؤ۔	خوب چٹا کر ہو جاؤ۔
۳۴	ایضاً- آیت ۵۸	<p>أَهْوَ لَاءَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ</p> <p>کیا یہ وہ ہی لوگ ہیں جو بڑے زور سے اللہ کی قسم کھاتے</p> <p>أَيُّهَا نَهْمُ أَنْفُسِهِمْ لَمُحْكَمٍ</p> <p>تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔</p>	بڑی مضبوطی سے نہایت جھجکی کر بڑی زور سے	بڑی زور سے
۳۵	ایضاً- آیت ۵۹	<p>يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَزِدْكُمْ مِّنْ</p> <p>اے مسلمانو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے اگر کوئی اپنے دین</p> <p>وَدِينِهِمْ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ</p> <p>سے پھر جائیگا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ جو خدا کر دینا جنہیں وہ</p> <p>يُحِبُّوهُمْ أَزْلَةً عَلَى الْآخِرِينَ أَعْرَضُوا</p> <p>دوست رکھتا ہوگا اور وہ اُسے دوست رکھنے ہونگے۔</p>	وہ خدا کے دین وہ دلائل سے	دلائل سے

نمبر شمار	نمبر سورۃ و آیت	آیت	انگریزی ترجمہ
			سیل راڈ ویل پامر
		عَلَى الْكَافِرِينَ يَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	
		مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کے ساتھ کڑے	
		سَبِيلِ اللَّهِ۔	
		ہوں گے اور اللہ کی راہ میں خوب کوشش کریں گے	

۱۲۔ وہ آیات جن میں جہاد اور اس کے مشتقات کا ذکر تھا اپنی کیفیت کے ساتھ

اُن آیات قرآنہ کی توضیح و تشریح اور نقل کردی گئی ہیں۔ اب میں آگے چل کر تمام آیات جن میں لفظ جہاد مذکور ہوا ہے۔

تاریخی ترتیب سور کو ملحوظ رکھوں گا اور میری رائے اور کیفیتیں بھی مندرج ہوں گی اور جہاں ضرورت پڑے گی مسلمان مفسرین کی عبارتیں بھی نقل کروں گا۔

۱۔ مکی سورتیں

۱۳۔ وَإِنْ جَاهِدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ بِكَ بِمُحَرِّمٍ عَلَيْهِمَا فَاغْلُظْ ۚ

۱۔ سورہ لقمان ۳۱

آیت ۱۳۔

اور اگر تیرے ماں باپ تجھے اس امر پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی ایسے کو خدائی میں شریک کرے جس کی پتر پاس کوئی حجت ہی نہیں ہے تو تو اُن کی بات نہ مان

سورہ لقمان مکی سورتوں میں ایک نہایت قدیم سورت جو بعثت کے چھٹے اور دسویں سال کے درمیان عرصہ میں نازل ہوئی تھی، اس میں ماں باپ سے برتاؤ کرنے کی نصیحت کی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ اُن سے نہایت ہی محبت سے پیش آؤ، لیکن اگر وہ بُت پرستی اور شرک کے لئے ترغیب دیں تو اُن کا کہنا نہ مانو۔

یہاں ”جَاهِدَاكَ“ کے یہ معنی ہیں کہ ”اگر تیرے ماں باپ دونوں تجھے

ڈانٹیں، یا اس کی سعی و کوشش کریں کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دیتو یا دیسی کو شریک کرے۔“ اس موقع پر اس معنی کے سوا کسی مترجم اور مفسر نے اس لفظ کے معنی لڑائی کرنے یا دشمنی یا جنگ کے نہیں لئے۔

۱۴۔ وَلَوْ شِئْنَا لَغَشَّيْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ
آیت ۵۳ و ۵۴
علاوہ بریں اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانیوالا اٹھ کر کڑا کرتے تو آپ پیغمبرؐ کا فرقہ کہا نہ مانو بلکہ اُس (قرآن کی دلائل) سے (جہاد) اُن کا مقابلہ (جہاد اکبر) بڑی زور سے یا بڑی محنت و مشقت سے کر و۔

اس کا تعلق صرف قرآن سے، یا اس تنبیہ سے ہے جس کا ذکر آیت بالا میں چکا ہے۔ اس لئے یہاں اگر لفظ جہاد کا ترجمہ ”اُن کے ساتھ زور سے لڑنے کا کیا جائے یا جس طرح ہنری پام صاحب نے (دیکھو جلد ۲ صفحہ ۸۸) ”زور سے لڑنے کی تحریک“ کا کیا ہے، تو بالکل غلط ہوگا۔ مسٹر سیل اور ریورنڈ مسٹر راڈویل اور علی ہذا مسلمان مفسرین بھی اس کا ترجمہ بمعنی جنگ نہیں کرتے۔ امام فخر الدین رازی (متوفی ۷۰۲ھ) اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:-

”بعض لوگ جَاهِدُہُمْ بِہِ جِهَادٍ اکبیرا کے یہ معنی لیتے ہیں کہ وعظ کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن بعض یہ بھی کہتے ہیں، کہ اُس کے معنی لڑائی کے ہیں، اور بعض دونوں معنی لیتے ہیں لیکن ”سب سے پہلے معنی صحیح تھے۔ کیونکہ یہ سورت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی، اور جنگ کرنے کا حکم اس سے کچھ مدت بعد ہجرت ہو چکنے سے پیچھے دیا گیا ہے“ (جلد چہارم صفحہ ۲۹۰)

۱۵۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا
وَأَسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ
وَاتَّخِذُوا خَيْرَ لَكُمْ تَفْلِحُونَ
آیت ۷۶ و ۷۷
مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں رکوع کرو، سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ تاکہ تم اپنے دل کی مراد کو پہنچو۔ اور (جہاد و) اللہ کے راستہ میں کوشش کرو

اسے یہ سورت مشہور ہے کہ گمیں نازل ہوئی لیکن غالباً یہ بات اس کے آیت ۱-۲۲-۲۳-۵۶-۶۰-۶۵-۶۷ اور ۷۷ کی نسبت ہے۔ مسٹر راڈویل نے اس کو کی سورتوں کے اخیر میں پانچویں درجہ میں رکھا ہے۔ نوٹ صفحہ ۱۵۸۔ ریورنڈ راڈویل صفحہ ۵۰۰۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ الْمُجِيبُ لِمَنْ يَدْعُوهُ
وَمَا يَجْعَلْ لَكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرِجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ
تَشْمِكُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلِ

اس قدر کہ جس قدر (حق جہاد) کوشش کرنے کا حق
ہے۔ اُس نے تم کو دوسروں کوں میں منتخب کیا ہے۔ اور دین
میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے تمہارے لئے وہی دین مقرر
کیا ہے جو تمہارا باپ ابراہیم کا تھا انہیں تمہارا نام مسلمان ہو

اس جگہ مسٹر سیل اور مسٹر باپرا اس لفظ کا ترجمہ ”لڑائی کرنا“ کرتے ہیں، جو بالکل
غلط ہے۔ اس کے یہ معنی نہ تو قدیم زبان میں ہیں اور نہ وضعی ہیں۔ راڈ ویل اُس کا
ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ”دلاورانہ کوشش کرو“ سرولیم میور کہتے ہیں ”یہاں اس کا استعمال
عام مفہوم میں زیادہ تر ہے“ (جلد سوم صفحہ ۳۲)

یہ آیت اُس بڑے اصول کی ایک مختصر اور مجمل صورت ہے جو دوطے کے باب ششم
درس پنجم میں، اور مرقس کے باب دوازدہم درس تیس میں اور لوقا کے باب دہم درس
۲۷ میں ہے۔ یعنی :-

”مجھے اپنے سارے دل اور ساری جان سے، اور اپنی ساری ہمیر اور سارے زور سے اپنے
”خدا کو پیار کرنا چاہیے“

اور نیز لوقا باب ۱۳، درس ۲۴ میں ہے :-

”تو راستی کے دروازہ میں داخل ہونے کی کوشش کر“

جو شخص کفر کے لئے مجبور کیا جائے مگر اُس کا دل ایمان
کی طرف سے مطمئن ہو اُس سے کچھ مواخذہ نہیں لیکن
جو شخص ایمان لائے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر
بھی کرے تو جی کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب
ہے۔ اور ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔
پھر جن لوگوں نے مبتلا سے مصیبت ہونے کے بعد گھر

۱۶۔ اِنَّمَا كُفِّرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ
اِيْمَانِهِ اَلَا مَنْ اَكْرَهَ
وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ
وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْنَا
غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَكُمَّ عَذَابٌ عَظِيمٌ
مَّنْ اَنَّ رَبَّكَ لَذَلِيلٌ بِالْجُرِّ وَالْمُنْ

۱۶۔ اِنَّمَا كُفِّرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ
اِيْمَانِهِ اَلَا مَنْ اَكْرَهَ
وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ
وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْنَا
غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَكُمَّ عَذَابٌ عَظِيمٌ
مَّنْ اَنَّ رَبَّكَ لَذَلِيلٌ بِالْجُرِّ وَالْمُنْ

مَا قَاتِلُوا ثَمًّا جَاهِدُوا وَصَبِرُوا إِنَّ
رَبَّكَ مِنَ الْغَفُورِ الرَّحِيمِ۔

چھوڑے پھر خدا کی راہ میں محنتیں کیں اور مصائب پر صبر کیا تو اسی
پیغمبر پروردگار بیشک ان جانچوں کے بعد بخشنے والا اور مہربان

ڈاکٹر اسپرنگر (سیرۃ محمدی صفحہ ۵۹ مطبوعہ الہ آباد ۱۳۷۷ء) لکھتے ہیں کہ یہ آیت اُن سات
غلاموں کی نسبت ہے جنہیں حضرت ابو بکر نے مولے کر آزا کر دیا تھا اُن کو اسلام قبول
کرنے کے سبب سے، اُسی زمانہ کے چند روز بعد جب کہ رسول اللہ نے اپنی نبوت کا
اعلان کیا تھا، ایذائیں دی گئی تھیں جس ہجرت کا آیت ۱۱ میں ذکر ہے وہ حبش کی
جانب مسلمانوں کی سب سے پہلی ہجرت ہے۔ ان آیات میں اُن تکالیف کا ذکر ہے جو
غریب اور محتاج مسلمانوں کو شہر مکہ کے باشندوں کی طرف سے اُٹھانی پڑی تھیں۔ ان
مسلمانوں کو جب ایذائیں دی گئیں، اور انکار تو حید پر مجبور کیا گیا، اور اُنہوں نے
نہ مانا، اور اپنے اسلام پر مضبوط رہے تو انہیں ہجرت کرنی پڑی، اور اس دس
نکلے میں بڑی بڑی مصائب اُٹھانی پڑیں، لیکن اُنہوں نے ان مصائب اور
پریشانیوں پر صبر کیا، اور جسمانی و روحانی تکالیف اور نقصان اُٹھانے میں ثابت قدم
رہے۔ اس آیت میں جنگ و جدل کرنے کا کہیں اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ ریوڑ
راڈ ویل اور مسٹر پامر نے ”جاہدوا“ کا ترجمہ لڑائی لڑنا کیا ہے، اور دونوں نے
غلطی کی ہے۔ گو مسٹر سیل نے ترجمہ میں تو غلطی نہیں کی ہے، لیکن اُن کی تشریح ٹھیک
نہیں ہے ”کہ جو سچے مذہب کی حمایت میں اس کے بعد لڑے ہیں“ کیونکہ اُن کا جہاد
تو صرف یہی تھا کہ انہوں نے ایذاؤں کے برداشت کرنے میں بڑی مشقت و محنت
سے کام لیا۔

اور جو خدا کے لئے محنت اُٹھاتا ہے وہ اپنی ہی
بھلائی کے لئے محنت اُٹھاتا ہے۔ ورنہ خدا تو دنیا
کے سب لوگوں سے غنی اور بے نیاز ہے۔“

۱۔ وَمَنْ جَاهِدْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ

لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ

لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ

۵۹۔ العنکبوت

آیت ۵۔

مسٹر باپ نے یہاں جہاد اور جہاد کے معنی دلاوری سے لڑائی لڑنے کے لئے ہیں، اس میں انہوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ مسٹر سیل اور ریورنڈ راڈویل نے اس کا ترجمہ ”کوشش کرنا اور سختی کرنا کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ ایسے ہی مسٹر ولیم میور نے بھی صحیح ترجمہ کیا ہے۔ جنہوں نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ اس آیت میں اس کا عام مفہوم مراد ہے۔ (سیرت محمدی جلد ۳ صفحہ ۳۲۲)۔

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر ماں باپ سے درپے ہوں کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھیرائے جس کی تیری پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو تو ان کا کمانہ مان تم سب کو ہمارے طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو تم کرتے رہو ہم تم کو بتا دیں گے۔

۱۸۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ

۴۔ العنکبوت ۲۹ بَوِّالْذِينَ حَسَنَّاوُ
آیت ۷۔ اِنْ جَاهِدَاكَ

لشِّرْكَ بَنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
فَلَا تَطْعَمَا۔ اِلٰى مَرْجِعِكُمْ فَاَنْتُمْ
رَبُّكُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

اس آیت میں کسی شاعر نے ”جہاد ا“ کے معنی جنگ یا کروسیڈ کے نہیں لئے ہیں۔ اس لئے مشکل کسی طرح حل نہیں ہوتی کہ اسی کتاب کے دوسرے مقامات پر اس لفظ کے اصلی اور قدیم معنوں سے کیوں عدول کیا گیا ہے۔

اور جن لوگوں نے ہمارے کام میں (جاہدوا) کوشش کیں ہم بھی انہیں ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو نیک کام کرتے ہیں۔

۱۹۔ وَالَّذِينَ جَاهِدُوا فِينَا

۷۔ العنکبوت ۲۹ لَنَنْصُرَنَّكُمْ مَّوْسِلَنَا وَ
آیت ۴۹ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْحَسِنِ

مسٹر باپ یہاں اس لفظ کے یہ معنی لیتے ہیں کہ ”جنہوں نے لڑائی کی“ حالانکہ اس کے برخلاف مسٹر سیل، ریورنڈ راڈویل، اور سر ولیم میور نے اس کا ترجمہ کوشش کی، سعی کی، اور محنت کی، لکھے ہیں۔ جہاد کے اصلی معنی کروسیڈ یا جنگ و جدل کے اُس وقت مروج نہ تھے جب کہ قرآن شریف نازل ہوا تھا۔

۲۰۔ وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ

۸۔ النحل ۱۶۔ اَيُّهَا نِعْمَ لَا يُعْبَثُ اللّٰهُ

آیت ۲۰۔ مَنْ يُّؤْتِ بَلِيٍّ وَعَدًا

عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُونَ۔

اور یہ لوگ خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو
مرجاتا ہے خدا اُس کو اٹھا کر نہیں کھڑا کرتا۔ اے
پیغمبران سے کہہ دو ضرور اٹھا کھڑا کرے گا۔ یہ وعدہ
اس کا برحق ہے۔ اور اس کا ایسا ضرور ہے
مگر اکثر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے۔

مسٹر سیل نے اُس کا ترجمہ کیا ہے ”نہایت سنجیدگی سے“ اور راڈ ویل نے

”بڑی مذہبی قسمیں“ کیا ہے۔ اور مسٹر پامرنے ”بڑی پختہ قسمیں“

۲۱۔ وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ

۹۔ الفاطر ۳۵۔ اَيُّهَا نِعْمَ لَنْ يُّجَاوَزَ

آیت ۲۰۔ كَذِبًا يُّكَلِّفُونَ اَنْفُسَهُمْ

مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ

كَذِبٌ مِّمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ۔

اور یہ لوگ اللہ کی بڑی (جھگڑے) قسمیں کھایا کرتے
تھے کہ اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے گا
تو وہ ہر ایک اُمت سے زیادہ سیدھی ہونگی پھر
جب ڈرانے والا اُن کے پاس آپہنچا تو اُس کے
آنے سے اُن کی نفرت کو اور ترقی ہوئی۔

مسٹر سیل کا ترجمہ ہے ”بڑی سنجیدہ قسم“ راڈ ویل کا ”بڑی زور کی قسم“ اور پامرنے کا ”بڑی زور اور قسم“

۲۔ مدنی سورتیں

۲۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

۱۰۔ البقرہ ۲۔ وَالَّذِيْنَ كٰفَرُوْا وَّ

آیت ۲۱۵۔ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ

عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں
ہجرتیں کیں اور اللہ کے راستہ میں خوب
کوششیں بھی کیں یہی ہیں جو خدا کی رحمت
کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا
مہربان ہے۔

مسٹر سیل اور ریورنڈ راڈ ویل ”جاہدوا“ کا ترجمہ کرتے ہیں ”وہ لڑتے

ہیں“ اور مسٹر پامرنے لکھتے ہیں ”وہ جولاہائی کرتے ہیں“ لیکن اس کے اصلی معنی بدل

دیسنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ سر ولیم میور اس آیت کا ترجمہ حسب ذیل کرتے ہیں
 ”لیکن وہ جو ایمان لاتے ہیں اور جو ایمان کی خاطر ہجرت کرتے ہیں اور خدا کے رستے میں خوب
 ”دل سے کوشش کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ خدا
 ”بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

وہ پھر ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں :-

”یہ جہاد کا لفظ وہی ہے جس کے معنے آگے چل کر مذہبی لڑائی کے ہو گئے ہیں لیکن غالباً
 ”اس وقت تک یہ معنے اُس کے نہیں متعل ہوئے تھے۔ ہجرت سے پیشتر تک اس کا عام فہم
 ”لیا جاتا تھا۔ اور شاید جنگ بدر تک ایسا ہی رہا۔“

میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت م کے ایام حیات میں اس لفظ کے معنے
 ”مذہبی لڑائی“ کے کبھی نہیں لئے گئے، اور قرآن شریف میں ہجرت سے پہلے نہ ہجرت
 کے بعد اس کے یہ معنے کبھی لئے گئے۔

اس آیت میں ہجرت کا جو ذکر جہاد کے لفظ کے ساتھ کیا گیا ہے اُس سے معلوم
 ہوتا ہے کہ اُس کے معنے اُس محنت و مشقت اور پریشانی کے ہیں جو مہاجرین کو
 اپنے خاندانوں کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں اپنے ملک سے بھاگتے وقت غیر
 محفوظ چھوڑ کر اٹھانی پڑی تھی۔

کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ تم جنت میں جا کر
 داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے کچھ
 جانچا کہ تم میں سے کونہوں نے (جہاد و) کوشش
 کی ہیں۔ نہ یہ جانچا کہ کون صابر ہیں۔

۱۱۔ آل عمران ۳
 آیت ۱۳۶۔
 وَیَعْلَمُ الصَّابِرِينَ۔
 اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
 الْجَنَّةَ وَلَمْ یَعْلَمْ اللّٰهُ
 الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ
 اللّٰهِ وَلَمْ یَكُنْ لَّکُمْ
 حُرْمَةُ الدِّیْنِ وَالدِّیَارِ
 الَّتِیْ کُنْتُمْ تَکْفُرْنَ

لے سیرت محمدی جلد ۳۔ صفحہ ۷۷۔

لے سیرت محمدی فٹ نوٹ۔ جلد ۳ صفحہ ۷۷ مطبوعہ لندن ۱۹۸۶ء۔

ریونڈراڈویل ”جاہدوا“ کا ترجمہ کرتے ہیں ”دلاورا نہ کام کئے“ اور سٹر سیل اور پامر کی موافقت نہیں کرتے، جنہوں نے اُس کا ترجمہ کیا ہے ”زور سے لڑائی کی، یا خوب لڑائی کی“۔

لیکن چونکہ اس کا تعلق صابریں سے ہے، اس لئے لفظ ”جاہدوا“ سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں، جنہوں نے سختیں کیں، اور مکہ سے ہجرت کے زمانہ میں مصائب جھیلیں۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرتیں کیں اور (جاہدوا) اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال سے کوششیں کیں اور وہ لوگ جنہوں کو مہاجرین کو جگہ دی۔ اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ ہیں جو ایک کے وارث ایک ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی۔ تو تم مسلمانوں کو ان کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے تم میں آلیں۔ ہاں اگر دین کے بارہ میں تم سے مدد طلب ہوں تو تم کو ان کی مدد کرنی لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں صلح کا عہد پیمان ہو۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھ کر

۲۴۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

۱۲۔ الانفال ۸ وَ کَاجِرُوْا وَّ جَاهِدُوْا

آیت ۷۳۔ بِاَمْرِ الرَّحْمٰنِ وَاَنْفُسِهِمْ

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ

نَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ

بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَّلَمْ یُهَاجِرُوْا

مَا لَکُمْ مِنْ وَّلَآئِهِمْ مِنْ شَیْءٍ حَتّٰی

یُهَاجِرُوْا وَاِنْ اَسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ

فَعَلٰیکُمْ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ مِّمَّکُمْ وَّ

بَیْنَهُمْ مِّثَاقٌ وَّ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِیْرٌ ۝

مسٹر سیل اس آیت میں جہاد (یا جاہدوا) کا ترجمہ کرتے ہیں ”انہوں نے لڑائی میں اپنی جان و مال لگا دئے“ راڈویل لکھتے ہیں ”انہوں نے اپنی جان و مال خرچ کر دئے“ پامر کا ترجمہ ہے ”انہوں نے اپنی دولت اور اپنی جان سے بڑے زور سے لڑائی کی“

چونکہ لفظ ”جہاد“ اپنی ذات اور اپنے مال و دولت کے لئے بولا گیا ہے اس لئے اس مقام پر اس کے اصطلاحی معنی لڑائی کے نہیں لئے جا سکتے۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرتیں کیں۔ اور اللہ کے راستے میں (جاہدوا) کوششیں بھی کیں اور جن لوگوں نے ہجرت کر نیوالوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ پکے مسلمان ہیں ان کے گناہ معاف کئے جائیں گے اور انہیں کے لئے عظیم کے ساتھ روزی ہے۔

۲۵۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَ

۱۳۔ الانفال ۸ ہاجرہ وَاَوْجَاهُ

آیت ۷۵ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ

وَالَّذِينَ اٰدَوْا وَاَنْصَرُوا وَاُولٰٓئِكَ

ہُمْ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ

رِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

سیل نے ترجمہ کیا ہے ”لڑائی کی“ راڈویل نے لکھا ہے ”لڑائی کی“ پامر کے الفاظ ہیں ”خوب لڑائی کی“ اس آیت میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے جاہدوا کے اصلی و لفظی اور صحیح مفہوم سے عدول کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہو۔ اور یہ پایا جاتا ہو کہ اُس کو اُس مفہوم میں استعمال کیا جائے جو قرآن کے بعد گھڑا گیا ہے۔

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے۔ اور ہجرتیں کیں اور رہتہا رہے ساتھ میں ہو کر کوششیں بھی کیں۔ تو وہ تم ہی میں داخل ہیں اور رشتہ دار اللہ کی کتاب کے مطابق ایک دوسرے کے ترکہ کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

۲۶۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ

۱۴۔ الانفال ۸ بَعْدُ وَاٰجِرُ وَا

آیت ۷۶ وَاٰجِرُ وَاٰجِرُ

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ

اَوَّلٰی بَعْضُ فِی کِتَابِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰہَ

بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

سیل کا ترجمہ ”لڑائی کی“ راڈویل کا ”لڑائی کی“ پامر کا ”خوب لڑائی کی“۔ یہاں بھی کوئی معقول وجہ نہیں ملتی کہ جس سے لفظ جاہدوا کے اصلی معنی بدل

وئے جائیں۔ اور ایسے معنی لئے جائیں جو نہ تو قرآن میں کبھی لئے گئے اور نہ قدیم زبان عربی میں استعمال کئے گئے۔

۲۷۔ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ آیت ۱۰۹ الانعام ۶۔ اور کفار اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں۔

سیل، ”بڑی سنجیدہ قسم“۔ راڈویل ”بڑی پابند کرنے والی قسم“۔ پامر ”بڑی پختہ قسم“۔

۲۸۔ وَلَتَبْلُوُنَّكُمْ حَتَّى تَعْلَمَ الْبَابُ ۚ آیت ۱۰۴ الحجۃ ۲۷۔ اور اے مسلمانو! تم سب کو ضرور آزمائینگے تاکہ تم میں جو کرنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم معلوم کر لیں اور تمہارے اصلی حالات کو جانچ لیں۔

سیل ”جو جو آزمودانہ لڑتے ہیں“۔ راڈویل ”دلاورانہ“۔ پامر ”جو جو آزمودانہ لڑے“۔

”جہاد“ لفظ ”مقاتل“ کا کہیں مرادف وہم معنی نہیں ہے۔

۲۹۔ تَوَزَّعُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَتُجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۚ آیت ۱۱۱ البصۃ ۶۱۔ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جانوں سے کوشش کرو۔

ترجمہ سیل، ”جو جو آزمودانہ لڑے“

ترجمہ راڈویل، ”جو جو آزمودانہ لڑے“

ترجمہ پامر، ”جو خوب لڑتے ہیں“

عبادت کی وقفیں کی گئی ہیں۔ ایک جسمانی جس میں دماغی محنت بھی داخل ہے دوسری مالی۔ یہاں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ وہ جسمانی اور مالی دونوعبادتیں بجالائیں۔

۳۰۔ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ آیت ۹۷ البناسۃ ۴۔ جن مسلمانوں کو کوئی معذوری نہیں اور وہ بیٹھ رہے تو یہ لوگ درجہ میں اُن کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال

<p>غَيْرُ أُولَى الْقَرْبَى وَالْأَجْهَدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْمُحْسِنِينَ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا وَدَرَجَاتٍ عَظِيمَةٍ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ط</p>	<p>اور جان سے خدا کی راہ میں (جہادوں) کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال اور جان (جہادین) کوشش کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجہ اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے اور اللہ کا وعدہ نیک تو سب ہی مسلمانوں سے ہے مگر اللہ نے (جہادین) کوشش کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی عظمت دی ہے۔</p>
---	---

ترجمہ سبیل، جہادوں جو اپنی دولت اور اپنے مال خدا کے مذہب میں
لگاتے ہیں۔

جہادین ”جو اپنی دولت اور اپنے مال لگاتے ہیں“

جہادین ”جو لڑائی لڑتے ہیں“

ترجمہ راڈیل جہادوں ”جو ان مردانہ لڑائی لڑتے ہیں“

جہادین ”جو دل سے جنگ کرتے ہیں“

جہادین ”زور سے“

ترجمہ پامر جہادوں ”زور سے“

جہادین ”زور سے“

جہادین ”زور سے“

میں نے اوپر جسمانی اور روحانی دو قسم کی عبادت و پرستش کا ذکر کیا ہے، وہی
صورت اس جگہ بھی ہے۔

اور وہ منافق اللہ کی بڑی بلی قسمیں کھا کھا
کر کہتے ہیں۔

۳۱- وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ

أَيْمَانِهِمْ

۱۹- النور ۲۴- آیت ۵۲

ترجمہ سبیل۔ ”بڑی سنجیدہ قسم۔“

ترجمہ راڈویل۔ ”بڑی سنجیدہ قسم۔“

ترجمہ پامر۔ ”بڑی زور کی قسم۔“

۲۲۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ | اسے پیغمبر کفار اور منافقین کے ساتھ

۲۰۔ التَّحْوِیمُ ۶۶۔ آیت ۹ | وَالْمُنَافِقِینَ وَ | خوب محنت و جفا کشی کرو اور اُن پر سختی رکھو۔

ترجمہ سبیل۔ ”کفار سے بذریعہ ہتھیار اور منافقین سے حجت و دلیل سے مقابلہ کرو۔“

ترجمہ راڈویل۔ ”جنگ کرو۔“

ترجمہ پامر۔ ”زور سے لڑائی کرو۔“

۳۳۔ یہ آیت بھی لفظ بہ لفظ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

۲۱۔ التوبہ ۹۔ آیت ۷۴ | ترجمہ سبیل۔ ”جنگ کرو۔“

ترجمہ راڈویل ”مقابلہ کرو۔“

ترجمہ پامر۔ ”زور سے کوشش کرو۔“

دونو آیتوں میں وہی لفظ ”جاہد“ آیا ہے۔ تاہم مترجمین اپنے اپنے ترجموں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ چونکہ منافقین سے کبھی جنگ نہیں کی گئی۔ لہذا اگر اس کے اصلی معنے سے عدول بھی کیا جائے، تاہم وہ معنے نہیں لئے جاسکتے جو انہوں نے سمجھے ہیں۔ ایک موقع پر تو مسٹر سبیل اُس کے معنے ہتھیاروں سے حملہ کرنے کے لیتے ہیں، اور دوسری جگہ اُسی لفظ کے معنے دلائل سے حملہ کرنے کے لکھتے ہیں۔

جہاد کا ترجمہ حملہ کرنے کا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے معنے کوشش کرنے کے ہیں۔ آیت کے سیدھے معنے اس طرح ہیں، کہ اے پیغمبر وعظ کرنے میں خوب کوشش

کرو، اور کفار اور منافقین کو ملامت کرو، اور اُن سے سختی بھی کرو۔ یعنی اُن کے سامنے نرم نہ پڑ جاؤ، اور نہ بے پروائی کرو۔

۳۴۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

۲۲۔ الممتحنہ ۶۱ لَا تَتَخَذُوا عِدْوَةً لَّيْسَ

آیت ۱ وَعَدُوْكُمْ اَدْرِيَاءَ

تُتَقَوْنَ اِيْنِهِمْ بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ كَفَرْتُمْ

بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُوْلَ

وَرَايَاكُمْ اَنْ تُوْعَزُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِ

وَاِبْغَاءِ مَرْضَايَ تُسْرَوْنَ اِيْنِهِمْ

بِالْمُؤَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اخْفَيْتُمْ وَاَمَّا

اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يُفْعَلْ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

سَوَاءَ السَّبِيْلِ ۝

مسلمانو میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ لگو اُن کی طرف دوستی کے نامہ و پیام دوگنا حالانکہ تمہارے پاس جو خدا کی طرف سے دین حق آیا ہے وہ اُس سے انکار کر چکے ہیں۔ وہ تو صرف اتنی بات پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ ہی کو مانتے ہو سول کو اور تم کو گھروں سے نکال رہے ہیں۔ اگر تم ہماری راہ میں کوشش کرنے اور ہماری رضا مندی ڈھونڈنے کو نکلے ہو تو تم یہ کیا کرتے ہو کہ چپکے چپکے اُن کی طرف دوستی کے پیغام دوڑاتے ہو۔ اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے اور جو ظاہر ہو کر کرتے ہو وہ ہم سب کو بخشتے ہیں۔ اور جو تم سے ایسا کر لیا تو یاد رکھو کہ وہ سیدھے راستے سے ہٹ گیا ہے۔

ترجمہ میل۔ ”میرے مذہب کی تائید میں لڑنے کے لئے“

ترجمہ راڈویل۔ ”میرے راستہ میں لڑائی کرنے کو“

ترجمہ پامر۔ ”زور سے لڑائی لڑنے کو“

مترجمین مذکورہ بالا کہتے ہیں کہ حاطب نے اہل مکہ کو اس حملہ کی خبر دیدی تھی جو رسول اللہ اُن پر کرنے والے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے خاندان کی خلاصی کے لئے اُن سے میل جول کرے جو اس وقت وہاں پڑا تھا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کی لشکر کشی ”جہاد“ کہلائی جائے۔ لیکن سرولیم میور اس کو نہیں مانتے، وہ ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں :-

دکھتے ہیں کہ سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیتیں حاطب کی نسبت ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ
”مہلت جنگ میں قریش سے کوئی بڑا میل جول اور سازش ہو گئی تھی جو ان کے عام بیان
”سے معلوم ہوتی ہے، اس واسطے یہ آیتیں اس سے پہلے زمانہ کی چوں گی“

۳۵۔ یہ فقرہ کہ رسول اللہ نے مکہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، حاطب نے اہل مکہ کو

حاطب کا فقرہ اُس سے خبردار کر دیا، اُس کا حال رسول اللہ کو وحی سے معلوم ہو
گیا، صحیح اور معتبر احادیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ بخاریؒ کی صحیح حدیث میں صرف
اس قدر ہے کہ یہ آیت حاطب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس سے یہ
نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ مکہ کو جارہے تھے، نہ اس
کا ذکر ہے کہ یہ بخبری اس حملہ مجوزہ کی نسبت تھی۔ صحیح حدیث میں صرف اسی قدر ہے
کہ اس خبر میں رسول اللہ کی کوئی بات تھی۔

علاوہ بریں ”اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِى سَبِيلِنَا“ کا یہ ترجمہ کرنا کہ
”اگر میرے مذہب کی حمایت کی غرض سے لڑائی کرنے کو جاتے ہو، یا میرے راستہ
میں لڑائی لڑنے کو نکلے ہو، یا میرے واسطے خون بہانے کو جاتے ہو، بالکل غلط
ہے۔ اس کے سچے سچے معنی ہیں کہ اگر تم میرے کام میں کوشش کی غرض سے نکلے ہو، اور یہ جہاد
کا ایک نتیجہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم مکہ سے یا اس غرض نکلے ہو کہ میرے منشاء میں
کوشش کرو، اور ہجرت کی دقتیں جھیل رہے ہو، بے خانمانی کے مصائب
اور پریشانیاں برداشت کر رہے ہو۔ اپنے گھر اور مال و متاع کو غیر محفوظ چھوڑ
آئے ہو، اور یہ سب (جہاد) درودرنج ابتغاء لرضاء اللہ اٹھا رہے ہو، تو تمہیں
چاہیے کہ تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، جو اُس صداقت کے منکر

ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو، اور انہوں نے تمہیں اور پیغمبر کو صرف اس وجہ سے تمہارے گھر (مکہ) سے بے گھر کیا ہے کہ تم خدا پر ایمان لائے ہو۔

۳۴۔ اَتَمَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ

۲۳۔ الحجرات ۲۹۔ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَ

آیت ۱۵۔ رَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ

يَزْنُوْا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَّ

اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ

هُمْ النَّاصِرُوْنَ ۝

سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا۔ اور اللہ کے راستہ میں اپنے جان و مال سے کوشش کی۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

ترجمہ سبیل۔ ”وہ جو اپنے مال اور جانیں خدا کے سچے مذہب کی تائید میں لگاتے ہیں“

ترجمہ راڈویل۔ ”جو اپنے مال اور جانوں سے لڑائی کرتے ہیں“

ترجمہ پامر۔ ”جو اپنے مال اور جان سے خوب زور سے لڑتے ہیں“

دیکھو میری رائے مہرحہ نمبر ۱ فقرہ ۲۹۔ ضمیمہ ۱۷۱۔

۳۵۔ اَمَّ حَسْبُكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا

۲۲۔ التوبہ ۹۔ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

آیت ۱۶۔ جَاهِدُوْا عَنْكُمْ

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وِلًا

رَسُوْلِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ لِيُنْجِ

وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْكُمْ لَٰكُمُ الْوَيْلُ ۝

مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مفت میں چھو جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ نے اُن لوگوں کو تم میں سے ابھی جا بجا نہیں جنہوں نے کوششیں کیں اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے۔

ترجمہ سبیل۔ ”اس کے مذہب کے واسطے لڑائی کی“

ترجمہ راڈویل۔ ”دلاورانہ لڑائی کی“

ترجمہ پامر ”خوب زور سے لڑائی کی“

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور حرمت والی مسجد خانہ کعبہ کے بنانے کو اُس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لایا۔ اور اللہ کے رستہ میں اُس نے کوشش کی ہے۔ اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ ایک دوسرے کے برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔

۳۸۔ اَجْعَلْتُمْ سَفَايَةً

۲۵۔ ایضاً الْحَارِجَ ذُرْعَامَةَ الرَّجْدِ

آیت ۱۹ الْحَرَامِ كُنْ اَمِنْ بِاللّٰهِ

وَاَيُّوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهِدْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

لَا يَتَّقُوْنَ عَذْرَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ سبیل :- ”لڑائی کی“

ترجمہ راڈویل :- ”لڑائی کی“

ترجمہ پامر :- ”کوشش کرتا ہے“

وہ مسلمان جو ایمان لائے اور ہجرتیں کیں اور اپنے مال اور جانوں سے اللہ کے رستہ میں کوششیں کیں اللہ کے نزدیک درجہ میں بہت بڑے ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں جو منزلِ مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔

۳۹۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

۲۶۔ التوبہ ۹ كَاٰخِرُوْا وَجَاهِدُوْا

آیت ۲۰ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمَ

دَرَجَةٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ

هُمْ الْفَائِزُونَ

ترجمہ سبیل :- ”اپنے مال اور جانیں اللہ کے سچے مذہب کی تائید میں لگاتے ہیں“

ترجمہ راڈویل :- ”خدا کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے کوشش کرتے ہیں“

ترجمہ پامر :- ”خدا کے راستہ میں اپنی دولت اور جان سے محنت کرتے ہیں“

اے پیغمبر مسلمانوں کو کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ تمہارا

۴۰۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ

۲۷۔ التوبہ ۹- آیت ۲۴ وَاَبْنَاؤُكُمْ

بیٹے x x x x x x x x x

وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ بَاقِيَةٌ تَمَتُّوا بِهَا وَتُجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْفُقُونَ
أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى
يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

تمہارے بھائی۔ تمہاری بیبیاں۔ تمہارے خاندان
والے مال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور سوداگری جس
کے مندا پڑنے کا تم کو اندیشہ ہے اور مکانات
جس میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے اللہ اور اس
کے رسول اور اللہ کے رستہ میں کوشش کرنے
× × سے تم کو زیادہ عزیز ہیں تو ذرا صبر کرو۔ یہاں
تک کہ جو کچھ کہ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود
کرے۔ اور اللہ ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے سزا کی بات نہ کریں

ترجمہ سبیل :- ”اُس کے مذہب کی ترقی میں“

ترجمہ راڈویل :- ”اُس کے راستہ میں کوشش“

ترجمہ پامر :- ”خوب نہور سے لڑائی لڑنا“

مسلمانو! ہلکے (بے ہتھیار) اور بھاری (مسلح)
خدا کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے
کوشش کرنے کو نکل کھڑے ہو اگر تو تم اس
کے مصلحتوں سے واقف ہو تو یہ تمہارے حق
میں بہت بہتر ہے۔

۲۱۔ اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ

وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ

اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

۲۸۔ التوبہ ۹

آیت ۲۱

ترجمہ سبیل :- خدا کے سچے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور اپنی جان

لگا دو۔

ترجمہ راڈویل :- ”اپنے مال اور اپنی جان سے لڑائی کرو“

ترجمہ پامر :- ”اپنی دولت اور اپنی جان سے خوب زور سے لڑائی کرو۔“

اے پیغمبر! جو لوگ اللہ کا اور روز آخرت کا یقین رکھتے
ہیں وہ تو تم سے اس بات کی رخصت مانگتے نہیں

۲۲۔ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

۲۹۔ التوبہ ۹۔ آیت ۲۲

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ أَنْ يَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

ترجمہ سبیل :- ”خدا کے دین کی ترقی کے واسطے اپنے مال اور اپنی جانیں لگا دو۔“
ترجمہ راڈویل :- ”اپنے مال اور جان سے لڑائی لڑنا۔“

ترجمہ پامر :- ”خوب زور سے لڑائی لڑنا۔“

جو منافق اُن کے اپنے اصرار سے پیچھے چھوڑ دئے گئے۔

۴۳- فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِ

رسول خدا کی خلاف ورزی اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے سے
بہت خوش ہوئے اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے
(يُجَاهِدُوا) کوشش کرنا اُن کو ناگوار گزرا اور لوگوں کو بھی جھگڑنے
لگے کہ ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔ اسے پیغمبران لوگوں کے
کہہ کہ گرمی تو دوزخ کی آگ کی بہت سخت ہوائی کاش ایک لڑائی جیتی

خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ

وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ

جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا أَلَا تُلْكَأُوا لَيْفَكُمْ ۝

۳۰- التوبہ ۹

آیت ۸۲

ترجمہ سبیل :- ”اپنے جان و مال کو خدا کے سچے دین کی ترقی میں لگانا۔“

ترجمہ راڈویل :- ”اپنے مال و دولت اور جان لگا کر جھگڑنا۔“

ترجمہ پامر :- ”اپنی دولت اور اپنی جان لے کر خوب زور سے لڑائی کرنا۔“

اور اسے پیغمبر جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے اور

۴۷- وَإِذَا أَنْزَلْتُ سُورَةً

اُس میں حکم ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اُس کے

أَنْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ

رسول کے ساتھ رہ کر کوشش کرو۔ تو جو اُن میں سے صاحبِ

جَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ

ہیں وہی تم سے اجازت مانگنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو

اِهْتَأَذْنَا كُفْرًا وَلَوْ أَلْطَوُلُ مِنْهُمْ وَ

چھوڑ جاؤ دو مگر بیٹھنے والوں کے ساتھ ہم بھی گھروں میں بیٹھ رہیں۔

قَالُوا أَذُنًا لَكُمْ مَعَ الْفَٰكِرِينَ ۝

ترجمہ سبیل :- ”جاؤ لڑائی کے واسطے۔“

ترجمہ راڈویل :- ”جھگڑا کرو۔“

ترجمہ پامر:- ”خوب لڑائی لڑو“

لیکن پیغمبر اور جو ان کے ساتھ اللہ پر ایمان لائے ہیں ان سب نے اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں کوششیں کیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے یہ خوبیاں انتظار کر رہی ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں۔ جو فلاح پانے والے ہیں۔

۲۵۔ لٰكِنَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ

۳۲۔ اَيْضًا اٰمَنُوْا مَعَهُ جَاهِدُوْا

آیت ۸۷۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ سبیل:- ”اپنی جان و مال ان کے لئے لا کر ڈال دئے“

ترجمہ راڈویل:- ”اپنی تفصیل اور اپنی جان سے جھگڑتے ہیں“

ترجمہ پامر:- ”اپنی دولت اور اپنی جان سے خوب زور لگاتے ہیں“

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور نیز اس تک پہنچنے کے ذریعہ کی جستجو کرتے رہو۔ اور اس کے رستہ میں کوشش کرو۔ تاکہ تمہیں فلاح مل جائے۔

۲۶۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

۳۳۔ الْمَائِدَۃُ ۝ اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا

آیت ۳۹۔ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ

۲۷۔ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

۳۴۔ الْمَائِدَۃُ ۝ اِهْبِؤْا لَآءِ الَّذِيْنَ

آیت ۵۸۔ اَتَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

بِهٰذَا اِيْمَانُكُمْ اِنَّكُمْ لَمَعْلَمٌ جَبِطْتُمْ

اَعْمَالَكُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ

تو مسلمان کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ظاہر میں بڑے زور سے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کی کوششیں سب بیکار ہیں۔ اور سراسر نقصان میں آ گئے۔

ترجمہ سبیل:- ”نہایت پختہ“

ترجمہ راڈویل:- ”نہایت سنجیدہ“

ترجمہ پامر:- ”خوب زور کی“

۲۷۸- یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

۳۵- ایضاً مَنِ يَزِدْكُمْ مِّنْكُمْ

آیت ۵۹ وَبِمَن فُسُوفُ

يَا قِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ

عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَكُلْ اللَّهُ يُوَفِّيهِمْ

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین (سلام) سے بچھ جائے تو خدا (کو اس کی ذرہ بھی پروا نہیں وہ) ایسے لوگ موجود کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا۔ اور وہ اُس کو دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کے ساتھ کڑے ہوں گے اللہ کی راہ میں خوب کوشش کریں گے اور کسی ملّت کریمہ والے کی ملامت کا اندیشہ نہ رکھیں گے۔ یہ بھی خدا کا ایک فضل ہے جس کو چاہے وہ دے۔ اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اور وہ سب کے حال سے واقف ہے

ترجمہ سبیل :- ”وہ خدا کے دین کے لئے لڑیں گے۔“

ترجمہ راڈویل :- ”وہ خدا کے کام کے لئے جھگڑیں گے۔“

ترجمہ پامر :- ”خدا کے واسطے کوشش کریں گے۔“

۲۷۹- ”جہاد“ کے معنی جنگ کرنے کے نہیں ہیں۔ یہ وہ کل آیات قرآن

ہیں جن میں لفظ جہد یا جہاد یا اُس کے مشتقات آئے ہیں۔ میں نے یہاں

خوب غور سے مترجمین و مفسرین اور قرآن کی اصلی عبارتوں کا مقابلہ کیا ہے کہ لفظ

”جہد یا جہاد“ عرب کی قدیم زبان اور نیز قرآن میں جنگ کرنے کے معنوں میں

نہیں آیا ہے۔ بلکہ اُس کے معنی صرف اپنی وسعت بھر کوشش کرنے اور محنت

مشقت کرنے کے ہیں۔ وہ معنی جو اس لفظ کے بیان کئے جاتے ہیں یقیناً وہ ایک

اصطلاحی معنی ہیں۔ اور نزول قرآن سے بہت بعد اس میں پہنائے گئے ہیں۔

۵۰- میں اس کی نسبت بحث نہیں کرتا کہ قرآن میں جنگ کرنے کا حکم

قتل و قتال نہیں ہے۔ قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں متبعین

رسول کو دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اقدامی لڑائی کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔ اس حکم کے لئے لفظ قتل اور قتال بالکل جدا طریق پر مستعمل ہوئے ہیں *

۱۵۔ میں نے اس کتاب میں ان آیات کی بھی بخوبی تشریح کر دی ہے،
خاتمہ جن میں الفاظ ”قتل و قتال“ آئے ہیں۔ اس ضمیمہ میں میرا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جو مصنفین و مفسرین قرآن کی بعض آیات کو جن میں لفظ جہد یا جہاد اور اُس کے مشتقات آئے ہیں، اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جنگ و جدل کرنے اور خون بہانے کو جائز قرار دے رکھا ہے، اُن کا یہ دعوے بالکل غلط ہے *

ضمیمہ اول ختم ہوا

ضمیمہ دوم

غلامی اور حرم بنانا جنگ کی لازمی خرابیاں

قرآن پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے کہ اس میں اسیرانِ جنگ کو غلام بنانے قرآن میں غلام اور حرم کی اجازت دی گئی ہے، اور فاتحین کو قیدی عورتوں سے بنانے کی اجازت نہیں ہم آنحوشی کا اختیار دیا گیا ہے، یا بالفاظِ دیگر، قیدی عورتیں عین میدانِ جنگ میں حرم بنالی جاتی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان دعووں کے ثبوت میں کوئی ایک جملہ بھی موجود نہیں ہے۔ سرولیم میور اپنی کتاب ”سیرت محمدی“ میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے، جس میں اسیرانِ جنگ کو غلام یا باندی بنا لینے کی اجازت دی گئی ہو، اور نہ وہ اُن متعدد لڑائیوں میں سے کسی ایک لڑائی میں بھی کوئی ایسی مثال پیش کر سکے، تاہم اپنی ایک نو تصنیف کتاب میں بڑے زور سے مگر مبہم طور پر، قرآن کا ایک حوالہ دیا ہے، اور جنگ و صلح کی نسبت جو سالہ ہجری میں خالد اور اہل فارس سے ہوئی تھی، خالد کی فائز تہ تقریر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

”اب اُس نے قرآن کی اُس فیلسوفانہ تفسیر کو بیان کرنا شروع کیا جو عورتوں کی نسبت کی گئی ہے۔ بے شمار ایرانی عورتیں جس میں باندیاں اور بیبیاں دونوں ”شریکِ نفیس“ اور جو اُن کے دہنے ہاتھ کی گرفتار کردہ تھیں، باہر لائی گئیں۔ اور

”فتح مندوں کی ہم آغوشی کے لئے جائز کر دی گئیں۔ اور اس حق سے متمتع ہونے کے لئے انہوں نے اس تحریری فیصلہ کی نسبت کفار کے ساتھ عمل کرنے میں کچھ بھی ”رستی نہ کی“

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب صورت واقعہ یہ تھی، تو خالد نے مسلمانوں سے قرآن کی اُس مفروضہ ”فیلسوفانہ تزویر“ کا کیوں ذکر نہ کیا؟ قرآن کی اس خیالی تزویر کے ذکر سے کہ ”قیدی عورتیں فاختوں پر حلال ہیں“ وہ ایسا جوش پیدا کر سکتے تھے کہ ہر ایک بدو کا دل خوشی سے اُچھلنے لگتا، لیکن انہوں نے بجائے اس کے صرف وہاں کی زرخیز زمینوں اور لہلہاتے کھیتوں کا ذکر کیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی ایسی تحریک و ترغیب کا نام و نشان نک نہیں پایا جاتا۔

۲ اتنا تصحیح ہے کہ قرآن میں غلاموں کا ذکر موجود ہے، لیکن آئندہ اُن کی قرآن میں غلامی کے اجازت نہیں دی گئی ہے۔ قرآن میں ہر طرح کی اخلاقی، قانونی، مذہبی اور ملکی تدابیر سے اُس کے قلع قمع کی کوشش کی گئی ہے۔ غلاموں کا آزاد کرنا اخلاقی حیثیت سے زہد و راستبازی کا کام بتایا گیا ہے، قانوناً غلاموں

سہ ارباب خلافت مصنفہ سر ولیم مور صفحہ ۷۷، طبع لندن ۱۸۸۳ء۔

کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا۔

نیکی یہی نہیں ہے کہ نماز میں اپنا منہ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ اصل نیکی تو اُن کی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور مال عزیز اللہ کی حب پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا۔ اور غلامی کی قید سے اُن کی گردنوں کے چھڑانے میں لگایا۔

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ (البقرہ ۹۰-آیت ۱۳)

لَيْسَ الْبِرُّ بِالْمَالِ الَّذِي تُؤْتُونَ اَوْ جُوعًا قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَاتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ وَالرَّسُوْلَ وَالسَّبِيْلَ وَالسَّابِقِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ الْاِسْرَاقِ (البقرہ ۲-آیت ۱۷۲)

کے آزاد کئے جانے کا حکم ہے، بشرطیکہ وہ فدیہ دینے کو راضی ہوں، قتل خطا کی سزا
میں یہ حکم دیا گیا۔ کہ غلام آزاد کئے جائیں، طلاق ناجائز کے کفارہ میں بھی اُن کی آزاد
کا حکم دیا گیا، وہ بیت المال کے روپیہ سے فدیہ دے کر آزاد کئے جاسکتے تھے، وہ

لَهُ وَالَّذِينَ يُبْتَغُونَ اِلَيْكَ تَابَ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ وَاَتَوْكُمْ بِهِنَّ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا
وَاَتَوْكُمْ مِنْ تَالِ اللّٰهِ الَّذِي اَتٰكُمْ وَ
لَا تُكْرِهُوْهُنَّ فِتْيَانَكُمْ عَلَى الْبُعَاثِ اِنْ
اَرَدَنْ تَخْصِنَ لَهُنَّ فَاَعْرَضَ الْحَيٰوةُ الْاٰثِرَ
وَمَنْ يَكْرِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ
الرَّكْرِ اِهْرٰسٌ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ۝

(النور ۲۴ - آیت ۳۳)

لَهُ وَاَمَّا كَانَ لِمَنْ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا
اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَحَرْبٌ
رَّقِيَّةٌ مُؤْمِنَةٍ وَّرَقِيَّةٌ مُسْلِمَةٍ اِلٰى اٰهْلِهَا
اَنْ يَّقْسَدُوْا - (النساء ۴ - آیت ۹۲)
لَهُ وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ مَنْ
يَعُوْذُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَخَرْبٌ رَّقِيَّةٌ تَرْتَن
تَقْبِلُ اَنْ يَتِمَّ شَا -

(المجادلہ ۵۸ - آیت ۴)

لَهُ اِمَّا الصَّفَاتُ لِلْفَقْرَاءِ وَالْمَسْكِيْنِ
وَالْعَالِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمَوْدُ لَفِيْ قُلُوْبِهِمْ
وَفِي الْبِقَابِ وَالْفَارِيْنَ وَفِي بَيْتِ اللّٰهِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ

(التوبہ ۹ - آیت ۶۰)

اور تمہارے ہاتھ کے مال یعنی غلاموں میں جو مکاتب
کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتب کر لیا کرو بشرطیکہ اُن
میں تم بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا میں سے جو اُس نے
تم کو دے رکھا ہے اُن کو بھی دو۔ اور تمہاری لونڈیاں جو پاک
رہنا چاہتی ہیں۔ اُن کو دنیا کی زندگی کے عافیت فائدہ کی غرض
سے حرام کاری پر مجبور نہ کرو۔ اور جو اُن کو مجبور کر کے کانٹا
اُن کے مجبور کئے گئے پیچھے نچنے والا مہربان ہے۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ جو عورتیں گناہ پر مجبور کی جائیں اُن کے لئے بخشش کی جائے
تہ کسی مسلمان کو روا نہیں کہ کسی مسلمان کو جان مار ڈالے
اگر نادانستہ مار ڈالا ہو تو دوسری بات ہے۔ اور جو مسلمان کو
نادانستہ بھی مار ڈالے۔ تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرے۔ اور اذان تک
خون بہا دے۔ یہ الگ ہی گروہ کہ وازن مقتول خون بہانا کر دیں
تہ اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے یعنی اُن کو اپنی
مال کہہ دیتے ہیں پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہتے ہیں جس کو
کہہ چکے ہیں کہ نہیں کریں گے تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے
پہلے مرد کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہئے۔

تہ خیرات کا مال تو بس فقروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اُن
کارکنوں کا جو صدقات کے وصول کرنے پر تعینات ہیں اور اُن لوگوں کا
جن کے دلوں کا راضی کرنا منظور ہے۔ اُن مصارف میں زکوٰۃ کو
خرچ کیا جائے اور نیز قید غلامی سے غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے
میں۔ اور نیز حق ہے قیدیوں کا اور خدا کی راہ میں کام کرنے
والوں کا اور مسافروں کا۔

ایمان لے کر (یعنی یہود و نصاریٰ) کے کفارہ میں رہا کئے جاتے تھے۔

یہ وہ تدبیریں تھیں جو اُس زمانہ کی موجودہ اور مروجہ غلامی کے موقوف کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھیں۔ لیکن قرآن نے آئندہ انسداد غلامی کی غرض سے اس کی جڑ میں ایسی گھماری ماری کہ اس کا قطع و قلع ہو گیا، اور اس سرچشمہ ہی کو مسدود کر دیا۔ سورہ محمد میں، قیدیوں جنگ کے بارہ میں، یہ صاف اور صریح حکم دیا گیا ہے کہ وہ یا تو احساناً چھوڑ دئے جائیں یا فدیہ لے کر۔ اس سے نہ تو آئندہ اُن کے غلام بنانے کی اجازت رہی اور نہ قتل کرنے کی۔

(۱) مسلمانو! جب لڑائی میں کافروں سے تمہاری مُٹ بھٹ ہو تو اُن کی گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح اُن کا زور توڑ لو تو اُن کی مُشکیں کس لو۔

(۱) فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْمَنَّتُمْهُمْ فَضْذُوا أَلْوَتَانِ۔ (محمد ۴- آیت ۴)

(۲) پھر قیدیہ کئے پیچھے یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا مسلمان لیکر بہاں تک کہ دشمن لڑائی میں ہتھیار رکھ دیں۔ (محمد ۴- آیت ۵)

(۲) فَإِنَّمَا مَتَابَعُهُ وَإِنَّمَا فَدَاؤُهُ حَتَّى تَفْضَحَ أَلْوَتَانِ۔ (محمد ۴- آیت ۵)

یہ آیتیں نہایت صراحت سے آئندہ انسداد غلامی کا ایک دائمی فرمان ہیں، اس میں اور کسی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ بریں اس کے بعد حین حیات رسول مقبول کا اسی پر عمل درآمد رہا۔

لے قصوں پر جبے فائدہ ہیں اُن پر اللہ تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں پختہ قسم کھا لو اور پھر اُس کے خلاف کرو تو خدا تم سے اس کا مواخذہ کرے گا۔ تو قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو بیج کی راس کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا کہ تم اپنے بال بچوں کو کھلایا کرتے ہو یا انہی دس مسکینوں کو کپڑے بنلایا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ (المائدہ ۵- آیت ۹۱)

لے لا یؤاخذکم اللہ فی ایمانکم وَاٰلٰکِن یؤاخذکم بِمَا عٰمَدْتُمُ الْاٰیْمَانَ عَلٰکُمْ اَطْعَامُ عَشْرَةِ مَسٰکِیْنٍ مِنْ اَوْسَطِ مَا تَطْبَعُوْنَ اَبْلَکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ خَرَجُهُمْ فِی الْبَیِّنِ (المائدہ ۵- آیت ۹۱)

لے ملاحظہ ہو زبانی شرح مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۵۲۳ و ۵۲۴ مطبوعہ مصر۔

۳ اور یہی وجہ تھی کہ جنگ بدر (۱) یا جنگ قرقرہ القدر (۲) یا جنگ قیدیان جنگ میں سے ایک شخص جی غلام نہیں بنایا گیا۔

جنگ بنی مصطلق (۳) یا جنگ قرظہ (۴) یا جنگ بطن مکہ (۵) اور جنگ حنین (۶) یا ہوازن (۷) میں سے کسی ایک جنگ کے قیدی بھی غلام نہیں بنائے گئے، وہ سب کے سب بلا استثنائے احدے، باتبع فرمان سورہ محمد (آیت ۵) یا تو احساناً چھوڑ دئے گئے یا فدیہ لے کر، بصورت نقد یا بمعاضہ مسلمان قیدیان جنگ۔ اب رہیں جنگ بلعہ احد (۸) احزاب

۱۔ سیرت محمدی مصنفہ سرولیم میور، جلد ۳ صفحہ ۲۲۳۔

۲۔ بقول ہشامی (صفحہ ۲۵، مطبوعہ یورپ) کوئی پچاس یا چالیس قریشی رسول اللہ کی لشکرگاہ کے گرد بائیں غرض گھومتے تھے کہ کوئی بھولا بھٹکا مسلمان مل جائے تو اسے قتل کر ڈالیں۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا، اور پتھر اور تیر برسائے۔ جس کی وجہ سے وہ گرفتار کر کے رسول اللہ کے پاس لائے گئے۔ آپ نے انہیں معاف فرما کر چھوڑ دیا۔ (سیرت محمدی مصنفہ میور، جلد ۴ صفحہ ۳۱ فٹ نوٹ اور صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیار باب التنفیل والفدیہ)

۳۔ بنی ہوازن کے تمام اسیران جنگ حنین بلا فدیہ، احساناً چھوڑ دئے گئے۔ اور ان میں سے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا (سیرت محمدی مصنفہ میور، جلد ۴ صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹)۔ سرولیم میور کا یہ بیان کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اسیران بنی ہوازن میں سے تین نوٹیاں حضرت علی، عثمان اور عمر کو تحفہ دی تھیں، کیونکہ ان میں سے ایک قیدی بھی غلام نہیں بنایا گیا تھا، وہ صرف قیدی تھے۔ چنانچہ خود سرولیم میور نے اس بات کا اقرار کیا ہے (صفحہ ۱۴۸-۱۴۹)، اور پھر بھی وہ ان تینوں قیدیوں کو "لونڈیوں" ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

یہ قیدی اور تمام سامان لشکرگاہ بانتظار تکمیل معاہدہ وادی جعرانہ میں بھیج دیا گیا تھا (صفحہ ۱۴۲)۔ جب معاہدہ مکمل ہو چکا تو تمام اسیران جنگ چھوڑ دئے گئے۔ جب صورت واقعہ یہ تھی تو بھلا قیدی کس طرح تقسیم کئے جاسکتے تھے۔ یہ تمام تفصیل ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۳ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۶ء میں موجود ہے۔

(۳۵) اور خیبر (۳۶)، ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی قیدی نہیں پکڑا گیا۔
 ۴۷۔ بعض لوگ بنی قریظہ کی نسبت یہ اعتراض کریں گے کہ ان کی عورتیں اور
 بچے لونڈی غلام بنا کر نجد کے بازار میں فروخت کئے گئے۔
 سرولیم میور نے بنی قریظہ کے بارے میں سعد کا یہ فیصلہ نقل کیا
 بنائے گئے۔

۱۔ سرولیم میور لکھتے ہیں :-

ہشامی کتاب ہے کہ جنگ خیبر کے زمانہ سے مسلمانوں میں غلاموں کی کثرت ہو گئی تھی (صفحہ ۳۳۳)
 مگر مجھے بنی کنانہ کے سوا خیبر کے غلاموں میں کسی اور کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ خیبر کے
 مال غنیمت سے فاتحین، ملک عرب میں جہاں سے چاہتے ارزاں نرخ پر غلام خرید کر سکتے تھے۔
 (سیرت محمدی جلد ۲ صفحہ ۴۳-۴۴-۴۵ اور اس کا فٹ نوٹ)

ہشامی نے جو لفظ ”سبایا“ استعمال کیا ہے، اُس کے معنی ”مال و غلام“ دونوں ہیں، جو غنیمت میں
 ہاتھ آئے ہوں، نہ کہ صرف غلام۔ اگرچہ قیدیوں کے بارہ میں عربوں کے قومی قوانین کی رو سے یہ دستور
 تھا کہ اگر فدیہ نہ دیا جائے تو غلام بنائے جائیں۔ لیکن بنی کنانہ ہرگز غلام نہیں بنائے گئے۔ کنانہ قیدی
 کے بعد قتل کر دیا گیا تھا کیونکہ اُس نے محمود بن مسلمہ کو قتل کر ڈالا تھا (دیکھو کتاب ہذا کا فقرہ ۷۵)۔
 اب رہی یہ کہانی کہ کنانہ کے قتل کے بعد رسول اللہ نے اس کی بی بی کو بلوا کر اُس پر اپنی چادر کا پلو اڑھایا
 اور گویا اُسے اپنے لئے منتخب کیا، اور پھر اُس سے نکاح کیا، اور اُس کا مرہیہ قرار دیا کہ وہ آزاد کر
 دی جائے (سیرت محمدی مصنفہ سرولیم میور، صفحہ ۶۸ و ۶۹) یہ بالکل صحیح اور مستند نہیں ہے۔ اس کا
 خاندان ایچے صفیہ اور اس کا ابن عم، غلام نہیں بنائے گئے تھے، اس بارہ میں کوئی صحیح اور موضوع
 حدیث موجود نہیں ہے، جس سے اس کی تصدیق کی جاسکے۔ میں یہاں وہ تقریر لکھتا ہوں جو رسول اللہ
 نے صفیہ، بیوہ کنانہ، سے کی تھی، اور جس کو ابو القتر سلیمان بن طرخان (متوفی ۳۳۵ھ) نے اپنی
 مغازی الرسول میں نقل کیا ہے۔ رسول اللہ نے صفیہ سے فرمایا ”میری طرف سے تجھے اجازت
 ہے کہ چاہے تو اسلام قبول کر اور چاہے یہودی رہ۔ اگر تو مسلمان ہو گئی تو شاید میں تجھے آزاد
 کر دوں گا، اور تجھے یہ اختیار ہوگا کہ تو اپنے قبیلہ میں چلی جائے“ (مغازی الرسول واقفی صفحہ
 ۳۹۳، مطبوعہ کلکتہ، (۱۸۵۶ء) اس گفتگو سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو صفیہ کا لونڈی
 بنانا منظور نہیں تھا۔

اب رہا اس قصہ کا دوسرا رخ کہ صفیہ دحبہ کو حوالہ کر دی گئی تھی، اور پھر اُس سے خریدی
 گئی، یہ انس سے منقول ہے، جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ انس اُس زمانہ میں جبکہ رسول اللہ
 خیبر کو جا رہے تھے، چند ہی روز ہوئے تھے کہ آپ کی خدمت میں داخل ہوئے تھے (دیکھو صفحہ ۲۲۹)

کہ ”اُن کی عورتیں اور بچے قیدی غلاموں کی طرح فروخت کر دئے جائیں، اور رسول اللہ نے اسے منظور بھی کر لیا تھا۔“ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:-

”ورغینت کا خمس معمولی طور پر رسول اللہ کے لئے نکال کے باقی مال تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ نے اس خمس میں سے کچھ لونڈیاں اور خدنگار اپنے دوستوں کو تحفہ دئے، اور باقی عورتیں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) اور اُس وقت اُن کی عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ بخاری نے انس سے یہ روایت کی ہے، ”وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ نے خیر پر چڑھائی کے وقت ابو طلحہ سے کہا کہ ایک لڑکا ہماری خدمت کے لئے لادو، وہ مجھے لے گئے، میں اُس وقت صرف ایک لڑکا تھا اور مراہق ہو چکا تھا“ (بخاری، کتاب النکاح) انس سے اس بارے میں دو متضاد روایتیں منقول ہیں۔

ایک یہ ہے کہ حبیہ نے رسول اللہ سے ایک قیدی لڑکی مانگی، اور صفیہ کو لے گیا، جب رسول اللہ کو صفیہ کا حال معلوم ہوا تو آپ نے حبیہ سے کہا کہ کوئی دوسرا قیدی لے لو۔ اس کے بعد صفیہ کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیا، اور اُس کی آزادی ہی اُس کا ہر قرار دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ صفیہ، حبیہ کے حصہ میں آئی، رسول اللہ نے سات اونٹ کے عوض اُس کو مول لے لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اُس سے نکاح کیا یا لونڈی بنایا، لیکن جب وہ ایک اونٹ پر سوار ہوئیں اور رسول اللہ نے اُن پر برقعہ اڑھایا تو اُس وقت لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ صفیہ آپ کی بی بی ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں مسلم نے انس سے روایت کی ہیں (کتاب النکاح) جلد اول صفحہ ۴۰۳ مطبوعہ مہر اور بخاری صفحہ ۴۷ کتاب الصلوٰۃ۔ اس خیال کی پوری تصدیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہ نے حالات مذکورہ بالا میں صفیہ سے نکاح کیا یہ صرف لوگوں کا یا انس کا خیال ہی خیال تھا۔ اس پر سر ولیم موریکا رسول اللہ کی نسبت یہ لکھنا سراسر ہٹ دھرمی ہے کہ ”واقعی وہ اس شبہ سے بری نہیں کئے جاسکتے کہ کنانہ کی بربادی میں آپ کا قدم تھا، اور آپ نے اس کی بی بی کے لئے لینے کی خواہش کی تھی“ (سیرۃ محمدی جلد ۴، صفحہ ۶۸ کانٹ نوٹ)۔ کنانہ مجبور بن مسلمہ کے قصاص میں قتل کیا گیا تھا، اور صفیہ نہ رسول اللہ کے نکاح میں آئی اور نہ لونڈی بنائی گئی۔ اگر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ رسول اللہ نے دوسرے حالات میں اُس کے بعد شادی ہی کر لی تھی تو (سیرۃ محمدی) کی تحریر کے موافق وہ صرف ایک قیاس ہوگا، اور کسی حجت قطعی پر مبنی نہ ہوگا۔

انس وغیرہ راویوں نے غالباً صفیہ کی نسبت مغالطہ کھایا ہے، صفیہ رسول اللہ کی ایک چھوٹی سی لڑکی تھیں، جو اُس وقت خیر کے حملہ میں آپ کے ساتھ تھیں (سیرۃ محمدی جلد ۴، صفحہ ۶۲ فٹ نوٹ) اور یہی نام کنانہ کی بی بی کا بھی تھا، جس کی نسبت خیال کیا گیا کہ شاید رسول اللہ نے اُس سے نکاح کر لیا ہے، اور اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھالیا ہے، اور وہ بی بی جن کے واسطے رسول اللہ نے اپنا گھٹنا جھکا دیا تھا، کہ وہ اونٹ پر چڑھ جائیں (دیکھو صفحہ ۶۰) غالباً وہ آپ کی چھوٹی صفیہ تھیں۔

”اور بچے بدووں کے ہاتھ نجد میں بیچنے کے لئے بھیج دئے گئے تاکہ اُن کے عوض میں
”گھوڑے اور ہتھیار خرید لائیں۔“

میں اس کتاب کے فقرہ ۳۰ میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ رسول اللہ نے سعد بن
معاذ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب مجھے یہ آؤ کہ منہا ہے کہ یہ فیصلہ صحیح روایتوں
کی بنا پر اس بات پر حاوی نہیں ہے کہ بنی قریظہ کی عورتیں اور بچے خلاف حکم
شرع لونڈی غلام بنائے جائیں کیونکہ یہ فیصلہ قرآن کے نص صریح اور رسول اللہ
کے عمل درآمد کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری میں (کتاب الجہاد، باب بنی قریظہ) اس
مضمون کی دو حدیثیں آئی ہیں، ان دو نو حدیثوں میں سعد کے الفاظ یہی ہیں
کہ ”ان عورتوں اور بچوں کو قید کیا جائے۔“ یہی مضمون بخاری کے دوسرے
ابواب سے ثابت ہوتا ہے (کتاب الجہاد، صفحہ ۲۲۷، اور مناقب صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ
۱۳۵۵ھ)۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ نے بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے کچھ
لونڈیاں اپنے دوستوں کو تحفہ دی تھیں، کیونکہ یہ قیدی سرے سے غلام ہی نہیں
بنائے گئے، لہذا قیدیوں کو غلاموں کے ساتھ خلط ملط کر دینا غلط ہے، اس
کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ غلام بنائے گئے، قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے
کہ وہ قیدی تھے۔

اور اہل کتاب میں سے جو لوگ (یہودی) مشرکین
کے مددگار ہوئے تھے خدا اُن کو اُن کی گڑھیوں
سے نیچے اتار لایا۔ اور اُن کے دلوں میں
ایسی دھاک بٹھا دی کہ تم لگے بعض کو قتل
کرنے اور بعض کو قید کرنے۔

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُواهُمْ مِنْ
أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ
وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا
تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا۔

(الاحزاب ۳۳- آیت ۲۶)

اصل بات یہ ہے کہ عورتیں اور بچے نہ تو غدر کے مرتکب ہوئے تھے، اور نہ سزا کے مستوجب ٹھہرے، یا تو اُن کی نسبت سعد کا یہ فیصلہ غلط تھا، یا صرف اُن لوگوں کی نسبت تھا جنہوں نے غدر کیا۔ سرولیم میور کے قول کے موافق صرف ایک عورت قتل کی گئی تھی، جس نے چھت پر سے چکی کا پتھر نیچے گرایا تھا (سیرۃ محمدی جلد سوم، صفحہ ۲۷۷)، اس سے میری یہ رائے ہے کہ بالآخر تمام عورتیں اور بچے چھوڑ دئے گئے، جن میں سے بعض نے فریہ دیا، اور بعض احساناً آزاد کئے گئے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ ایک تنفس بھی غلام کے طور پر فروخت کیا گیا ہو۔ لہذا سرولیم میور نے ہشامی کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ ”بنی قریظہ کے عورت بچے بدوؤں کے ہاتھ بازار نجد میں فروخت کرنے کے لئے بھیجے گئے اور اُن کے معاوضہ میں گھوڑے اور ہتھیار منگائے گئے“ بالکل صحت سے عاری، اور اس روایت کے منافی ہے جو ابوالمقتر سلیمان بن طرخان (متوفی ۲۳۳ھ) نے ہشامی سے پہلے بیان کی ہے، اور جس کا بیان زیادہ تر قریبن قیاس معلوم ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ:-

”رسول اللہ نے بنی قریظہ کے گھوڑے شام اور نجد کو نسل بڑھانے کے لئے بھیج دئے تھے، اور اُنہوں نے بڑے گھوڑے لے لئے تھے (مغازی الرسول) واقعہ ۳۷۴، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۶ء)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف گھوڑے نجد کو بھیجے گئے تھے، نہ کہ عورتیں اور بچے۔ ہشامی کے الفاظ ہیں۔ ”سَبَايَا مِنْ سَبَايَا بَنِي قُرَيْظَةَ“ (صفحہ ۶۹۳)۔ ”سبایا“ سبی کی جمع ہے، اس کا اطلاق جس طرح آدمی پر ہوتا ہے اُسی طرح مال غنیمت پر بھی ہوتا ہے۔ محاورہ میں ”سَبَى الْعَدُوَّ وَغَيْرَکَ“ کہا جاتا ہے، یعنی اُس نے دشمن وغیرہ کو قید کر لیا، یا پکڑ لیا، یا قیدی بنا لیا (مد القاموس مصنفہ لین، صفحہ ۱۳۰۳)۔ غالباً

ہشامی نے اس سے صرف گھوڑے مراد لئے ہیں، جو بنی قریظہ سے چھین کر نجد بھیجے گئے تھے، نہ کہ اُن کی عورتیں اور بچے۔

۵۔ سرولیم میور کہتے ہیں کہ اُنہیں اسیران بنی قریظہ میں رہنا نہ ایک عورت رہنا تھی، جسے رسول اللہؐ نے اپنی حرم بنالیا تھا۔ اُن کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ مرد قیدیوں کو غلام اور عورت قیدیوں کو لونڈی اور حرم کہہ دیا کرتے ہیں رہنا نہ کے بارہ میں کئی مبہم اور متضاد حدیثیں آئی ہیں۔ محمد بن سعد کا تب و اُردی نے عمرو بن الحکم اور محمد بن کعب وغیرہ سے کئی حدیثیں اس مضمون کی تواتر کی ہیں کہ رسول اللہؐ نے رہنا نہ سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد کا تب و اُردی کا بیان ہے کہ ”اس حدیث کو اہل علم نے تسلیم کر لیا ہے، لیکن اُس نے یہ بھی سُنا تھا کہ رہنا نہ آپؐ کی حرم تھی، لیکن سرولیم میور نے اُس قول کو لیا ہے جو مشتبہ اور غیر مستند ہے۔ چنانچہ وہ ایک فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں :-

”جب آپؐ نے اُس سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا اور کہا کہ اُس کے وہی حقوق ہوں گے جو آپؐ کی دوسری بیویوں کے ہیں، تو اس کی معذرت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے ”نہیں یا رسول اللہؐ مجھے اپنی حرم ہی کی طرح رہنے دیجئے، میرے اور آپؐ کے دونوں کے لئے زیادہ سہل ہے۔“

اگر یہ حدیث صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی اُن کا وہ بیان، جو انہوں نے متن میں لکھا ہے، صحیح نہ ہوگا۔ اُن کا بیان یہ ہے کہ :-

”آپؐ نے رہنا نہ سے اپنی بیوی بننے کی خواہش کی، مگر اُس نے انکار کیا، (جب کہ

لے دیکھو ابن حجر کی وہ کتاب جس میں اُس نے اُن لوگوں کے تذکرات لکھے ہیں جو رسول اللہؐ کو جانتے تھے یعنی الاصابہ جلد ۴، صفحہ ۵۹۱، مطبوعہ کلکتہ ۱۳۷۶ء۔ یا ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۹۲ مطبوعہ یورپ۔

۱۔ سر ت محمدی، جلد ۳ صفحہ ۲۷۸۔ یا الاصابہ جلد ۴، صفحہ ۵۹۱ مطبوعہ کلکتہ ۱۳۷۳ء۔

”اُس نے نکاح سے انکار کیا تھا تو اُسے اور کسی بات کا اختیار نہ تھا اور صرف لونڈی یا
”حرم رہنا ہی پسند کیا“

لیکن دراصل نہ تو وہ لونڈی بنائی گئی، اور نہ حرم۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے
کہ ”سیرت محمدی“ کا مصنف ایک لغو طور پر غلامی اور حرم بنانے کو خلط ملط کر دیتا ہے۔

۴۔ چونکہ رسول اللہ نے غلامی موقوف کرنے کا حکم دے دیا تھا، لہذا حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ نے تمام عرب غلاموں کی خلافت میں تمام موجودہ غلام آزاد کر دئے گئے تھے۔ لیکن
یہ آپ کو معلوم ہوگا، کہ جناب رسالت مآبؐ کی خواہش کے فحشا

ایک حصہ کی تعمیل ہوئی تھی۔ آپ کے بعد مخلوق نے اس پر توجہ نہ کی، اور متاخرین
فقہانے تو عربوں کو بھی غلام بنانے کا فتوے دے دیا تھا۔ سر ولیم میور اپنی آخری کتاب
”سنین خلافت اولیٰ“ میں لکھتے ہیں:-

”اس پر بھی عربوں کی ایک بڑی تعداد غلام تھی۔ جو زمانہ ارتداد یا اُس سے پیشتر باہمی

”جنگوں میں گرفتار ہو گئے تھے، اور اپنے اہل ملک کے ہاتھوں میں گرفتار چلے آتے تھے۔

”حضرت عمرؓ کو یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی، اور یہ مناسب بھی نہ تھا کہ کسی شریف شخص کے

”گلے میں طوق غلامی پڑا رہے۔ لہذا انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مضمون کا

”ایک فرمان جاری کیا کہ اللہ نے ہمارے عربوں کو غلبہ دیا ہے، اور ممالک غیر پر تمہیں بڑی

”بڑی فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔ لہذا یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم میں سے ایک شخص بھی جو

”زمانہ جاہلیت میں، یا اُس زمانہ میں جب کہ مرتدین سے لڑائی جاری تھی گرفتار ہوا ہو غلام

”بننا رہے۔“ اس پر عربی النسل غلام فدیہ لے کر رہا کر دئے گئے، البتہ وہ لونڈیاں آزاد

”نہیں کی گئیں جو اپنے آقاؤں سے اُم الولد ہو چکی تھیں۔ لہذا وہ سب لوگ تلاش کنوکل

”کھڑے ہوئے، جن کے زن و فرزند گم ہو گئے تھے۔ تاکہ اگر اتفاقات سے وہ مل جائیں تو

”اُن کا دعویٰ کر سکیں۔ ان حسرت ناک سفروں کی بعض عجیب و غریب کہانیاں بیان کی جاتی

”ہیں۔ اشعث نے بنی نجیر میں اپنی دو بیٹیوں کو قید پایا۔ لیکن بعض عورتیں جو قید ہو کر مایہ میں چلی گئی تھیں، انہوں نے اپنے فاتحوں کے پاس ہی رہنا پسند کیا۔“

حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ رسول کی لڑائیوں میں کوئی شخص غلام نہیں بنایا گیا، کیونکہ انہوں نے صرف اسیران زمانہ جاہلیت (قبل رسول) اور قیدیان جنگ ہائے قبائل مرتدین (بعد رسول) ہی کا ذکر کیا ہے، اور صرف یہی غلام بنائے گئے تھے۔

۷۔ قرآن میں کسی جگہ یہ اجازت نہیں دی گئی ہے کہ قیدی عورتیں حرم بنائی جائیں۔ اور جب قرآن نے آئندہ غلامی کا قلع قمع کر دیا ہے تو پھر حرم بنانا پر بحث کرنا ہی فضول ہے، کیونکہ اس کا وجود غلامی کے جواز اور عدم جواز پر منحصر ہے۔ قرآن نے ابتداءً اُس کی خرابی کا انسداد صراحۃً و کنایۃً اور سلباً و ایجاباً ہر طرح سے کیا۔ سب سے اول صرف نکاح کو عورت و مرد کے میل ملاپ کا قانونی و شرعی ذریعہ ٹھیرایا، اور یہ تاکید کی گئی کہ موجودہ لونڈیوں سے نکاح کر و سورۃ نساء اور نور میں صراحۃً اس کا ذکر موجود ہے۔ اور سورۃ مائدہ (آیت ۷) میں توصفاً صاف حرم بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

(۱) وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَمِينِ فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثَلٌ لِّثَلَاثَةِ رُبَاعٍ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ

(۱) اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تم کو اس

۱۰ ان میں سے طبری نے دو کا نام لیا ہے (جلد اول، صفحہ ۲۴۸)۔ عرب غلام کے لئے بہت ہی خفیف فدیہ مقرر کیا گیا تھا، سات اونٹ اور چھ بچے۔ اور جن قبائل کو بہت نقصان پہنچا تھا (جیسے بنی حنیفہ، بنی کنذہ، اور عمان کے باشندے جن کو دبا کے مقام پر شکست ہوئی تھی۔ ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۸۶) ان سے بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ (ستین خلافت اولیٰ، مصنفہ سرولیم میور، صفحہ ۲۱۳ و ۲۱۴ مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء)۔

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ آثَرُ
الَّذِينَ تَعُولُوا وَإِنَّا لَنَنظُرُ
صَدَقَاتِهِمْ نَحْنُ فَإِنْ طِبَّنَا لَكُمْ
عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ لَنَسْأَلَنَّهُ هُنَّ
مَرَّةً

(النساء ۴- آیت ۳)

(۲) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ
يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمْ
الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِرَبَائِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ
فَازْوَجُوهُنَّ بِأُذْنِ أَهْلِبَيْتِ
وَالَّذِينَ هُنَّ أُجُورُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَافِحَاتٍ
وَلَا مُمْتَخَذَاتٍ أَتَىٰ ج

(النساء ۴- آیت ۲۵)

(۳) وَالَّذِينَ لَا يَمْلِكُونَ الصَّالِحِينَ
مِنَ عِبَادِكُمْ وَآمَنَّا بِكُمْ أَنْ تَكُونُوا
فُقَرَاءَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وَكَسَتْ عَفْوَ
الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ زُكَاةً

بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیبیوں میں برابری کے ساتھ بڑاؤ نہ
کر سکو گے تو اُس صورت میں ایک ہی بی بی کرنا یا جو لونڈی تمہارا
قبضہ ہو اُسی پر فداغت کرنا۔ نامنصفانہ بڑاؤ سے بچنے کے
لئے یہ تدبیر زیادہ تر قرین مصلحت ہے، اور ان عورتوں کو ان
کے مہر خوشدلی کے ساتھ دے دو ورنہ اگر وہ خوشدلی سے ان میں
کچھ تم کو چھوڑ دیں تو وہ تمہارے مال طیب، اُسے مزہ سے کھاؤ
(۲) اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا
مقدور نہ ہو تو خیر لونڈیاں ہی سہی جو کافروں کی
لڑائی میں تم مسلمانوں کی قید میں آجائیں۔ بشرطیکہ
وہ لونڈیاں ایمان رکھتی ہوں۔ اور اللہ تمہارے
ایمان کو خوب جانتا ہے۔ آدم زاد ہونے کے اعتبار
سے تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ پس بے نائل لونڈی
والوں کے اذن سے ان کے ساتھ نکاح کر لو۔ اور
دستور کے مطابق ان کے مہر دو۔ مگر شرط یہ ہے کہ قید
نکاح میں لائی جائیں۔ اور نہ تم سے بازاری زبڈیوں کا
ساقعلق رکھنا چاہتی ہوں اور نہ خانگیوں کا سا۔
(۳) اور اپنی رانڈوں کے نکاح کر دو اور اپنے
غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی ان کے
جو نیک بخت ہوں اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو
اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیگا۔ اور اللہ بخشنے والا
والا اور سب کے حال سے واقف ہے۔ اور جو لوگ نکاح کا

يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

(التور ۲۴ - آیت ۳۲)

(۴) وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ

فِيهِمْ خَيْرًا وَأَتَوْهُم مِّن مَّالٍ

اللَّهِ الَّذِي أَنشَأَ

(التور ۲۴ - آیت ۳۳)

(۵) أَحَلَّ لَكُمْ... الْمُحْصَنَاتُ مِّنَ

الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِّنَ الَّذِينَ

أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا

أَبْتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصَيْنِينَ

غَيْرِ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ

(المائد ۵ - آیت ۵)

مقدور نہیں رکھتے اُن کو چاہیے کہ ضبط کریں۔ یہاں

”کہ کہ اللہ تم اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے“ (التور ۲۴)

(۴) اور تمہارے ہاتھ کے مال (غلاموں) میں سے جو تمہارا

کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو

بشرطیکہ تم اُن میں بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا

میں سے جو اُس نے تم کو دے رکھا ہے اُن کو بھی دے

(التور ۲۴ - آیت ۳۳)

(۵) مسلمان بیابنتا بیبیاں، اور جن لوگوں کو تم سے

پہلے کتاب دی جا چکی ہے، اُن میں کی (بھی) بیابنتا

بیبیاں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں، بشرطیکہ اُن کے

مہر اُن کے حوالے کرو، (اور) تمہارا ارادہ (اُن کو)

نکاح میں لانے کا ہو، نہ کہ کھلم کھلا بدکاری کرنے کا

اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے کا۔ (المائد ۵ - آیت ۵)

سورہ نساء کی اٹھائیسویں آیت سے کسی طرح حرم بنانے کی اجازت نہیں نکلتی،

اُس کا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اُس میں صرف نکاح کا ذکر ہے۔ اُس میں

اور اُس کے پیشتر کی آیت میں اس مسئلہ کا ذکر ہے کہ ہم کس عورت سے نکاح کر

سکتے ہیں اور کس سے نہیں۔ اُس کے بعد کی آیت میں، جس میں موجودہ لونڈیوں

سے نکاح کرنے کا حکم ہے، حرم بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۸۔ اب میں ماریہ قبطیہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس کی نسبت بیان کیا جاتا

ہے کہ وہ رسول اللہ کی ایک حرم اور لونڈی تھی، اگرچہ وہ اُن قیدیوں

کی فہرست میں داخل نہیں ہے، جو غلام بنائے گئے تھے۔ سر ولیم مہور کے قول

ماریہ قبطیہ

کے مطابق مصر کے رومی حاکم نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا تھا کہ ”میں آپ کی خدمت میں دو ٹاکنٹرا لڑکیاں بھیجتا ہوں جو قبیلوں میں بڑی شریف اور معزز ہیں“ مصنف موصوف نے فوراً ان لڑکیوں کو ”لونڈیوں“ کا خطاب دے دیا ہے، اور اُن کو ”عیسائی حاکم کی طرف سے ایک عجیب تحفہ“ لکھا ہے، حالانکہ نہ تو وہ قیدی تھیں اور نہ لونڈیاں۔ اور نہ اُس حاکم کے خط میں ان الفاظ سے اُن کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ رسول کے سوانح نگاروں نے اس کو کس طرح لونڈی یا حرم بنا دیا۔ اول تو مجھے اس میں ہی بہت کچھ شبہ ہے کہ مقوقس حاکم مصر نے رسول اللہ ﷺ کو دو لڑکیاں بھیجی بھی تھیں، اور اگر بالفرض بھیجی بھی تھیں، تو اُن میں ماریہ بھی تھی یا نہیں، دوسرے یہ صحیح نہیں کہ وہ امہ تھیں، تیسرے یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حرم نہ تھی، اور چوتھے یہ کہ اس سے آپ کے کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور پانچویں سب سے آخری بات یہ ہے کہ یہ مشہور کہانی جس کا یورپین مصنفین نے غل مچا رکھا ہے، صرف ایک مصنوعی قصہ ہے۔

یہ تو سخت دشوار اور جہال کی بات ہے کہ اس مضمون کی تمام احادیث نقل کر کے اُن کی صحت کو جانچا جاوے۔ اور فن حدیث کے مقررہ اصول کے مطابق اُن کی صحت کو کسوٹی پر پرکھا جائے، اور درایت کی بنیاد پر اُن کا کھرا کھوٹا دکھایا جائے۔ لہذا میں صرف مختصر طور پر اس واقعہ کے ہر ایک پہلو پر نظر ڈالتا ہوں۔

۹ اول تو یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے مصر کے رومی حاکم مقوقس کو ایک خط

مقوقس کے ساتھ مراسلت بھیجا، اور اس کے جواب میں اُس نے آپ کے پاس دوسرے تحائف کے ساتھ ماریہ قبطیہ بھیجی، یہ واقعہ اُن احادیث میں مذکور نہیں ہے جو مستند محدثین بخاری اور مسلم نے روایت کی ہیں، اور جنہوں نے احادیث

کے صحیح اور غلط انبار کو خوب چھانا اور جانچا ہے اور اُس میں سے بہت ہی تقوڑا حصہ منتخب کیا ہے، جو اُن کے اصول کے مطابق قریب بھت نظر آیا ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ ایسی احادیث جو دوسرے غیر مبہرور اور قصہ گو یوں نے بیان کی ہیں، اور جنہوں نے رطب و یابس ہر ایک روایت کو جمع کر دیا ہے اور صحیح و غیر صحیح کا کچھ خیال نہیں کیا ہے، جیسے واقدی اور ابن سعد، وہ ان امان فن حدیث کے نزدیک یقیناً نامقبول ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان میں صحت کا نام تک نہیں ہے۔ ابن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ)، ہشام بن عبد الملک (متوفی ۲۴۳ھ) اور ابوالمقتر سلیمان (متوفی ۲۷۳ھ) نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا کہ ماریہ قطیبہ کو رومی حاکم نے رسول اللہ کے پاس بھیجا تھا۔ ابن سعد نے جو روایت لکھی ہے، اُس کا پہلا سلسلہ واقدی اور عبد الحمید سے جعفر کے واسطے سے اور دوسرا سلسلہ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن صعصعہ کے واسطے سے ہے، اور یہ روا بلاشبہ موضوع ہے۔ واقدی اور عبد الحمید کی صداقت پر الزام لگایا گیا ہے، اور اُن کے قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفيات میں جس کا ترجمہ مسٹر سلین نے اصل عربی سے انگریزی زبان میں کیا ہے، واقدی کی نسبت لکھا ہے کہ ”وہ احادیث جن کی روایت واقدی سے ہو ضعیف سمجھی جاتی ہیں، اور اُن کی صداقت مشتبہ ہے“ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں واقدی کی نسبت لکھا ہے کہ ”اس کی ثقاہت قابل اعتبار نہیں، باوجود اس کے کہ وہ بہت بڑا عالم ہے۔“ (تقریب صفحہ ۱۲۳۲ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۸ھ)۔ ذہبی اپنی کتاب میزان القدر

۱۔ ہشامی صفحہ ۴۲ مطبوعہ یورپ۔ ۲۔ ہشامی ۱۷۹۔ ۳۔ تقریب ابن حجر۔ اور تاریخ مغازی الکمل واقدی۔ مصحح وان کریم، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۶ء، از صفحہ ۳۶۰ تا آخر۔ ۴۔ ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۱۵۱ اور جلد اول صفحہ ۸۴ تا ۱۳۲ مطبوعہ یورپ ۱۹۰۹ء۔ ۵۔ ابن خلکان، جلد ۳، صفحہ ۶۲۔ ترجمہ انگریزی یا اصل عربی جلد اول صفحہ ۶۲۰ مطبوعہ مصر۔

میں واقدی کی نسبت کتنا ہے کہ ”احمد بن حنبل کا قول ہے کہ وہ بہت بڑا کذاب تھا“ بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ اُسے کوئی مستند نہیں مانتا۔“

ذہبی عبد الحمید کی نسبت لکھتا ہے ”کہ ابو حاتم کا قول ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اور سفیان کا قول ہے کہ اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔“

جعفر اور عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی صعصعہ تابعین کے متوسط زمانہ میں ہوئے ہیں، اور اس بارہ میں وہ کسی کا حوالہ نہیں دیتے۔

۱۰۔ دوسرے، فرض کرو کہ حاکم مصر نے رسول اللہ کو دوسرے تحائف کے

ماریہ لونڈی نہیں تھی [ساتھ دو قطبی لڑکیاں بھیجی تھیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں

آتا کہ وہ لونڈیاں تھیں، اور نہ تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ لڑائی میں

گرفتار ہوئی تھیں، اور اگر اسیران جنگ میں بھی شمار کر لی جائیں، تو ان کے لونڈی

بنانے کی سند نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ اس قیاس کی بھی کوئی گنجائش نہیں ملی کہ

وہ لڑکیاں لونڈیاں تھیں۔

۱۱۔ تیسرے، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ماریہ قطبیہ ایک لونڈی تھی، تو اس کی

ماریہ حرم نہیں تھی [ثبوت کیا ہے؟ یہ وضعیں حدیث کی کارستانیوں کا کرشمہ ہے،

اور اس بارہ میں یورپین مصنفین بھی غلط راستہ اختیار کرتے ہیں، کہ وہ ہمیشہ لونڈیوں

اور جنگ کے قیدیوں کو حرم لکھ دیتے ہیں۔ صحاح ستہ میں، جو اعلیٰ درجہ کے نقادان

فن کی تصانیف ہیں، امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) مسلم (متوفی ۲۶۱ھ)، ابو داؤد

(متوفی ۲۵۴ھ)، ترمذی (متوفی ۲۵۹ھ)، نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) اور ابن ماجہ (متوفی

۲۴۱ھ) نے کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا کہ ماریہ قطبیہ رسول اللہ کی حرم

تھی۔ اس سے پہلے کے سوانح نگار ابن اسحاق (متوفی ۲۴۵ھ) اور ابن ہشام (متوفی

۲۴۱ھ) نے بھی مطلق اس کا ذکر نہیں کیا، فقط محمد بن سعد کا تب واقدی اس کا

ذکر کرتا ہے۔ اول تو بواسطہ واقدی، عبد الحمید اور جعفر، اور پھر بواسطہ واقدی، یعقوب بن محمد اور عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی صعصعہ، یہ دونوں سندیں بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ میں نے واقدی اور عبد الحمید کی ثقاہت کی نسبت پہلے ہی ذکر کیا ہے یعقوب بن محمد کی نسبت، علم رجال کا بڑا نقاد، ابو زرہ کہتا ہے کہ ”جعفر اور عبد اللہ دونوں پہلی صدی کے بعد ہوئے ہیں، اس بارہ میں اُن کی شہادت ایک صدی کے بعد کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔“

زمانہ رسول کے تذکرہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں تین عورتوں کو ماریہ کے نام سے موسوم کیا ہے، ان میں سے ایک کو آپ کے گھر کی لونڈی بتایا ہے، دوسری وہ لڑکی ہے جس کی کنیت ام رباب تھی، اور تیسری ماریہ قبطیہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی ماریہ تھی، اور یہ ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ کے خانگی کام کرنے والی ہو۔ تذکرہ نویسوں نے علیحدہ علیحدہ ان کے حالات لکھے ہیں، اور انہیں مستقل تین آدمی بنا دیا ہے، اور ان میں سے ایک کو حرم ٹھیرا دیا ہے، کیونکہ اُن کے خیال میں کوئی گھر بغیر ایک حرم کے پورا گھر ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ سوانح نویس اکثر اس غلطی میں پڑ گئے ہیں کہ جب وہ کسی خاص شخص کے مختلف واقعات لکھتے ہیں تو تعدد واقعات کی نسبت سے وہ انہیں اشخاص بھی متعدد تصور کر لیتے ہیں۔ ان تینوں ماریاؤں میں سے ایک بھی لونڈی نہ تھی، یہ فقط ایک قیاس ہے، یا یوں کہو کہ حدیثوں میں گہرا مغالطہ ڈال دینے کے لئے ماؤں کو غلاموں یا لونڈیوں میں شامل کر دیا ہے۔

۱۲۔ چوتھے، ایک اور لطف کی بات ہے، کہ جنہوں نے ماریہ کو ایک لونڈی یا حرم ماریہ کے کوئی اولاد نہیں تھی بنا دیا ہے انہوں نے یہ ایک بڑا غضب کیا ہے کہ اُس کی ایک خیالی بیٹا بھی فرض کر لیا ہے۔ رسول اللہ کے بیٹوں کی تعداد اور اُن کے ناموں کی نسبت، جو سب کے سب خرد سالی میں راہی عالم بقا ہو گئے تھے، احادیث مختلف البیان

ہیں۔ بعض احادیث میں تو ایک ہی لڑکے کے مختلف نام بیان کئے گئے ہیں، اور بعض مصنفین نے یہ کیا ہے کہ جس قدر نام تھے، اُسی قدر لڑکے مان لئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹا ہو، جس کا نام ابراہیم تھا، لیکن یہ کہنا کہ وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا، یہ صرف ایک فطنی بات ہے۔ اس قصہ کا یہ حصہ ابن سعد کی روایتوں کا ایک تتمہ ہے، جن پر میں نے فقرہ ۹، اور ۱۱ میں جرح و قدح کی ہے۔ ابن سعد سے بواسطہ عمر بن عاصم اور قتادہ ایک اور روایت بھی مروی ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے ایک بیٹا ابراہیم نام ایک قیدی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ابو حاتم نے، جو علم الرجال کا بہت بڑا عالم اور نقاد گزرا ہے، عمر بن عاصم پر اعتراض کیا ہے، اور قتادہ (متوفی ۱۷۵ھ) کی روایت اس واقعہ کی ہم عصر شہادت نہیں ہو سکتی، گویا وہ جو کچھ بیان کرتا ہے اس کی شہادت نہیں دیتا۔ اسی روایت کے ہم پایہ ابن سعد کی دو اور حدیثیں بھی ہیں، یعنی زہری (متوفی ۲۴۰ھ) اور مکحول (متوفی ۱۸۰ھ) کی روایتیں، جو رسول اللہ کے ہم عصر نہ تھے، بلکہ تابعین کے درجہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ”رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو تمام قبطیوں پر سے فدیہ معاف کر دیا جاتا۔ اور اگر ابراہیم کی حیات و فاکرتی تو اُس کے ماموؤں میں سے کبھی کوئی غلام نہ بنایا جاتا“ لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتے کہ ابراہیم کون تھا۔

ایک اور روایت جو ابن سعد کی اخیر روایت ہے، یحییٰ بن حمید، ابو عوانہ، سلیمان الاعمش، مسلم اور البراء کے واسطے سے مروی ہے، اُس میں بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم فرزند رسول اللہ ایک قبطیہ ماما کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس کا

لے دیکھو میزان الاعتدال ذہبی۔

لے ابن سعد جلد اول صفحہ ۹۔ اور جلد ۸ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ یورپ۔

ایک راوی سلیمان الاعمشؓ کہ جس سے (دیکھو تقریباً) یا دوسرے الفاظ میں کذاب ہے، اور علاوہ بریں تمام سلسلہ معضن ہے۔

بخاری اور مسلم کی تصانیف میں جو مذہبی اصول تحقیقات کے بعد جمع کی گئی ہیں ماریہ کے بطن سے ابراہیم کے پیدا ہونے کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا، لہذا ان کی اتحاد و بارہ ابراہیم ہمارے خلاف میں نہیں ہیں۔

صحیح احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم کی وفات کے دن سورج گھٹن ہوا تھا۔ مورخین نے صرف ایک گھن کا ذکر کیا ہے، جو سترھ میں اُس وقت واقع ہوا تھا جب کہ رسول اللہ صلیبیہ میں تشریف فرما تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم ہرگز ماریہ کا بیٹا نہ تھا۔ ماریہ کا عرب میں آنا اس سے ایک سال بعد ہو سکتا ہے، اس لئے کہ سترھ میں تو بادشاہوں اور سرداروں کو مراسلات بھیجے گئے تھے۔ یا فحی نے اپنی نارنج مرآۃ الجنان میں اس واقعہ کسوف کو سترھ میں بیان کیا ہے، اور دسویں سال کی نسبت لکھا ہے کہ:-

”ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سورج گھٹن ابراہیم کی وفات کے روز ہوا۔ اور یہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کسوف سترھ میں ہوا تھا۔ یہاں یہ مشکل آپڑی ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ مبارک میں کسوف کا واقعہ ہونا صرف ایک مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر یہ واقعہ دوسرے ہوا ہوتا، تب تو کچھ دقت نہیں تھی، لیکن جب دو دفعہ وقوع پذیر نہیں ہوا تو ایک واقعہ ضرور غلط ہوگا۔ یا تو یہ جھوٹ ہوگا کہ سورج گھٹن دسویں سال میں ہوا، اور یا یہ دروغ ہوگا کہ پانچویں کے بیٹے کا انتقال سترھ میں ہوا۔“

لے اسی روز سورج گھٹن ہوا تھا، اور لوگ کہنے لگے تھے کہ یہ پیغمبر کے فرزند کی موت کے سبب سے ہوا ہے۔ اگر کوئی جھوٹا پیغمبر ہوتا تو اس کو فوراً تسلیم کر لیتا، اور اس دھوکے کی تصدیق کر بیٹھتا، لیکن رسول اللہ نے اس خیال کو تسلیم نہیں کیا (سیرت محمدی مصنفہ سرولیم پور جلد چارم، صفحہ ۱۶۶)۔

للہ مرآۃ الجنان المعروف بتاریخ یا فحی نقلی نسخہ نایاب صفحہ ۱۶۷ و ۱۶۸ موجودہ کتب خانہ مصنفہ حیدر آباد دکن۔

لیکن تاریخ سے یہ ثبوت ملتا ہے۔ کہ کسوف صرف سلسلہ میں واقع ہوا۔ ابراہیم کی وفات کی مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔ بعض مورخین نے چوتھی، بعض نے دسویں اور چودھویں تاریخ ہلالی بیان کی ہے۔ لیکن ان تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ میں بھی سورج گمن واقع نہیں ہو سکتا۔

۱۴۔ پانچویں، سب سے آخر میں اُس بدعہ بہتان کی حقیقت کھولنا چاہتا ہوں
حفصہ اور ماریہ دونوں جو رسول اللہ کے دشمنوں نے آپ پر لگایا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ماریہ کے ساتھ خلوت میں تھے کہ یکایک حفصہ آگئیں

اور آپ کو بڑی طرح اڑے ہاتھوں لیا، اور ڈرایا کہ میں یہ واقعہ آپ کی تمام بیبیوں میں مشترک کر دوں گی، آپ نے خوف بدنامی اور ناراض بی بی کو منانے کے لئے ان کی ہمت و سماجت کی کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں، اور نیز یہ وعدہ کیا کہ میں آئندہ ماریہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا۔ لیکن آخر کار آپ نے ایک خاص وحی منگا کر اس سے اپنی نکلو خلاصی حاصل کی (التحریم، آیت ۱)۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ:-

”زینب کے واقعہ کی طرح اس وقت بھی پیغمبر نے ایک خاص وحی آسمان سے منگائی، اور اس سے یہ اجازت حاصل نہ ہوئی کہ وہ حسب وعدہ ماریہ سے علیحدگی اختیار کریں۔

آیت مذکور حسب ذیل ہے:-

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ
لَكَ تَبِعِيَ مَرْصَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ
عَفُوفٌ ذُو بَهْرٍ عَظِيمٍ“
اے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال
کی ہیں تم ان کو اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے
کے لئے کیوں حرام کرتے ہو۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۵۔ ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۵۳۳ مطبوعہ یورپ۔

۱۶۔ سیرت محمدی، مصنفہ میور، جلد چہارم، صفحات ۱۶۱ و ۱۶۲۔ عربوں میں نوڈیوں کے حرم بنانے کا رواج اس وقت تک برابری جاری رہا جب تک کہ رسول اللہ نے موقوف نہ کیا، یہ سب کے (دیکھو صفحہ ۲۴۴)

۴۱۔ یہ صرف ایک مصنوعی قصہ ہے، کبھی وجود پذیر نہیں ہوا، اور نہ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ سرولیم میور نے اس مسئلہ میں اپنے تمام اصول استناد کو چھوڑ دیا ہے، اور عربی سیر نویسوں میں سے ابن اسحاق، واقدی، کاتب واقدی اور زہری، کسی ایک کا بھی حوالہ نہیں دیا، یہ واقعہ ان مصنفین میں سے کسی ایک نے بھی بیان نہیں کیا، اور نہ احادیث بخاری و مسلم اور ترمذی ہی میں اس واقعہ کا کہیں پتہ ملتا ہے۔ سرولیم میور نے خود یہ اصول مقرر کیا ہے کہ وہ صرف ابتدائی مصنفین کے بیانات پر انحصار کرتے ہیں، اور مصنفین مابعد کو نہیں مانتے، وہ اپنے اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ :-

”صرف ابن ہشام، ابن سعد، کاتب واقدی، اور طبری سے مضامین لئے جائیں گے، یہ مصنفین رسول اللہ کے اولین سیر نویس ہیں۔ تمام باقیمند سیر نویسوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے“ اور بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی احادیث کو بھی اسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔ لیکن مصنفین مابعد کی تحریرات شہادت میں نہیں لی جائیں گی، اور ان کی روایات کو ”تاریخی درجہ نہ دیا جائے گا“۔

۱۵۔ لیکن اس موقع پر سرولیم میور نے اس غرض سے کہ اپنے طبعزاد قصہ سے سرولیم میور کی سنہیں ایک رسول پر الزام لگائیں، ایک با تمیز سیرت نویس کے درجہ کو چھوڑ دیا ہے، اور اپنے مسئلہ اصول سے ہٹ گئے ہیں، وہ اس غیر معتبر ہیں۔

(فتیہ حاشیہ صفر گزشتہ) نزدیک جائز تھا، بلکہ عملاً تو اب تک بھی موقوف نہیں ہوا ہے۔ عربوں کی تمدنی زندگی میں اس قسم کے تعلقات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تمام خلفائے عباسیہ بجز سفاح المہدی اور الامین کے سب سب لونڈوں تھے (دیکھو تاریخ الخلفاء مصنفہ سیوطی، مترجمہ میر جبریل، صفحہ ۶، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۸۶ء) اگر یہ قصہ آپ کی نسبت صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کے افشاء سے کچھ اندیشہ نہ تھا، اور نہ آپ کی بیبیاں آپ سے ناراض ہو سکتی تھیں +

لسہ سیرت محمدی، جلد اول مقدمہ، صفحہ ۳۔

قصہ کو ایک باتمیز اور منصف مصنف کی حیثیت سے رو نہیں کرتے جیسا کہ انہیں کرنا چاہیے۔
کیونکہ انہوں نے جن ابتدائی تحقیقات کا ذکر کیا ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی اس
واقعہ کا پتہ نہیں ملتا، بلکہ برخلاف اس کے وہ درجہ دوم اور مصنفین مابعد کا حوالہ
دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے ایک فٹ نوٹ میں، بغیر اس کے کہ مصنفین طبقہ
اول کا حوالہ دیں، لکھتے ہیں کہ :-

”متن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اُس کو جلال الدین، یحییٰ، بیضاوی اور زرخشری وغیرہ مستند
”سمجھتے ہیں“ (جلد سوم، صفحہ ۱۴۳)

یہ مصنف نہ تو سیرت نویس ہیں اور نہ مؤرخ، اس لئے ان کا بیان استناد کے لائق
نہیں ہو سکتا۔ زرخشری اور بیضاوی نے جو چھٹی اور ساتویں صدی کے مفسرین شمار کئے
جاتے ہیں، دو کہانیاں بیان کی ہیں، ایک ماریہ کی نسبت، اور دوسری کہانی میں یہ بیان
کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک خاص قسم کے شہد کے استعمال سے قسم کھائی تھی جس کی بو بڑی
تیز ہوتی ہے، اور جسے آپ کی ازواج مطہرات ناپسند کرتی تھیں۔ جلال الدین محلی نویں
صدی ہجری میں ایک مفسر گزر رہے، اور یحییٰ کا شمار مفسرین میں نہیں ہے، وہ شاید
متاخرین مصنفین میں ہے۔

مفسرین علی العموم احادیث کے بارہ میں مستند نہیں سمجھے جاتے۔

”تلیجات قرآنیہ کو مثل اور واضح کرنے کی غرض سے کوئی نہ کوئی چسپان قصہ بیان کرنے کے
”لئے مفسرین ہمیشہ تیار رہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ تقریباً ہمیشہ کی تلیج کے متعلق جو قصے
”بیان کئے جاتے ہیں وہ نہ صرف مختلف بلکہ تلیج زیر بحث سے بھی منہایر ہوتے ہیں اور درحقیقت
”تلیج ہی قصہ کے بیان کئے جانے کا باعث ہو ا کرتی ہے۔ اور اصل میں پہلے جو کسی آیت کے
”شان نزول کے متعلق مفروضہ واقعات کا محض ایک تصور یا بعض آیات کی تفسیر کے متعلق
”صرف ایک خیال تھا اصلی واقعہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ احاد

”یاد افات بھی جن کی توثیق مقصود ہوتی ہے بتقابلہ اصل آیت مفسرہ کے کسی اعلیٰ درجہ کی سند پر مبنی نہیں ہوتے۔“

۱۶۔ جو مفسرین فن حدیث کے بھی ماہر ہیں، اور جو علماء حدیث نقاد ہیں، وہ سورہ التحکیم میں ماریہ کے قصہ کو مصنوعی سمجھ کر مردود ٹھہراتے ہیں۔

اعلیٰ درجہ کے مفسرین و محدثین

نے اس قصہ کی تقلید کی ہے۔

بغوی مصنف مصابیح (متن مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۲۴۲ مطبوعہ

لاہور) کہتا ہے کہ ”یہ سورت شہد کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، ماریہ سے اسے کوئی تعلق

نہ تھا۔“ ماریہ کا قصہ نہ تو صحیحین میں ہے، اور نہ کسی مستند روایت میں اس کا ذکر ہے

حافظ اسماعیل بن کثیر القرشی قسطلانی کے بیان کے بموجب (شرح بخاری جلد ہفتم،

صفحہ ۳۱۳ مطبوعہ کانپور) کہتا ہے کہ ”یہ سورت یقیناً شہد کے بارہ میں نازل ہوئی تھی۔“

امام نووی اپنی منہاج شرح مسلم (جلد اول، صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ دہلی) میں

لکھتے ہیں کہ ”یہ سورت درحقیقت شہد کی نسبت نازل ہوئی تھی نہ کہ ماریہ کے معاملہ میں۔“

۱۷۔ سرولیم میوز خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ متقدمین سیرت نویس نے اس

قرآن سے اس قصہ کی

تصدیق نہیں ہوتی۔

کی تقلید نہیں کرتے، وہ لکھتے ہیں کہ :-

”سیرۃ نویس اس میدان سے نہایت سلیقہ کے ساتھ چپ چاپ گزر جاتے ہیں، میں بھی خوشی سے

”اُن کی تقلید کرتا، اگر قرآن خود ان واقعات کی تصدیق نہ کرتا اور اُن کی لا علاج بد نمائی

”پر اور مہر نہ لگا دیتا۔“

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے، ہر ایک شخص قرآن کو دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتا ہے،

جس میں اس افسانہ اور جھوٹی کہانی کا ذکر تک نہیں۔

۱۸۔ یہ قصہ نہ تو رسول اللہ کے زمانہ میں گھڑا گیا، جو اس کا عین وقت ہو سکتا

یہ قصہ کب وضع کیا گیا تھا، اور نہ آپ کے صحابہ کی زندگی میں۔ یہ کہانی دوسری صدی میں بنائی گئی، اور کسی ضعیف تابعی کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے کہ یہ تمام قصہ اول سے آخر تک محض بناوٹی ہے۔

۱۹۔ اخیر میں میں چاہتا ہوں کہ سرسری طور پر اس واقعہ پر روشنی ڈالوں جو

واقعہ زینب [سروہیم میور نے زینب کی نسبت لکھا ہے، اُن کے الفاظ یہ ہیں :-

”اتفاقاً ایک روز پیغمبر کی عاشقانہ نظر زینب کے حُسن پر پڑ گئی، وہ زید کی بی بی تھیں، زید

لے زید بن اسلم نے (طبرانی میں) جس نے اس کہانی کو لکھا ہے۔ اس نے بھی ماریہ کا نام نہیں لیا ایک تابعی ہے (متوفی ۳۱۷ھ) اس نے اپنی سند نہیں بیان کی علاوہ بریں وہ خود بھی مطعون ہے۔ (کامل: بیان ابن عبد المسروق (سعید بن منصور میں) رسول اللہ کی وفات کے بہت زمانہ بعد مدینہ میں آیا تھا، اس لئے اس کا بیان اگرچہ صحیح بھی ہو، قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔

ضمحاک بن مزاحم (طبرانی میں) بھی ایک تابعی ہے، مگر مطعون ہے، اس نے یہ قصہ ابن عباس سے روایت کیا ہے، لیکن نہ اس نے ابن عباس کوئی حدیث سننی اور نہ کبھی انہیں دیکھا (میزان الاعتدال ذہبی اور انس اب مصنفہ سمعانی) لہذا اس کا بیان غیر مستند سمجھا جائے گا۔

ابن عمر کا قصہ بھی بے موقع اور ناقابل اعتبار ہے۔ ابو ہریرہ کا بیان بھی غیر مستند تسلیم کیا گیا ہے (الدر المنثور سیوطی جلد ۶ صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ مصر)۔

ان تمام احادیث کا ذکر سیوطی نے اپنی کتاب الدر المنثور میں کیا ہے۔ جو حدیث نسائی (متوفی ۳۳۰ھ) نے انس (متوفی ۹۷ھ) سے ایک غلام کے بارہ میں روایت کی ہے، وہ حضرت عائشہ کی اس حدیث کے متضاد ہے، جس کو نسائی نے اس مقام پر اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ یہ کہانی شہد کے متعلق ہے (فقہ ۶ کتاب ہذا) حضرت عائشہ کی روایت انس کی روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہے۔ اس کے سلسلہ رواۃ میں حماد بن سلمہ اپنے آخر زمانہ عمر میں، ضعف حافظہ کی وجہ سے مطعون ہے (تقریب صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ دہلی ۱۳۱۷ھ) اس سلسلہ کا ایک دوسرا راوی ثنابت، ایک پیشہ ور قصہ گو تھا (طبقات ذہبی) اس کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ نسائی نے خود انس کی حدیث کو رد کر دیا ہے اور اس کا یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کی سند ٹھیک ہے، اور اُس میں ماریہ کی نسبت کوئی پختہ بات نہیں ہے۔ (کمالین حاشیہ جلالین صفحہ ۲۶۳ مطبوعہ دہلی ۱۳۱۷ھ)۔

”آپ کے متبعین تھے، لیکن جو آگ زینب کے حسن و جمال سے آپ کے دل میں بھر دک چکی تھی، وہ فرو نہ ہوئی، اور بالآخر آپ نے وحی نازل کر کے زینب سے شادی کر لی۔“

یہ قہقہہ ابتدا سے انتہا تک بالکل غلط ہے۔ رسول اللہ زینب کو بچپن سے جانتے تھے، وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور آپ نے ہی زید سے ان کی شادی کی تھی جس وقت زید نے زینب کو طلاق دی تو ان کی عمر پینتیس سال کی تھی، اور وہ غالباً اُس وقت اس قابل نہیں ہو سکتی تھیں کہ کسی غیر آدمی کو اپنا فریقہ بنا سکیں۔ اگر وہ خوب صورت اور دلکش ہوتیں تو زید کبھی ان کو نہ چھوڑتے۔ اس قہقہہ کے کسی جزو کی نسبت کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔ قرآن میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے وہاں مطلق ان کہانیوں کا پتہ نہیں چلتا جو بعد میں گھڑ لی گئی ہیں کہ رسول اللہ زید کے گھر گئے اور اتفاقاً ایک کوڑے کے ٹھٹھنے پر آپ نے زینب کی صورت دیکھ لی، یا یہ کہ ہوا سے زینب کے کمرہ کا پردہ اٹھ گیا اور ان کے برہنہ بدن پر آپ کی نظر جا پڑی۔ ۲۰۔ اگر ان کہانیوں اور نیز چند اور مختلف بیانات کو، جو بالکل ماریہ کے قہقہہ کے واقعہ زینب کی بے سرو پائی مشابہ ہیں، قہقہہ گوئیوں اور دشمنان اسلام کی ویدہ دانستہ افترا پردازیاں نہ بھی کہا جائے، جنہیں یورپین مصنفین نے واقعات کا لباس پہنا دیا ہے، تو بھی میرے نزدیک اتنا یقینی ہے کہ وہ ابتدا میں صرف ایسے قیاسات تھے جن کی وجہ سے قرآن میں کچھ ذکر کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔

قرآن کے وہ الفاظ جن پر ان کہانیوں کی بنیاد ہے یہ ہیں:-

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ	ایسے پیغمبر اس بات کو یاد کرو، کہ تم اُس شخص کو سچے
وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ	تھے (یعنی زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے اپنا

وَ اتَّقِ اللَّهَ - وَ تَخْشَىٰ فِي نَفْسِكَ اللَّهَ
مُتَذَكِّرٌ مِّنْ تَخْشَىٰ النَّاسَ وَاللَّهُ
أَخَىٰ ۚ إِنَّ تَخْشَئَهُ ۥ
(التحریم ۶۶ - آیت ۳)

کیا، اور تم بھی اس پر (یہ سمجھا کر) احسان کرتے رہے کہ اپنی
بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرا اور اس کو
چھوڑ نہیں) اور تم اس کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جبکہ آخر کار اللہ ظاہر
کرنیوالا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا تختہ پلٹ دیتا تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے زید کو یہ سمجھایا تھا کہ وہ اب بنی بی بی کو طلاق
نہ دیں، باوجود اس کے کہ اُس زمانہ کی رسوم کے مطابق عرب میں طلاق دینا بہت
آسان کام تھا۔

سرو لیم میور نے طرہ سے یہ کہانیاں نقل کی ہیں، جو معقولیت سے بالکل دور ہیں
مقتدیین سیر نویسوں نے کسی معتبر ذریعہ سے انہیں نہیں لکھا۔ x x x انہیں
چاہیے تھا کہ وہ اسے ایک موضوع قصہ سمجھ کر رد کر دیتے، جس طرح انہوں نے ان
دوسری احادیث پر تاریخی اعتراض کئے ہیں، جو ان جھوٹی کہانیوں سے کہیں اعلیٰ
جہت رکھتی تھیں۔

۲۱۔ سرو لیم میور اُس حد سے بہت متجاوز ہو گئے ہیں، جو خود انہوں نے رسول اللہ
کے ذمی شعور مٹور خوں کے لئے مقرر کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے پُر
صحیح دلائل پر مبنی نہیں جوش خیالات کی رو میں لکھتے ہیں کہ:-

”زید سیدھے رسول اللہ کے پاس گئے اور آپ زینب کے طلاق دینے پر اپنی مستعدی ظاہر
”کی، آپ نے اس سے اختلاف کیا، اور کہا کہ اپنی بی بی کو رکھو، اور خدا سے ڈرو۔ لیکن زید
”یہ بات خوب سمجھ سکتے تھے کہ یہ الفاظ ناراضی کے ساتھ آپ کی زبان سے نکل رہے ہیں،
”اور آپ کے دل میں زینب کا اشتیاق جاگزیں ہے۔“

۱۔ طبری جلد اول صفحہ ۱۴۶۰ اوقات شہہ ہجری کے ذیل میں مطبوعہ بریل ۱۸۸۸ء۔

۲۔ سیرت محمدی مصنف سرو لیم میور، جلد سوم، صفحہ ۲۲۸۔

یہ صرف ایک حقارت آمیز توہم ہے، وہ اور آگے بڑھ کر اس سے بھی زیادہ تحقیق آمیز قیاسات کرتے ہیں اور لکھتے ہیں :-

”اس پر بھی زینب کی محبت فرو نہ ہوئی، آپ کے دل میں آگ بھڑک رہی تھی، آخر کار شیعہ ”بھڑکا، اور اس سے دوسری اُمنگیں روشن ہوئیں۔“

آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے خدا کی طرف سے زینب سے نکاح کرنے کا حکم ہوا ہے، اور یہ کہنے کی آپ کو ضرورت بھی نہ تھی۔ اور اس واقعہ پر غیر مسلم عربوں کے شوبہ و غوغا کی یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کے جوڑ توڑ سے یہ طلاق واقع ہوئی، بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ اُن کے نزدیک ایک متبنی بیٹا اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اور اسی وجہ سے زید کے طلاق دینے کے بعد زینب سے آپ کا نکاح حرام تھا۔ قرآن نے پہلے ہی اس قسم کے تبنیتی رشتہ کو کالعدم قرار دیا تھا۔

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ
(احزاب ۳۳- آیت ۴)

اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنی منہ کی۔

سرو لیم بیور نے اپنے بیان میں بہت بڑی غلطی کی ہے جہاں وہ کہتے ہیں :-
”یہ نکاح سخت الزام اور لعنت طامت کا باعث ہوا، اور پیغمبر اسلام کو اپنی آبرو بچانے کی غرض سے زندان بے باکی کے ساتھ خاص وحی کے ذریعہ اس کے جواز کے آسمانی حکم کا اظہار کرنا پڑا، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خداوند جل و علا نے باضابطہ اس ازدواج کے لئے ربانی منظوری عطا فرمائی۔“

انہوں نے الاحزاب ۳۳ کی آیت ۴۱، اپنے اس بیان کی سند میں پیش کی ہے لیکن وہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں (جلد سوم صفحہ ۲۲۹، فٹ نوٹ) کہ ”اس

آیت کا طرز بیان کسی گزشتہ واقعہ کے ذکر کا پیرایہ لئے ہوئے ہے، اور زینب کو نکاح کرنے کا ربانی حکم نہیں ہے۔ آیت کے یہ الفاظ کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا نکاح کے لئے کوئی حکم نہیں ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا صرف یہ مطلب ہے کہ نکاح ہو چکا تھا۔ یہ جملہ کہ ”ہم نے تمہارے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا“ تخصّص ایک طرزِ ادا ہے۔ قرآن میں تقریباً تمام انسانی کاموں کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ قدرت کے عام قوانین کی رو سے دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور انسان اپنی مرضی سے جو کچھ کرتا ہے، سب قرآن میں خدا کی خاص مرضی کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔

۲۲۔ دوسری آیت ”مَا كَانَ عَلَى الْبَنِيِّ مِنْ حَرَجٍ فَمَا خَضَعَ اللَّهُ لَهُ“

ترجمہ میں سر ولیم پیور (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۸) میں انہوں نے غلطی سے ”خَضَعَ“ کی غلطی۔

کا ترجمہ ”تاکید اور حکم کیا“ لکھا ہے، اور اس طرح ایک ربانی حکم کا خیال اس میں پیدا کیا ہے۔ ”خَضَعَ“ کے معنی ہیں ”اس نے (کسی چیز کو) جائز یا روا کیا“ (ملاحظہ ہو ولیم کی لغت عربی، یعنی مدار القاموس کتاب اول، حصہ ششم صفحہ ۲۳۷)۔ مذکورہ بالا معنی بیان کرتے ہوئے مسٹر لین نے یہی آیت سمجھ لی ہے۔ اس قسم کے ازدواج صرف پیغمبر اسلام ہی کے لئے جائز نہیں کئے گئے تھے، بلکہ تمام مسلمانوں کے واسطے، اور آپ کے لئے کوئی خاص حق نہیں رکھا گیا۔ ان آیتوں کے ذریعہ کوئی مخصوص حکم نہیں صادر کیا گیا ہے۔ آپ کے خاص منشاء اور مطلب کو پورا کرنے کے لئے کوئی فرمالیٹی وحی عالم بالا سے نہیں منگائی گئی اور نہ آپ کو مخصوص اور مستثنیٰ حقوق عطا کئے گئے۔ صرف یہی کہا گیا۔ کہ کسی جائز بات کے کرنے میں پیغمبر کے لئے کوئی الزام کی بات نہیں ہے۔

یعنی الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۸۔

الاحزاب ۳۳ کی آیات ۳۷ و ۳۸ میں لفظ ”اص“ کا ترجمہ سرولیم میور وغیرہ نے ”حکم“ اور ”فرمان“ کیا ہے، حالانکہ حقیقت میں اس موقع پر اور اسی قسم کے دوسرے مقامات پر (مریم ۱۹، آیت ۲۱۔ النساء ۴، آیت ۵۰۔ ہود ۱۱، آیت ۷۶۔ اور الانفال ۸، آیت ۴۳ و ۴۶)۔ اس کا مطلب آئندہ واقعات کے متعلق خدائے تعالیٰ کا پیشگی علم ہے۔ کسی قسم کا شرعی حکم اس سے مراد نہیں۔ اور الاحزاب ۳۳، آیت ۳۸، الحج ۱۵، آیت ۶۰۔ اور الزلزلہ ۳، آیت ۲۰ میں لفظ ”قلہ“ کا بھی یہی حال ہے۔ اس سے خدا کی غیب دانی مراد ہے۔ پہلے سے مقرر کیا ہوا کوئی حکم اس کے معنی نہیں ہیں۔

۲۳۔ آخر میں سرولیم میور بیان کرتے ہیں :-

زمین کے معاملہ میں کوئی مخصوص حق حاصل نہیں ہوا۔ ”ہمیں سب سے زیادہ تعجب محض اس بات پر ہے کہ اس کے بعد بھی پیغمبر اسلام کے پیرو آپ کی وحی کو ویسی ہی منزل

”من اللہ خیال کرتے تھے حالانکہ وہ اس طرح صریحاً آپ کے ذاتی مقاصد کے حاصل کرنے اور فاسد خواہشات کے پورا کرنے کے لئے گھڑی ہوئی ہوتی تھیں کسی اعتراض یا ٹکے ”شُبہ“ کا کہیں ہمیں پتہ نہیں ملتا۔ آپ کے پیروں کے اس اطمینان و بھروسہ اور اس ”جوش اعتقاد کو ہم صرف آپ کے زبردست دل و دماغ کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی بدولت اپنے تمام زیر اثر لوگوں پر آپ کو پوری فوقیت حاصل تھی۔“

الاحزاب ۳۳، آیات ۳۷ و ۳۸ میں کہیں بھی کسی طرح ”پیغمبر اسلام کے مقاصد کو پورا نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کی فاسد خواہشات کی تکمیل تو دور کی بات ہے۔“ کیونکہ ان آیتوں کے نزول سے بہت پہلے آپ کا نکاح زینب سے ہو چکا تھا لہذا انہیں کہا جاسکتا کہ ان سے کوئی خاص استثنایا حق آپ کو عطا ہوا۔

۲۴- آنحضرت م کے زینب کو اتفاقاً دیکھ لینے اور ان پر شیدا ہو جانے کے

اس غلط کہانی کے بیان کرنے کا سلسلہ مقابل تک پہنچتا ہے۔ جو دوسری صدی ہجری میں قرآن کا ایک مفسر گزرا ہے اور جس نے ۱۵۰ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔ ابن خلکان

نے اپنی کتاب ”وفیات الاعیان“ میں جس کا ترجمہ سلین نے عربی سے انگریزی میں کیا ہے، لکھا ہے کہ ”مقابل کے متعلق علماء سے حدیث کو اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بحیثیت ایک راوی ہونے کے وہ قابل بھروسہ تھا اور بعض اس پر کذب و دروغ بیانی کا الزام لگاتے ہیں۔ . . . احمد بن سیار کا بیان ہے :-

”مقابل بن سلیمان جو بلخ کا باشندہ ہے مرد گیا اور وہاں سے عراق پہنچا۔ اس کی تصدیق میں شبہ ہے۔ اس کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو چھوڑ دینا چاہیے اور اس کی روایتوں کو رد کر دینا چاہیے۔ خدا کی صفات کا بیان کرتے ہوئے اس نے بعض ایسی باتیں کہی ہیں کہ ”ان کو دہرا تا تک گناہ ہے۔“

ابراہیم بن یعقوب جو زجانی نے مقابل کو ایک بیباک دروغ گو کہا ہے۔ ابو عبد الرحمن اللسائی نے بیان کیا ہے :-

”ایسے کذاب جو غیر متعلق حدیثوں کو آنحضرت م کی طرف منسوب کرنے میں بہت مشہور ہیں، مکمل چار تھے۔ ابن ابی یحییٰ مدینہ میں، الواقدی بغداد میں، مقابل ابن سلیمان خراسان میں اور محمد بن سعید المعروف بہ المصلوب شام میں۔“

وکیع بن الجراح نے مقابل کے متعلق کہا ہے کہ وہ ایک پکا جھوٹا تھا۔ ابو بکر الاعمري نے بیان کیا ہے :-

”میں نے مقابل کے بارہ میں ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سے دریافت کیا تھا۔ انہوں نے

”کہا۔ کہ ”تمام حدیثیں جو اس نے بیان کی ہیں رد کردی جانی چاہئیں۔“ عمر بن فلاس کے ”قول کے مطابق بھی مقاتل بن سلیمان کا ذب تھا اور اس کی حدیثیں اور روایتیں ترک کر دی جانے کے قابل تھیں۔“

ابن خاری نے کہا ہے :-

”مقاتل بن سلیمان کے متعلق یہ ہے کہ اس کو چپ چاپ نظر انداز کر دو“

ایک دوسرے موقع پر وہ یہ کہتے ہیں کہ :-

”وہ کوئی چیز ہی نہیں ہے“

یحییٰ بن معین نے بیان کیا ہے کہ مقاتل کی بیان کی ہوئی حدیثیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ احمد بن حنبل نے فرمایا ہے :-

”مقاتل بن سلیمان مؤلف تفسیر کے متعلق یہ ہے کہ میں اس کی سند پر کسی بات کو کبھی بیان نہیں کروں گا۔“

ابو حاتم الرازی نے کہا ہے کہ :-

”اس کی حدیثیں اور روایتیں رد کردی جانے کے قابل ہیں۔“

زکریا بن یحییٰ الساجی کے بیان کے مطابق مقاتل بن سلیمان باشندہ خراسان کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

”وہ دروغ بیان ہے اور اس کی روایتیں اور حدیثیں ترک کر دی جانی چاہئیں۔“

مقاتل سے پیشتر ایک دوسرے دروغ گو عکرمہ (المتونی رحمہ اللہ) نے صرف اس

عکرمہ گمان کا اظہار کیا تھا کہ آنحضرتؐ کو زینب کا اشتیاق ہوا ہوگا۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر راویوں نے عکرمہ کے خاص الفاظ یہ بیان کئے ہیں :-

لے ابن خلکان، جلد سوم، صفحہ ۴۰۹ و ۴۱۰۔ ترجمہ انگریزی مطبوعہ بیس ۱۲۳۳ھ۔ یا اصل عربی جلد دوم

صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ مصر۔

”آنحضرتؐ کے دل میں زینب کے اشتیاق کا گہرا نقش مرتسم ہو گیا تھا۔“

لیکن مقاتل نے اس اٹکل بچہ تو ہم کو ایک حقیقی واقعہ بنا دیا۔

عبداللہ بن الحارث کا بیان حسب ذیل ہے :-

”میں عبداللہ بن عباس کے فرزند علی کی ملاقات کو گیا اور عکرمہ کو دیکھا کہ وہ بیت الخلاء

”کے دروازہ سے بندھا ہوا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ ”کیا تم اسی طرح اپنے غلام کے ساتھ

”سلوک کرتے ہو۔“ علی نے یوں جواب دیا کہ ”تمہیں معلوم نہیں کہ اس شخص نے میرے دل

”کے متعلق جھوٹی باتیں کہی ہیں۔“

محمد بن یحییٰ بن حبان (متوفی ۱۲۱ھ) نے بھی آنحضرتؐ کے زینب پر زید کے

محمد بن یحییٰ مکان میں گرویدہ ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس کی کوئی سند

نہیں دی ہے۔ وہ کوئی ہمعصر راوی نہیں تھا اس لئے اس کی روایت غیر معتبر اور

اصطلاح میں مرسل ہے۔

۲۵۔ یہ تمام نادانی کی بناوٹی کہانیاں، ناشایستہ افسانے اور تہمت آمیز

قتادہ کی قیاسی توہینی قیاسات قتادہ کی اس غلط توضیح پر مبنی ہیں جو اس نے

تشریح غیر معتبر ہے ان الفاظ۔

وَحَقِّقْ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِرٌ بِهِ

(الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۷)

کی کی ہے۔ قتادہ (المتوفی ۱۷۱ھ) نے قیاس کیا کہ پیغمبر اسلامؐ نے یہ خواہش چھپا

رکھی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے۔ لیکن تمام دوسرے مصنفین نے قتادہ کے اس

۱۔ ملاحظہ ہو الدالہ المنثور سیوطی جلد ۵، صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔ وکالمین برجلالین صفحہ ۳۵۳، مطبوعہ دہلی ۱۳۰۸۔

۲۔ ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۰۔ ترجمہ انگریزی مطبوعہ پریس ۱۸۷۲ء یا اصل عربی جلد اول صفحہ ۴۰۲ مطبوعہ

مصر حرف العین۔ میزان ذہبی جلد دوم، صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ لکھنؤ۔

۳۔ ابن سعد اور حاکم نے روایت کیا ہے الدالہ المنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر۔

طرح گمان کرنے پر الزام لگایا ہے۔ اس قیاس کی آیت کے کسی لفظ یا کسی ہم عہدین یا شہادت سے تائید نہیں ہوتی۔ قتادہ کی اس تعبیر کا بطلان خود آنحضرت کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جو زید کو کہے گئے ہیں اور جو اسی آیت میں ہیں کہ :-

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ | اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور
(الاحزاب ۳۳- آیت ۳۷) | اللہ سے ڈر۔

۲۶- اس بات کے متعلق کہ آنحضرت م نے اپنے دل میں کون سی بات

دوسرے قیاسات چھپا رکھی تھی بہت سے قیاسات قائم کئے گئے ہیں۔ قتادہ کا گمان

تو ابھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ایک دوسرا قیاس یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو معلوم تھا کہ زید اپنی بی بی کو طلاق دیں گے لیکن اس کو پوشیدہ رکھ کر آپ نے زید کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ایک تیسرا گمان یہ ہے کہ آنحضرت م نے یہ بات اپنے دل میں چھپائی کہ اگر زید باوجود آپ کی نصیحت کے زینب کو طلاق دیدیں گے تو آپ اُن سے نکاح کر لیں گے۔ یہ تمام قیاسات بالکل دور از کار اور بے ڈھنگے ہیں۔ لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ آنحضرت م نے اپنے مخالفین کی بدگوئی کے اندیشہ سے زید اور زینب کے خانگی مناقشات اور باہمی ناموافقت کو عام لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ یہی وہ راز عظیم ہے جس کی طرف اُس آیت میں اشارہ ہے جو بار بار مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے *۔

ضمیمہ دوم ختم ہوا

لے ملاحظہ ہو عبد الرزاق - عبد بن حمید - ابن جریر - ابن المنذر - ابن ابی حاتم - اور طبرانی کی

تالیفات - یا الدر المنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ مصر

ضمیمہ سوم

خاص خاص واقعات اور حالات کے حوالے حفاظتی لڑائیوں کی نسبت جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور میں نے انہیں نقل کیا یا ان کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے، حسب ذیل طور پر ان کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے:-

(الف) قریش مکہ کی اپزائیں

سنہ ہجری کے دس سال قبل سے لے کر

النحل ۱۶- آیت ۲۳ و ۲۴ و ۱۱۱-

البقرہ ۲- آیت ۲۱۰ و ۲۱۴ و ۲۱۵-

آل عمران ۳- آیت ۱۹۴-

النساء ۴- آیت ۹۹ و ۱۰۰-

الحج ۲۲- آیت ۵۷-

المتحنہ ۶۰- آیت ۸ و ۹-

مجادلہ ۴۷- آیت ۱۲-

الاحقاف ۴۶- آیت ۲۵-

التوبہ ۹- آیت ۲۰ و ۲۸ و ۹۵-

(ب) قریش کے اور اوروہاں کے باشندوں کے حملہ مدینہ پر

سلسلہ ہجری

البقرہ ۲- آیت ۲۱۴-

الاعراف ۷- آیت ۷۲-

التوبہ ۹- آیت ۱۳ و ۲۸ و ۷۲-

(ج) خاضتی لڑائیاں قریش اور دوسرے عربوں وغیرہ سے

اور نیز ان کے چند حملوں کے حوالے

سلسلہ ہجری سے شہ ۷ تک

الحج ۲۲- آیت ۳۹ تا ۴۲-

البقرہ ۲- آیت ۸۶ تا ۱۸۹- ۲۱۳ و ۲۱۵ و ۲۱۷ و ۲۱۹ و ۲۲۰ و ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۵۲-

النساء ۴- آیت ۷۴ تا ۷۸- ۸۴ و ۹۱ و ۹۳-

الاعراف ۷- آیت ۱۹ و ۳۹ تا ۴۱ و ۵۸ و ۶۴ و ۷۳ و ۷۴-

التوبہ ۹- آیت ۱۰ و ۱۳-

(د) متفرق لڑائیاں وغیرہ

(۱) جنگ بدر سلسلہ ہجری

آل عمران ۳- آیت ۱۱ و ۱۱۹- الانفال ۸- آیت ۵ تا ۱۹- ۵۲ تا ۵۴- ۶۴ تا ۶۶-

محمد ۷۲- آیت ۲ و ۱۵-

(۲) جنگ احد ۳ھ ہجری۔

آل عمران ۳- آیت ۱۱۷ تا ۱۲۲- ۱۵۴ تا ۱۵۹- ۱۶۲ تا ۱۶۴-

(۳) بدر کی دوسری لڑائی ۲ھ ہجری اور جلا وطنی بنی نضیر ۲ھ ہجری۔

آل عمران ۳- آیت ۱۶۷- الحشر ۵- آیت ۲ تا ۱۲-

(۴) جنگ احزاب ۳ھ ہجری۔

الاحزاب ۳۳- آیت ۹ تا ۲۵-

(۵) یہودیان بنی قریظہ وغیرہ ۳ھ ہجری

الانفال ۸- آیت ۵۸ تا ۶۶- الاحزاب ۳۳- آیت ۲۴ و ۲۷-

(۶) حدیبیہ تک حج میں جانا ۳ھ ہجری۔

ن ۶۸- آیت ۳ تا ۱۰ و ۱۱ و ۲۴ و ۲۵- الممتحنہ ۴۰-

(۷) تاخت خیبر ۳ھ ہجری۔

الاحقاف ۴۶- آیت ۷ و ۸ و ۲۰ تا ۲۲-

(۸) قریش کا صلح حدیبیہ کو توڑنا ۳ھ ہجری۔

(الف) قبل فتح مکہ۔

التوبہ ۹- آیت ۱ تا ۱۵-

(ب) بعد فتح مکہ۔

التوبہ ۹- آیت ۱۶ تا ۲۴-

(۹) جنگ حنین ۳ھ ہجری۔

التوبہ ۹- آیت ۲۵ تا ۲۷-

(۱۰) بعد جنگ حنین ۳ھ ہجری۔

التوبہ ۹- آیت ۲۸-

(۱۱) بتوک کو جانا عیسائیوں (رومیوں) اور ان کے حلیف یہود سے ہجری۔

الف۔ نصیحت اپنی حفاظت کی غرض سے لڑائی کے واسطے۔

التوبہ ۹۔ آیت ۲۹ تا ۴۱۔ ۱۲۴۔

ب۔ توقف پر ملامت۔

التوبہ ۹۔ آیت ۴۲ تا ۵۲۔ ۵۶ و ۵۷۔ ۸۲ تا ۹۰۔

ج۔ امداد کی نصیحت۔

التوبہ ۹۔ آیت ۵۳ تا ۵۵۔ ۵۸ تا ۶۰ و ۸۱۔

د۔ منافقوں کو تنبیہ۔

التوبہ ۹۔ آیت ۶۵ تا ۷۷ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۵ تا ۱۳۰۔

ھ۔ بدوں سے بیزاری۔

التوبہ ۹۔ آیت ۹۱ تا ۱۰۲۔

و۔ نادموں کو معاف کرنا۔

التوبہ ۹۔ آیت ۱۰۳ تا ۱۰۷ و ۱۱۸۔

ضمیمہ سوم ختم ہوا



ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور اسلام کے اشاعت پانے کا ذکر ہے۔ اسی طرح دوسری تہذیبیں اہل اسلام میں علوم و فنون کو پھیلنے اور خلق کے بخلاؤ و اندلس کے مشاغل علمی کا بیان ہے۔ اہل کتاب (۳۱۱) صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔ ابتدا میں مشہور انشائیہ پر از مولوی عبدالحق صاحب بی اے کا ایک عالمانہ دیباچہ ہے جس میں کتاب کی تاریخی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اس کتاب کو چھپوا کر ہندوستان کی علمی تاریخ میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے اور تمام اہل ملک کو ان کیلئے اس احسان عظیم کا شکور ہونا چاہیے۔ اور جو حضرات تاریخی مذاق رکھتے ہیں ان کے لئے یہ لاجواب کتاب پیرایہ ہدایت کا کام دے گی۔ قیمت نصف دو روپیہ علاوہ محمولہ ٹاک۔ کتاب ملنے کا پتہ یہ ہے :-

محمد عبداللہ خاں سپیشل سٹریٹنگ سیلر کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن

(۲) اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

الاعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم سابق جتوئیہ مدرسہ کا عالی کی کتاب پر پور پور لیکل ٹیڈ سوشل نیٹ ورک اسلام رول

مولوی محمد عبدالحق بی اے (علیگ) مہتمم تعلیمات سرکار نظام علاقہ اورنگ آباد دکن مولانا حکیم عثمان قادری عالم آثار قدیمہ ریو ریورٹ مکتبہ کمال پریس میں ایک مشہور عالم گورے ہیں۔ انہیں اسلامی دنیا اور خصوصاً مشرق کے قریب کے مسلمانوں سے خاص دلچسپی تھی۔ اور وہ ان کے متعلق انگلستان کے مشہور و معروف رسالوں میں اکثر مضامین لکھ کر لے جاتے تھے۔ اگست ۱۹۳۷ء کے کنگڈم پریس ریویو میں پادری صاحب موصوف نے ایک آرٹیکل شائع کر دیا جس کا عنوان یہ تھا۔ ”دیکھا اسلامی حکومت میں اصلاحات کا ہونا ممکن ہے؟“ اور اس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ مذہب اسلام موجودہ زمانہ کے لئے بالکل نامناسب ہے۔ اور اس میں اصلاحات کر کے کسی آئندہ ترقی کی امید رکھنا سراسر فضول ہے کیونکہ اس کے جس قدر احکام ہیں (عوام و حکومت کے متعلق ہوں یا عدالت و معاشرت کے) سب کے سب متجاہد اللہ ہیں اس لئے ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اس مضمون کی تردید میں مولوی چراغ علی مرحوم نے کتاب مندرجہ عنوان یعنی ”دینی نیٹ ورک“ انڈیا اسلام رول“ تصنیف کی جس میں پادری صاحب کے تمام اعتراضات جو بنیاد سے اٹھا ڈالے اور مسلمانوں کے علوم و دینی بیانیہ قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ کے ناقابل تردید حوالے دیکر نہایت عالمانہ اور محققانہ طریق سے یہ امر ثابت کیا کہ ”اسلام مانع ترقی نہیں“ بلکہ زمانہ حال کی ترقی کے ساتھ قدم بہ قدم چلتے والا، دنیا کا اکیلا مذہب ہے جسے مصنف نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں نہ صرف اندرونی شہادتوں سے کام لیا ہے بلکہ بیسی تائیدی میں ان مخالفین اسلام اقوال بھی درج کر دیے ہیں جنہوں نے باوجود مخالفت کے اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ نسبت دوسرے مذہب کے مذہب اسلام ہر زمانہ کے لئے موزوں ہے“ اس کتاب میں وہ تمام مباحث بھی آگئے ہیں جو اسلام کے متعلق یورپ کے نکتہ چین فکروں سے آئے دن نکلتے رہتے ہیں۔ سرولیم میور۔ باسور تھ۔ اسمتھ۔ ریورنڈ سیل۔ کرنل آسبرن۔ ا۔ سیٹھون نے اسلام کے بارہ میں جو کچھ غلطیاں کی ہیں اور اپنی ناہمی سے یہودہ اتہامات لگائے ہیں ان کی بھی علمی کھوجیں۔ صنف مرحوم نے کتاب کی ابتدا میں ایک طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں اصول فقہ پر بحث کر کے یہ امر ثابت کر دیا ہے کہ مذہب و مادیات میں کیا فرق ہے؟ پھر فقہ کے ماضی سے بحث کر کے مذاہب اربعہ میں استخراج احکام کے جو طریقہ ترجیح اور بیان کیا ہے اور ان پر ایک تفصیلی نظر ڈال کر یہ امر صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع یا الفتوا بنا کر گذشتہ مجتہدین جس طرح قانون بناتے تھے اسی طرح ہم اپنے زمانہ کے موافق حسب ضرورت نئے نئے کر سکتے ہیں“ کیونکہ مذہب اسلام آزادی رائی اور آزادی اخلاقی اور قانونی غیرت کا مانع نہیں ہے۔ ان

مباحثات کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو درحصول پانچ قسم ہے۔ پہلے حصہ میں مرحوم مصنف نے اسلام کے سیاسی اور
 دنیائین سے بحث کی ہے۔ اور اس کے ضمن میں بہت سے مفید مباحث درج کر دیے ہیں مثلاً یہ کہ (۱) اسلام میں مسلمانوں
 اور غیر مسلموں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ (۲) دارالاسلام اور دارالحرب کے متعلق (۳) زمینوں کے حقوق (۴)
 جزیہ کی حقیقت (۵) میرز کی سزا (۶) اسلامی شہروں میں گرجوں کی تعمیر (۷) رقیق اور مملوک کے احکام وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے
 تمدنی معاملات سے متعلق ہے اور اس میں (۱) حقوق نسواں (۲) تعدد زوجات (۳) زہم طلاق (۴) علانی (۵) نسری کے
 احکام و مسائل سے بحث کی ہے اور ان کے متعلق اہل یورپ نے جو کچھ نکتہ چینیاں کی ہیں ان کا معقول و مدلل جواب دیا
 ہے۔ دوسرے حصہ کے ساتھ مترجم مولوی عبدالحق صاحب بی اے کا مسموط مقدمہ شامل ہے۔ جس کے (۸۸) صفحے ہیں
 مرحوم مصنف کی سوانح عمری اور ان کے علمی کارناموں کا مفصل تذکرہ ہے اور اس میں مشاہیر یورپ کے ان خیالات
 کو ضم کر دیا گیا ہے جو انہوں نے اس کتاب کی نسبت بذریعہ تقریر ظاہر کئے ہیں۔ کتاب نہایت نفیس اور عمدہ کاغذ
 شائع ہوئی ہے۔ قیمت ہر دو حصہ ملے روپیہ علاوہ محصور ڈاک۔ یہ کتاب شائقین کو بہت ذیل پہنچ سکتی ہے۔

محمد علی محمد خان ایک سیر ایسٹ پیبلشنگ کمپنی خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن

گلشن ہند

مشہور شعراے اردو کا ایک تذکرہ

میرزا علی متخلص یہ لطف

نے بعد فارکوش آف ویلز لی گورنر جنرل ہند، اردو کے مشہور سرپرست مسٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش سے
 علی ابراہیم خان کے قاریسی تذکرہ گلزار ابراہیم سے مع اضافوں کے اردو زبان میں، جو آج سے ایک سو پانچ برس پیشتر کا
 سادہ اردو شعر کا ایک عمدہ نمونہ ہے

۱۹۰۱ء

میں تصنیف کیا، اور

۱۹۰۶ء

میں

شمس العلماء مولوی بی کی تصحیح و تشریح اور مولوی عبدالحق صاحب بی اے کے ایک عالم

مقدمہ کے ساتھ اردو زبان کی خدمت کے لئے

عبداللہ خاں نے حیدر آباد دکن سے شائع کیا * تعداد صفحات (۳۳۲) قیمت عرصہ

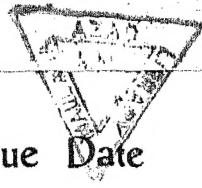
(۴) الفرائی... صفحہ (۵) تمدن عرب قیمت سابق صفحہ حال ۱۹۰۶ء (۶) داستان ترکستان ہند فارسی کل
 سلاطین ہند کی ایک جامع و مفصل تاریخ خوشخط کاغذ علی تعداد صفحات (۲۶۵۶) قیمت سابق صفحہ حال ۱۹۰۶ء
 (۷) اقوال و احوال مولانا قندریلگرامی کی مشہور کتاب تعداد صفحات (۴۷۲) قیمت سابق صفحہ حال ۱۹۰۶ء
 (۸) حکمت عملی - فلسفہ اخلاق کی ایک لاجواب کتاب تصنیف سجاد میرزا بیگ صاحب دہلوی - قیمت ۱۹۰۶ء
 نوٹ: کل کتابوں کا محصول ڈاک و مہر خریدار پر ہوگا۔

المشتھر محمد علی محمد خان از کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن

25012

Due Date

192



15 MAR 78

25 DEC 2002

07 JUL 82

PRO

h

26 JUL 82

23 FEB 2003

REG

h

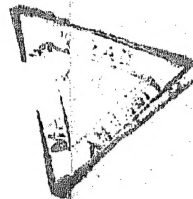
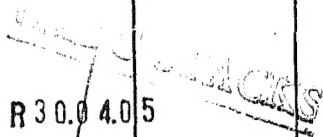
01 JUL 82



02 JUL 82

03 JUL 82

R30.0 4.0 5



155 49

